بھٹو کی سیاسی پیش گوئیاں

اور چوتھا مارشل لاء

حامد میر

www.bhutto.org

بھٹو کی سیاسی پیشگوئیاں
اور
چوتھا مارشل لاء

حامد میر

جمہوری پبلیکیشنز

www.bhutto.org

Independent & Progressive Books

• نام کتاب۔ بھٹو کی سیاسی پیشن گوئیاں اور چوتھا مارشل لا • مصنف۔ حامد میر
• اشاعت اکتوبر 2010ء • ٹائٹل۔ پروفیسر مرتضیٰ جعفری
• ناشر۔ جمہوری پبلیکیشنز لاہور جملہ حقوق محفوظ

ISBN:978-969-8455-57-6

قیمت-/250روپے

اہتمام:
فرخ سہیل گوئندی

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی کسی شکل میں دوبارہ اشاعت کی اجازت نہیں ہے۔ باقاعدہ قانونی معاہدے کے تحت جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

www.jumhoori.webs.com

Jumhoori Publications facebook Fan Page

JUMHOORI PUBLICATIONS
2-Aiwan-e-Tijarat Road Lahore, Pakistan
Tel # 042-36314140 Fax # 042-36306939
E-mail:jumhoori@yahoo.com

www.bhutto.org

انتساب

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید

کے نام

www.bhutto.org

کتاب کی اشاعت کیوں؟

5 جولائی 1977ء کو نام نہاد'' آپریشن فیئر پلے'' نامی پلان کے تحت جنرل ضیاء الحق نے پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید کی حکومت ختم، آئین معطل اور اسمبلیاں توڑ کر ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس پلان کے لئے کافی پیش بندیاں کی گئی تھیں اور اس کا تعلق ایک عالمی سازش سے تھا، جس کا ذکر وزیراعظم کی حیثیت سے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں 28 اپریل 1977ء کو کیا تھا۔ بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف حصار تنگ کیا گیا اور اُن کو مقدمات کے گھیرے میں داخل کر دیا گیا۔ ضیاء آمریت نے بھٹو کے خلاف قتل کے ایک جھوٹے مقدمے کو دوبارہ چلانے کا فیصلہ کیا اور غیر آئینی حکومت یہ دعوے کرتی رہی کہ وہ مکمل غیر جانبدار ہے، جب کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو بار بار یہ ثابت کرتے رہے کہ عدالتیں نہ صرف جانبدار ہیں بلکہ غیر آئینی حکومت کے زیر اثر ہیں جس کا ثبوت سپریم کورٹ میں تین کے مقابلے میں چار ججوں میں شامل ایک جج نسیم حسن شاہ نے چند سال پہلے ایک انٹرویو میں یہ تسلیم کر لیا کہ انہوں نے فیصلہ ضیاء الحق کے اثر کے تحت کیا۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ مسٹر بھٹو تقریباً پونے دو سال اِن مقدمات کے دوران بار بار یہ کہتے رہے کہ میرے خلاف یہ مقدمہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں یہاں پر کیوں کھڑا کیا گیا ہوں اور آپ کو عدالت کی کرسی پر کیوں بٹھایا گیا ہے، میرے خلاف مقدمے کا تعلق ملکی معاملات سے ہے اور میں اِن معاملات کو یہاں تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا، میں صرف یہ کہوں گا کہ جب بھارت نے 1974ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستان نے اس کے بعد ایٹمی ٹیکنالوجی کے لیے منصوبہ سازی شروع کر دی اور یوں ہم اس وقت بھارت سے بیس سال پیچھے تھے اور جب میری حکومت کا خاتمہ کیا گیا تو ہم صرف پانچ سال پیچھے رہ گئے ہیں اس طرح میرے مقدمے کا تعلق

www.bhutto.org

ملکی سلامتی اور خطے کے حالات دواقعات سے ہے۔"

ذوالفقار علی بھٹو نے دوران اسیری تحریر کا سلسلہ جاری رکھا جس میں انہوں نے پاکستان، خطے اور عالمی صورتحال کا تجزیہ کیا کہ سرد جنگ جلد ختم ہو جائے گی، اگلی دہائیوں میں مذہب اور نیشنلزم عالمی سیاست کا عنوان ہوں گے، ہندوکش کے پار بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی جو عالمی سیاست کو بدل دیں گی اور یہ کہ پاکستان اِن تبدیلیوں کے دوران کئی پیچیدگیوں کا شکار ہو جائے گا، جس کا تدارک ضروری ہے اور اگر مارشل لاء لگتا رہا تو ملک کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ انہوں نے 21 دسمبر 1978ء کو سپریم کورٹ میں زندگی کے آخری بیان یا خطاب میں کہا

"بہت پہلے میں نے جناب عزیز احمد سے کہا تھا کہ میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ اگر اور مارشل لاء لگا (یہ تیسرا ہے) تو یہ انتشار اور تباہی کے کنارے پر لے جائے گا، میں نے کہا تھا کہ چوتھا مارشل لاء اس ملک کو بہا لے جائے گا، انہی معنوں میں، میں نے گذشتہ دن یہ کہا تھا کہ اگلی دفعہ مارشل لاء ججوں کو بھی معاف نہیں کرے گا۔"

جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکمرانی کے بعد پاکستان آج تباہی کے جس دہانے پر کھڑا ہے وہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی پیش گوئی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

زیر نظر کتاب جناب حامد میر نے انہی سیاسی پیش گوئیوں کے حوالے سے مرتب کی جو کہ پہلی دفعہ 1990ء میں شائع ہوئی، جس کو دوبارہ بیس سالوں بعد ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے اور ،سیاسی پیش گوئیوں کو مدنظر رکھ کر آج کے سیاسی منظر نامے کے پس منظر کو سمجھا بھی جا سکتا ہے اور اِن کا ا بھی نکالا جا سکتا ہے جس کا ذکر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی اِن پیشگوئیوں میں کیا جو اس کتاب میں مد میر صاحب نے محققانہ انداز میں پیش کر کے قوم کی راہنمائی کے لیے ایک دستاویز کے طور پر سامنے تے ہیں۔ حامد میر کی یہ کتاب "بھٹو کی سیاسی پیشگوئیاں اور چوتھا مارشل لاء" آج کے فکری انتشار کی فیوں کو حل کرنے میں مددگار ہو سکتی ہے، یہی اس کی اشاعت کے پیچھے کارفرما جذبہ ہے۔

فرخ سہیل گوئندی

اکتوبر 2010ء

www.bhutto.org

فہرست

1۔ پہلا پیش لفظ	09
2۔ دوسرا پیش لفظ	13
3۔ کیا ذوالفقار علی بھٹو کے پاس روحانی علم تھا؟	17
4۔ اسمبلیاں توڑنے والی ''تیسری قوت'' سیاست میں مستقل کردار بن جائیگی	23
5۔ ملٹری انٹیلی جنس اور آپریشن پہیہ جام	33
6۔ 1989ء تک جنرل ضیاء الحق کی حکومت ختم ہو جائے گی	39
7۔ بینظیر بھٹو شرمناک شکست دے گی	41
8۔ خصوصی ٹربیونل اور سیاسی انتقام	45
9۔ وزیراعظم۔۔۔۔۔غلام اسحاق خان	47
10۔ چوتھا مارشل لاء سب کچھ بہالے جائیگا	49
11۔ لیاقت علی خان اور بھٹو کے مشترکہ دشمن	63
12۔ اگر استحصال جاری رہا تو مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جائیگا	69
13۔ بھٹو اور افغانستان	85
14۔ جب پاکستانی فوج نے قندھار پر حملے کی اجازت مانگی	89
15۔ آخری فتح کشمیری عوام کی ہوگی	91
16۔ تیسری عالمی جنگ اور مشرق وسطیٰ ''میں تباہی کو آتا دیکھ رہا ہوں''	103

www.bhutto.org

17۔ بھارت کا اتحاد خطرے میں ہے 113

18۔ ''چودھری ولی خان'' 115

19۔ اگر پاکستان پھر ٹوٹ گیا 119

20۔ پرانا نظام دم توڑ رہا ہے 125

21۔ مہنگائی اور افراط زر 131

22۔ مونگ کی دال، دو چپاتیاں اور پراسرار بڑھیا 135

23۔ جوہر شناسی اور جوہری توانائی 139

24۔ پاکستان، ایران اور ترکی کا اتحاد 143

25۔ ترکی، نیشنل سکیورٹی کونسل اور بھٹو 151

26۔ نئے محور کی تمنا، نئے قلعے کی تلاش 163

27۔ دیوار برلن ٹوٹ جائیگی 175

28۔ آخری بات، بینظیر بھٹو کا قتل 179

29۔ حوالہ جات 189

www.bhutto.org

پہلا پیش لفظ

ذوالفقار علی بھٹو منوں مٹی تلے دفن ہو جانے کے باوجود ابھی تک کیوں زندہ ہے؟ آج بھی لوگ بھٹو کے حق اور مخالفت میں اسی طرح گرما گرم بحثیں کرتے ہیں جس طرح بھٹو کی زندگی میں کرتے تھے۔ کچھ لوگوں نے بھٹو کی موت کے بعد بھی اس کی حمایت کر کے عروج حاصل کیا اور کچھ لوگوں نے بھٹو کی موت کے بعد بھی اس کی مخالفت کر کے نام کمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھٹو آج بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں بستا ہے اور آج بھی بہت سوں کے دلوں میں کانٹا بن کر چبھتا ہے..... یعنی بھٹو آج بھی زندہ ہے۔ لیکن آخر اس کی وجہ کیا ہے؟..... اس سوال کے جواب کی تلاش کے لئے میں نے بہت عرصہ تک غور کیا..... بھٹو کی زندگی کے متعلق لکھی جانے والی کتابیں پڑھیں۔ ان کے ساتھیوں کی باتیں سنیں۔ لیکن جب میں نے ذوالفقار علی بھٹو کی تحریروں اور تقریروں کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا کہ بھٹو آج بھی کیوں زندہ ہے؟ دراصل ذوالفقار علی بھٹو نے موت کو گلے لگا کر ایک جُوا کھیلا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر میں جھک گیا تو تاریخ میں مر جاؤں گا اور اگر میں نے جھکنے سے انکار کیا اور فوج کے ہاتھوں مر گیا تو تاریخ میں زندہ رہوں گا۔ چنانچہ انہوں نے تاریخ میں زندہ رہنے کے لئے فوج کے ہاتھوں مرنے کا جُوا کھیلا اور بازی جیت گئے۔ بالکل چلی کے صدر سلواڈور الاندے کی طرح..... گیارہ ستمبر 1973ء کو چلی کے صدر الاندے کے خلاف فوج نے بغاوت کی تو الاندے کو فرار ہونے کا موقع دیا گیا لیکن اس نے فرار ہونے کے بجائے فوج کا مقابلہ کیا۔ الاندے جانتا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اس کے خلاف بڑا مضبوط جال بچھایا ہے اور اس جال میں پھنسنے کا مطلب موت ہے۔ اس کے باوجود اس نے موت قبول کی اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو گیا۔ الاندے کی موت کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے

www.bhutto.org

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحدہ میں کہا تھا کہ ''اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ الاندے کو مار کر اس نے چلی میں سے انصاف کا مطالبہ ختم کر دیا ہے اور وقت کی سوئیاں مخالف سمت میں چلیں گی تو اسے غلط فہمی ہے۔ ایسے سانحے تو عوام کی جدّ وجُہد کو مزید آگے بڑھاتے ہیں''۔ 5 جولائی 1977ء کو جب ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ اُلٹا تو کہا گیا کہ بھٹو بھی امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر کے جال میں پھنس گئے ہیں لیکن بھٹو نے بھی بھاگنے کے بجائے اور اپنے بچاؤ کی اپیلیں کرنے کے بجائے موت کو ترجیح دی۔ الاندے کے دوست شاعر پابلو نرودا نے ایامِ اسیری میں لکھی جانے والی ایک نظم میں کہا تھا:۔

اب مجھ پر کشف ہوا کہ میں ''ایک'' نہ تھا
بلکہ ''ایک'' میں ''کئی'' تھا۔
اور میں کئی بار مر چکا ہوں۔
اور نہیں جانتا کہ میں نے کیسے دوبارہ جنم لیا
سوائے اس ایک احساس کے
یہ ''میں'' ہوں جو مر چکا ہے
اور شہر زندہ ہے!

پابلو نرودا کی یہ نظم الاندے اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے لوگوں کے بارے میں ہے جو ''ایک'' سے ''کئی'' بن کر لاکھوں انسانوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ ''ایک'' سے ''کئی'' بن کر زندہ رہنے والے کبھی صلیب پر چڑھے، کبھی انہوں نے زہر کا پیالہ پیا اور کبھی وہ دار پر لٹک گئے۔ یہ لوگ تاریخ بنا کر گئے اور تاریخ میں زندہ ہو گئے۔ الاندے کی موت کے 17 سال کے بعد جب چلی سے آمریت ختم ہوئی اور جمہوریت بحال ہوئی تو چلی کے لوگوں نے سلواڈور الاندے کے تابوت کو ایک نامعلوم مقام پر واقع قبر میں سے نکال کر اپنے دارالحکومت سان ٹیاگو میں سرکاری اعزاز کے ساتھ دوبارہ دفن کیا۔ الاندے کی دوبارہ تدفین کی رسوم میں بہت سے وہ لوگ بھی شریک تھے جنہوں نے 17 سال قبل فوج کے ساتھ سازش کر کے جمہوریت کو قتل کیا تھا۔ آج یہ لوگ اپنے کئے پر پشیمان تھے۔ پاکستان میں بھی جب آمریت کا مکمل خاتمہ ہوگا تو شائد ذوالفقار علی بھٹو کو سرکاری اعزاز کے ساتھ دوبارہ دفن تو نہ کیا جائے لیکن بہت سے ایسے لوگ ''زندہ ہے بھٹو زندہ ہے'' کا نعرہ لگانے والوں کی صف میں کھڑے ہو چکے ہوں گے جنہوں نے کبھی بھٹو کو ''ملک دشمن'' ''مداری'' ''قاتل'' اور ''کافر'' قرار دیا تھا۔ بھٹو کی بنائی ہوئی پاکستان پیپلز پارٹی

www.bhutto.org

ختم ہو سکتی ہے لیکن بھٹو زندہ رہے گا کیونکہ جب تک پیپلز پارٹی میں بھٹو زندہ رہے گا پیپلز پارٹی بھی زندہ رہے گی جس دن پیپلز پارٹی کی قیادت بھٹو سے دُور ہو گئی اس دن پیپلز پارٹی بھی ختم ہو جائے گی لیکن بھٹو پھر بھی تاریخ میں زندہ رہے گا۔ بھٹو پر آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن بھٹو نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں آنے والے حالات کے بارے میں جو پیش گوئیاں کی تھیں ان کے متعلق تفصیل سے بہت کم لکھا گیا۔ اس کتاب میں مختلف حالات و واقعات کے متعلق بھٹو کی پیش گوئیاں سامنے لائی جا رہی ہیں۔ یہ پیش گوئیاں بھٹو کے حامیوں اور مخالفین کے لئے یکساں دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

حامد میر

26 ستمبر 1990ء

296۔سی۔فیصل ٹاؤن۔لاہور

www.bhutto.org

دوسرا پیش لفظ

یہ اگست 1990ء کے آخری دن تھے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کو تین ہفتے گزر چکے تھے اور وہ مختلف سیاسی قوتوں کے ساتھ ملکر ایک نیا سیاسی اتحاد بنانے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔ 20 ماہ کی حکومت کے دوران روزنامہ جنگ میں کچھ ایسی خبریں شائع ہوئیں جن کا ذکر صدر غلام اسحاق خان نے بینظیر حکومت کے خلاف اپنی چارج شیٹ میں کیا تھا۔ لہٰذا محترمہ بینظیر بھٹو روزنامہ جنگ سے ناراض تھیں لیکن انکی ناراضگی صرف اس حد تک محدود تھی کہ انہوں نے روزنامہ جنگ کو انٹرویو دینے سے انکار کر دیا۔ اسلام آباد اور کراچی میں جنگ کے کئی سینئر ساتھیوں نے ان سے انٹرویو کیلئے وقت مانگا لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ میں ان دنوں روزنامہ جنگ لاہور سے وابستہ تھا۔ حکومت کی برطرفی کے چند دن بعد محترمہ بینظیر بھٹو لاہور تشریف لائیں تو مجھے ان کے ساتھ بات چیت کا موقع ملا۔ انہوں نے مجھے پوچھا کہ کیا انتخابات منصفانہ ہونگے؟ میرا جواب نفی میں تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی کو زیادہ سے زیادہ کتنی نشستیں ملیں گی؟ میرا جواب تھا کہ آپکو قومی اسمبلی میں زیادہ سے 50 نشستیں دی جائیں گی۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ سب کون کر رہا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ آپ اپنے والد کی کتاب ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا'' کو غور سے پڑھ لیں تو آپکو پتہ چل جائیگا کہ آپکو حکومت سے کس نے نکالا اور اب آپکو حکومت سے باہر کون رکھے گا کیونکہ وہ سیاست میں ایک مستقل کردار بن چکے ہیں۔ بینظیر صاحبہ نے مجھے پوچھا کہ آپ نے شہید بھٹو کی کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟ میں نے انہیں تمام کتابوں کے نام گنوا دیئے۔ انہیں اگلے دن کراچی جانا تھا۔ انہوں نے مجھے اگلی صبح ایئرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں ملنے کیلئے کہا۔

اگلے دن انکی صبح سات بجے کی پرواز تھی۔ میں چھ بجے ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو

www.bhutto.org

اور آصف علی زرداری ساڑھے چھ بجے تشریف لائے تو وہاں پر چوہدری اعتزاز احسن' ناہید خان اور انکے چند محافظوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے ملکی صورتحال پر مجھ سے بات چیت شروع کر دی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ 50 سے زیادہ نشستیں لیں گی۔ میرا استدلال یہ تھا کہ جنہوں نے آپکو حکومت سے نکالا ہے وہ آپکو دوبارہ نہیں آنے دینگے اور اگر آپ نے انتخابی مہم میں تیزی پیدا کی تو بلیک میل کرنے کیلئے وہ آپ پر جھوٹے مقدمے دائر کریں گے۔ آصف علی زرداری نے میرے ساتھ اتفاق کیا۔ میں نے موقع مناسب جان کر زرداری صاحب سے کہا کہ بی بی صاحبہ روزنامہ جنگ سے ناراض ہیں آپ مجھے ان سے انٹرویو کا وقت دلوا دیں۔ زرداری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے پرانے دوست میر شکیل الرحمٰن کے بارے میں کچھ شکوے شکائتیں کیں اور کہا کہ تمہارے اخبار کا مالک مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہے لیکن پھر بھی میں تمہاری سفارش کر دیتا ہوں۔ انہوں نے بی بی صاحبہ سے بات کی اور یوں مجھے چند دن بعد اسلام آباد بلا لیا گیا۔ مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ محترمہ بینظیر بھٹو اپنے شوہر آصف علی زرداری کی سفارش کو کتنی اہمیت دیتی تھیں۔ اسلام آباد میں ڈاکٹر نیازی کے ہاں میں نے محترمہ بینظیر بھٹو کا انٹرویو کیا جس میں انہوں نے پہلی دفعہ اپنی زندگی کو لاحق خطرات کا ذکر کیا۔ انٹرویو کے بعد چائے کے دوران میں نے انہیں کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے جیل سے آپکے نام ایک خط لکھا تھا جو "میری پیاری بیٹی" کے نام سے شائع بھی ہوا۔ اس خط میں انہوں نے آپکو جو گائیڈ لائن دی آپ اس پر چلتی رہیں تو پاکستان کے بہت سے مسائل حل کر سکتی ہیں۔ یہ سن کر محترمہ بینظیر بھٹو نے مجھے کہا کہ آپکی میرے والد پر بہت ریسرچ ہے آپ ان پر کتاب لکھیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ بھٹو صاحب پر بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں البتہ انکی پولیٹیکل فلاسفی اور مستقبل بینی پر زیادہ نہیں لکھا گیا لہٰذا میں انکی سیاسی پیش گوئیوں پر کتاب لکھوں گا۔ زیر نظر کتاب دراصل محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ اگست 1990ء میں ہونیوالی اسی گفتگو کے بعد لکھی گئی۔ یہ کتاب 26 ستمبر 1990ء کو مکمل ہوئی اور اکتوبر 1990ء میں شائع ہوئی۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو میری عمر صرف 24 برس تھی۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ گلزار ہاؤس لاہور میں فخر زمان نے محترمہ بینظیر بھٹو کو یہ کتاب دکھائی تو انہوں نے فوراً اسکی ورق گردانی شروع کر دی اور چند دن کے بعد ایک خط کے ذریعہ مجھے اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دی۔ اس کتاب کی تقریب رونمائی مال روڈ لاہور پر انٹرنیشنل ہوٹل میں ہوئی جس میں ملک معراج خالد' حبیب جالب' حنیف رامے' جام ساقی' مشاہد حسین' نذیر ناجی' لاہور میں ایران کے کلچرل اتاشی صادق گنجی' فرخ سہیل گوئندی اور دیگر احباب شریک ہوئے۔ اس کتاب

www.bhutto.org

کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ کئی سال کے بعد نومبر 2007ء کی ایک صبح محترمہ بینظیر بھٹو نے زرداری ہاؤس اسلام آباد میں مجھے اس کتاب کی یاد دلائی اور کہا کہ آپ کو اپنی کتاب کا آخری باب یاد ہے؟ میں نے کہا کہ جی مجھے یاد ہے آپ کے والد نے کہا تھا کہ اگر بینظیر بھٹو کو قتل کیا گیا تو پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائیگا؟ محترمہ بینظیر بھٹو نے انگریزی میں کہا کہ ''انہوں نے مجھے قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے لیکن مجھے اپنی نہیں بلکہ پاکستان کی فکر زیادہ ہے۔'' چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتی کہ میری موت کے بعد آپ مجھ پر کتاب لکھیں گے یا نہیں لیکن اپنی پہلی کتاب کو Update کر لینا اور اس میں کچھ اضافہ کر دینا۔ جس طرح ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی زندگی میں اپنی موت کی پیش گوئی کر دی تھی اُسی طرح محترمہ بےنظیر بھٹو نے بھی میرے سامنے اپنی موت کی پیش گوئی کی اور کہا کہ میرے قتل کا ذمہ دار پرویز مشرف ہوگا۔

27 دسمبر 2007ء کو انکی شہادت کے کچھ دنوں بعد میرا ایک کالم پڑھ کر میرے پرانے مہربان مظفر محمد علی نے مجھے فون کیا اور کہا کہ ''بھٹو کی سیاسی پیش گوئیاں'' کو کچھ اضافے کے بعد دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اپنی مصروفیات سے وقت نہ نکال سکا۔ اس دوران مظفر محمد علی کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں بعد فرخ سہیل گوئندی صاحب نے خود ہی اعلان کر دیا کہ وہ ''بھٹو کی سیاسی پیش گوئیاں'' دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ میں نے عیدالفطر کی چھٹیوں کے دوران کچھ وقت نکال کر اس کتاب پر نظر ثانی کی ہے، بہت سا اضافہ کیا اور دو نئے ابواب اس کتاب میں شامل کر دیے ہیں۔ میں نے بڑی ایمانداری کے ساتھ اس کتاب میں ذوالفقار علی بھٹو کی ذہانت اور انکی بہادری کی تعریف کی ہے اور کئی مقامات پر انکی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے تاکہ ہمیں انکی غلطیوں سے سبق سیکھنے میں آسانی ہو۔ انہوں نے 6 مارچ 1978ء کو لاہور ہائیکورٹ میں دائر کردہ اپنی آئینی درخواست میں کہا تھا کہ ------''میرا یقین دستور پر ہے، تم دستور کو کاغذ کا ایک ٹکڑا سمجھتے ہو، میں سمجھتا ہوں مُلا کا مقام مسجد ہے تم اسے پاکستان کا مالک بنانا چاہتے ہو، میں خواتین کی آزادی چاہتا ہوں تم انہیں اندھیروں میں چھپائے رکھنا چاہتے ہو، میں مشرق پر یقین رکھتا ہوں تمہارا یقین دولت مشترکہ پر ہے، میں مستقبل کی درخشانیوں کا نمائندہ ہوں اور تم نے مذہب کو پراگندہ کر دیا ہے، اور فرقہ وارانہ قتل و غارت شروع کروادی ہے براہ کرم بتادو کہ تم پاکستان کو غرناطہ بنانا چاہتے ہو یا کربلا؟'' اسی آئینی درخواست میں انہوں نے کھل کر کہا کہ پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازش شروع ہو چکی ہے اور امریکی انتظامیہ اس سازش کا سب سے اہم کردار ہے۔ بھٹو نے بار بار

www.bhutto.org

وارننگ دی تھی کہ پاکستان کا سب سے بڑا دشمن مارشل لاء ہے اور چوتھا مارشل لاء سب کچھ بہالے جائے گا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے فوجی کارروائی کے ذریعہ اقتدار پر قبضہ کیا لیکن مارشل لاء نہیں لگایا۔ وہ ملک کو مارشل لاء اور جمہوریت کے درمیان چلاتا رہا لیکن اس کے باوجود اس نے اتنی تباہی پھیلائی کہ 3 نومبر 2007ء کو اسے ایمرجنسی نافذ کرنی پڑی۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے اس ایمرجنسی کو منی مارشل لاء کہا۔ 18 فروری 2008ء کو ملک میں دوبارہ انتخابات ہوئے جس کے بعد مشرف استعفےٰ دیکر بیرون ملک چلا گیا لیکن اسکی باقیات ابھی تک طاقت کے مراکز میں موجود ہیں۔ سپریم کورٹ نے مشرف کو غاصب قرار دیا لیکن اس کا احتساب نہیں ہوا اور مارشل لاء کا خطرہ ابھی تک ہماری سیاسی فضاؤں میں منڈلا رہا ہے۔ میں نے اس کتاب میں مارشل لاء کے خطرے کو سامنے رکھ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اگر چوتھا مارشل لاء بھی آ گیا تو پھر ذوالفقار علی بھٹو کی پیش گوئیوں کی روشنی میں پاکستان کا کیا نقشہ بنے گا۔

حامد میر

21 ستمبر 2010ء

اسلام آباد

www.bhutto.org

کیا ذوالفقار علی بھٹو کے پاس روحانی علم تھا؟

ذوالفقار علی بھٹو جب تین سال کے تھے تو سخت بیمار ہو گئے۔ ان کے والد نے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے ان کا علاج کروایا لیکن وہ ٹھیک نہ ہوئے۔ آخر کار ذوالفقار علی بھٹو کی والدہ بیگم خورشید شاہنواز نے ایک شخص کو لعل شہباز قلندر کے مزار پر بھیجا اور وہاں کے مجاور ولی محمد خان کے نام پیغام بھیجا کہ وہ ان کے بیٹے کی صحت یابی کے لئے دُعا کریں۔ بیگم خورشید شاہنواز کا بھیجا ہوا آدمی تین دن لعل شہباز قلندر کے مزار پر رہا۔ تیسرے دن مجاور ولی محمد خان نے کہا کہ بچہ آٹھ دن بعد بدھ کے روز رات 9 بجے ہوش میں آجائے گا۔ اس نے بیگم خورشید شاہنواز کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ بچہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ بچہ مستقبل میں بڑا انسان بنے گا۔

مجاور ولی محمد خان کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک آٹھ دن بعد بدھ کی رات 9 بجے کے قریب ذوالفقار علی بھٹو کو ہوش آ گیا۔ مجاور کی پیش گوئی کے عین مطابق ٹھیک ہو جانے والے ''ذلفی'' نے جب ہوش سنبھالا تو اس نے سیاسی حالات کے بارے میں پیش گوئیاں کرنی شروع کر دیں۔ ان کی بہن بیگم منور الاسلام اور کزن عاشق علی بھٹو کے مطابق ان کی پیش گوئیاں پوری ہو جاتی تھیں۔ عاشق علی بھٹو کا کہنا ہے کہ جب میرے والد نے مجھے اور میرے بھائی ممتاز علی بھٹو کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے برطانیہ بھیجا تو ذوالفقار علی بھٹو وہاں پہلے سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ہماری ہر شام اکٹھے گزرتی تھی۔ عاشق علی بھٹو کہتے ہیں کہ ایک دن لندن کے ہائیڈ پارک میں ذوالفقار علی بھٹو نے مجھے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ میں اپنے ملک اور قوم کے لئے جان دے دوں گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے نوجوانی کے دَور میں اپنے متعلق جو پیش گوئی کی تھی وہ درُست ثابت ہوئی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی زندگی میں بہت سی پیش گوئیاں کیں۔ کچھ تو ان کے ہوتے ہوئے

www.bhutto.org

ہی پوری ہوئیں اور بہت سی ان کی موت کے بعد پوری ہوئیں۔ذوالفقار علی بھٹو کی پیش گوئیوں کا ذکر کرنے سے قبل ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کیا ذوالفقار علی بھٹو کے پاس کوئی روحانی علم تھا؟ کیا وہ ولی اللہ تھے؟ اس سلسلے میں ہم نے بہت سے علماء اور بزرگوں سے گفتگو کی۔ مستقبل کا حال بتانے کے سلسلے میں "پیرا سائیکالوجی" ایک پورا علم ہے۔ اس سلسلے میں ماہرین نفسیات سے بھی بحث ہوئی اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے پاس کوئی روحانی علم نہ تھا' نہ ولی اللہ تھے اور نہ ہی پیرا سائیکالوجی کے ماہر تھے۔ روحانی علم رکھنے والے اور پیرا سائیکالوجی کے ماہر افراد کبھی سیاسی لیڈر نہیں بنتے۔ وہ عبادت گزار اور ٹھنڈے مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات اور ماہرینِ سیاسیات کے مطابق ایک دُور اندیش اور معاملہ فہم سیاستدان بھی آنے والے حالات کی تصویر کشی کر سکتا ہے۔ کیونکہ مختلف سیاسی رویّوں سے سیاسی حالات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی قوم کی تاریخ اور اس قوم کی فطرت کا مطالعہ کرنے سے آنے والے حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنے والا شخص ذہنی طور پر اپنی قوم سے مخلص ہو اور کڑی سیاسی آزمائشوں سے گزرا ہوا ہو۔ اسے عوام کے مسائل اور نظام کی خرابیوں کا بھی پتہ ہو۔ تب ہی وہ آنے والے حالات کا تجزیہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو ایک دُور اندیش اور معاملہ فہم سیاستدان تھے اور ان میں آنے والے حالات کا اندازہ لگانے کی صلاحیت بہت غیر معمولی تھی۔ یہ غیر معمولی صلاحیت صرف غیر معمولی شخصیات میں ہوتی ہے۔ لیکن بھٹو کی اپنے متعلق کی جانے والی پیش گوئیاں نا قابل فہم ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے کچھ لوگوں کو ان کے کردار اور انجام کے متعلق کوئی غیبی اشارہ دیا جاتا ہو۔

بہر حال اگر ہم بھٹو کے بچپن اور جوانی کے حالات کا تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ شروع ہی سے ملکی و غیر ملکی سیاست میں دلچسپی لیتے تھے۔ بڑے بڑے مصنفین کی کتابیں پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ لہٰذا سیاسی حالات و واقعات پر ان کی شروع ہی سے گہری نظر تھی۔ قیامِ پاکستان سے قبل قائداعظمؒ بھٹو کے "ہیرو" بن چکے تھے۔ قائداعظمؒ کے مقاصد بھٹو کے مقاصد تھے۔ لیکن وہ ابھی ایک نوعمر طالب علم تھے اور عملی طور پر قائد اعظم کا ہاتھ نہیں بٹا سکتے تھے۔ لیکن اپنے غیر مسلم دوستوں کے ساتھ قائداعظمؒ کے حق میں خوب بحث کرتے۔

"میں ابھی سکول میں پڑھتا ہوں اس لئے اپنے مقدس وطن کے قیام میں عملی مدد نہیں دے سکتا' لیکن وہ وقت آنے والا ہے جب میں پاکستان کے لئے اپنی جان بھی قربان کر دوں گا"۔.....

یہ الفاظ 26 اپریل 1945ء کو ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے قائداعظمؒ کو لکھے جانے والے خط

www.bhutto.org

کے ہیں۔ بمبئی میں زیر تعلیم سولہ سال کے ذوالفقار علی بھٹو نے قائداعظمؒ کے نام اپنے خط میں لکھا کہ "یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج کے مسلمان اپنی مجاہدانہ اور سپاہیانہ صفات سے محروم ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں پر یہ حقیقت کھل جانی چاہیے کہ ہندو نہ کبھی ہم سے مل سکتے ہیں نہ کبھی ملیں گے۔ وہ ہمارے قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہو جانی چاہیے کہ ہمارے قائد آپ ہیں۔ گرامی قدر! آپ نے ہمیں واحد پلیٹ فارم اور واحد جھنڈے تلے جمع کیا ہے اور ہر مسلمان کا نعرہ یہی ہونا چاہیے..... "لے کے رہیں گے پاکستان"..... آپ کی ذات میں ہمیں ایک قابل قائد نصیب ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت ہمارا راستہ نہیں روک سکتی۔ ہم اپنے حقوق لے کر رہیں گے"۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خط کا جواب قائداعظمؒ نے یکم مئی 1945ء کو دیا۔ قائداعظمؒ نے لکھا کہ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ سیاسی معاملات کو سمجھ رہے ہیں' میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں تو اپنی تعلیم کو نظر انداز نہ کیجئے گا۔ انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو سینئر کیمرج کے امتحان میں فیل ہو گئے۔ بھٹو کے بچپن کے دوست پیلو مودی نے اپنی کتاب "ذلفی مائی فرینڈ" میں لکھا ہے کہ ذلفی اپنی ذہانت کے باوجود کیسے فیل ہو گیا یہ میری سمجھ میں نہیں آیا؟ شائد شروع میں ذلفی کی تعلیم ٹھیک طریقے سے نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ پڑھنے کی صحیح ٹیکنیک سمجھ نہ پایا تھا۔ پیلو مودی کے بقول انہی دنوں ذلفی کی چھوٹی بہن کا انتقال ہو گیا۔ ذلفی اسے بہت پیار کرتا تھا اس لئے اس کا دل پڑھائی سے اُچٹ جانا قدرتی تھا۔ لیکن فیل ہو جانے کے بعد ذلفی نے نا اُمید ہونے کے بجائے زور و شور سے پڑھائی کی اور تقریباً چھ ماہ تک وہ کسی سے نہیں ملا اور آخرکار 1946ء میں اس نے سینئر کیمرج کا امتحان پاس کر لیا۔ شائد ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے لیڈر قائداعظمؒ کی ایسی نصیحت کو ذہن نشین کر لیا تھا کہ تعلیم کو نظر انداز نہ کرنا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کم عمری ہی میں مختلف موضوعات پر کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور نا صرف برصغیر بلکہ تمام دنیا کی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کی۔ پیلو مودی لکھتے ہیں کہ ذلفی مسٹر جناح کا اور میں مہاتما گاندھی کا مرید بن گیا تھا۔ ذہنی طور پر میں ہندوستان کی تقسیم کو کبھی تسلیم نہ کر سکا جبکہ ذلفی ہندوستان کی تقسیم کا حامی تھا اور یہ محسوس کرتا تھا کہ پاکستان کے بغیر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ممکن نہیں ہے۔ ذلفی کے لئے مسٹر جناح کی ہر بات حرفِ آخر تھی یعنی مسٹر جناح جو کہیں وہی سچ ہے شائد اس لئے میں بھی سوچنے لگا کہ گاندھی جی جو کہتے ہیں وہ درست ہے۔ پیلو مودی کی بیان کردہ یادداشتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے نزدیک قائداعظمؒ کا کیا مقام تھا۔ قائداعظمؒ کی نصیحت کے مطابق مزید علم کے حصول کے لئے بھٹو امریکہ چلے

www.bhutto.org

گئے۔ لاس اینجلس کی یونیورسٹی آف ساؤتھرن کیلیفورنیا میں انہوں نے سیاسیات اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں دوران تعلیم بھٹو نے پہلی مرتبہ مضامین لکھنے شروع کیے انہوں نے بین الاقوامی مسائل اور خاص طور پر تیسری دنیا کے حالات کا تجزیہ کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ''نیوز ویک'' میں ایڈیٹر کے نام خطوط اور چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے شروع کیے۔ ساتھ ہی ساتھ سنجیدہ نوعیت کے مقالے تیار کرنے شروع کر دیے جنہیں وہ اپنے ہم عصر طلبہ کی محفلوں میں پڑھا کرتے۔ بھٹو کی تحریروں میں خاص بات یہ ہوا کرتی تھی کہ وہ آنے والے حالات کی تصویر کشی پر زیادہ زور دیتے تھے۔ بعد ازاں وہ برکلے کی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں داخل ہو گئے۔ اس زمانے میں انہوں نے یونیورسٹی میں فلسطینیوں اور ویت نام کے لوگوں کے حقوق کے لئے تحریک چلائی۔ بھٹو نے قائداعظمؒ کو ایک دفعہ پھر خط لکھا اور تجویز پیش کی کہ پاکستان کو فلسطینیوں کی مدد کے لئے اپنے مجاہد بھیجنے چاہئیں۔ بھٹو نے لکھا کہ ایسے مجاہدوں کے دستے میں مجھے بھی شامل کیا جائے۔ بھٹو کی بہن منور الاسلام کا کہنا ہے کہ جب میرے بھائی امریکہ میں پڑھتے تھے تو مجھے ان کے بہت خطوط آتے تھے۔ اپنے ان خطوط میں اکثر وہ اس خدشے کا اظہار کرتے کہ اسرائیل قائم ہو جائے گا۔ وہ لکھتے کہ ہم مسلمان ہار رہے ہیں۔ وہ اپنے خطوط میں یہ بھی لکھتے کہ میرے ساتھ جو یہودی زیر تعلیم ہیں ان کے ساتھ میری اکثر لڑائی رہتی تھی۔ ان دنوں امریکہ کے مسلمان طلبہ میں ذوالفقار علی بھٹو نے یہ نظریہ یکم اپریل 1948ء کو اپنے ایک لیکچر کی صورت میں پیش کیا تھا جس کا موضوع ''اسلام کی تہذیبی میراث'' تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے اس لیکچر میں کہا تھا کہ مسلمان ممالک کو اسلامی اقدار کے اندر رہتے ہوئے جمہوریت اور سوشلزم کا راستہ اپنانا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں میں سے ایک اور اتاترک یا جناح جنم لے گا جو انہیں متحد کرنے کا باعث بنے گا۔ بھٹو نے اپنے لیکچر میں کہا تھا کہ میں ''اسلامک کنفیڈریشن'' کے متعلق اتنا ہی پُر امید ہوں جتنا کہ برِصغیر کی تقسیم سے قبل مجھے قیام پاکستان کا یقین تھا۔ 1950ء میں بھٹو کرائسٹ چرچ کالج آکسفورڈ چلے گئے۔ یہاں سے انہوں نے 1952ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران وہ مسلسل پاکستان بھی آتے جاتے رہے انہوں نے کچھ عرصہ تک یونیورسٹی آف ساؤتھمٹن میں بین الاقوامی قانون کے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ سندھ مسلم لاء کالج کراچی میں بھٹو کافی عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی وکالت شروع کی۔ انہی دنوں جب ون یونٹ کے خلاف تحریک چلی تو بھٹو نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے ون یونٹ کے خلاف ایک پمفلٹ بھی لکھا۔ سکندر مرزا اور ایوب خان ذوالفقار علی بھٹو کے والد شاہنواز بھٹو کے دوست تھے۔ شاہنواز بھٹو کا

www.bhutto.org

تحریک پاکستان کے ایک بزرگ رہنما کے طور پر بہت احترام کیا جاتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دوست پیلو مودی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ 1955ء کے آخری دنوں کی بات ہے۔ سکندر مرزا شکار کھیلنے کے لئے شاہنواز بھٹو کے پاس آئے ہوئے تھے۔ یہاں ان کی ملاقات ذوالفقار علی بھٹو سے ہوئی۔ سکندر مرزا اس نوجوان سے بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث کے لئے پاکستان کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کو بھیجا جائے۔ سکندر مرزا نے پاکستان کے وزیراعظم چودھری محمد علی سے کہا کہ ذوالفقار کو پاکستانی وفد میں شامل کرلیا جائے۔ چوہدری محمد علی نے بھٹو کو اپنے پاس بلایا اور مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی۔

لیکن بھٹو اور چودھری محمد علی کے درمیان اس مسئلہ پر اختلاف ہوگیا کہ سلامتی کونسل میں کشمیر کا کیس کس انداز میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا چودھری محمد علی نے بھٹو کو سلامتی کونسل میں نہ بھیجا۔ چند ماہ بعد سکندر مرزا نے بھٹو کو کراچی بلایا اور کہا کہ وہ ستمبر 1956ء میں اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تیاری کریں۔ جب دوبارہ موقع آیا تو وزیراعظم چودھری محمد علی کے بجائے حسین شہید سہروردی تھے، حسین شہید سہروردی بھٹو سے اچھی طرح واقف تھے۔ 1955ء میں ان کے گھر پر بھٹو اور شیخ مجیب الرحمن کے درمیان لڑائی ہوگئی تھی۔

سہروردی کئی مرتبہ ذوالفقار علی بھٹو سے کہہ چکے تھے کہ وہ عوامی لیگ میں شامل ہوجائیں لیکن بھٹو انکار کردیتے تھے۔ چنانچہ سہروردی نے بھٹو کا نام اقوام متحدہ جانے والے وفد میں سے کاٹ دیا۔ دوسری طرف سکندر مرزا کی خواہش تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ 1957ء میں جب کراچی میونسپل کارپوریشن کو ختم کردیا گیا تو سکندر مرزا نے بھٹو کو پیشکش کی کہ وہ اس ادارے کے سربراہ بن جائیں۔ لیکن اب کی دفعہ بھٹو نے انکار کردیا۔ ان کا موقف تھا کہ اس ادارے کے سربراہ کی نامزدگی نہیں بلکہ انتخاب ہوتا ہے لہٰذا میں غیر جمہوری طریقے سے اس ادارے کا سربراہ نہیں بنوں گا۔

یہ وہ دن تھے جب حکومتِ پاکستان اقوام متحدہ میں اپنے ایک ذہین اور ماہر ''وکیل'' کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔ آخرکار سکندر مرزا اور حسین شہید سہروردی کی باہمی رضامندی سے بھٹو کو اقوام متحدہ بھیج دیا گیا۔ 25، اکتوبر 1957 کو ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحدہ میں عالمی امن کی اہمیت اور ضرورت پر ایک طویل تقریر کی۔ غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے بھٹو کی تقریر کو بڑی اہمیت دی۔ چنانچہ 1958ء میں انہیں ایک دفعہ پھر اقوام متحدہ میں بھیجا گیا۔ 17، مارچ 1958ء کو بھٹو نے اقوام متحدہ کی خصوصی کمیٹی

www.bhutto.org

برائے سمندری قوانین سے خطاب کیا اور انہوں نے جو تجاویز پیش کیں ان سب کو کمیٹی نے خصوصی اہمیت دی۔ اقوام متحدہ میں دو دفعہ خطاب کرنے کے بعد بھٹو نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونی دنیا میں بھی اہم شخص بن گئے۔ اکتوبر 1958ء میں جب ایوب خان برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے بھٹو سے کہا کہ وہ کابینہ میں شامل ہو کر ملک کی خدمت کریں۔ ایوب خان نے بھٹو کو یقین دلایا کہ وہ مناسب وقت پر انتخاب ضرور کروائیں گے۔ دراصل ایوب خان کو بھی اقوامِ متحدہ میں بھٹو کی شدید ضرورت تھی۔ لہٰذا بھٹو کو کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ بھٹو وزیرِ تجارت اور وزیرِ قدرتی وسائل و ایٹمی توانائی تھے۔ لیکن انہیں اقوامِ متحدہ میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ 1963ء میں محمد علی بوگرہ کی وفات پر بھٹو کو وزیرِ خارجہ بنا دیا گیا۔ لیکن چند ہی سال بعد مسئلہ کشمیر پر ان کے ایوب خان سے اختلافات پیدا ہو گئے اور انہوں نے 1966ء میں حکومت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ 1966ء تک ذوالفقار علی بھٹو ملکی و بین الاقوامی سیاست کا نہ صرف بغور مطالعہ کر چکے تھے بلکہ سیاسی عمل میں سے خود بھی گزر چکے تھے۔ لہٰذا اس کے بعد انہوں نے جو بھی پیش گوئیاں کیں وہ سچ ثابت ہوئیں اور یہ سب ان کی سیاسی فہم و فراست کا کمال تھا۔

www.bhutto.org

اسمبلیاں توڑنے والی ''تیسری قوت''
سیاست میں مستقل کردار بن جائے گی

24، اکتوبر 1954ء کو جب پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی توڑی گئی تو ذوالفقار علی بھٹو پاکستان میں تھے۔ مئی 1954ء کے ''ویژن'' کراچی میں بھٹو کا ایک مضمون بعنوان ''آئینی روایات'' شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے آئینی اداروں کو درپیش خطرات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ تقریباً 3 ماہ کے بعد جب گورنر جنرل کے حکم سے اسمبلی توڑ دی گئی تو بھٹو نے اس اقدام کی مذمت کی۔ مئی 1956ء میں ''ویژن'' کراچی میں ان کا مضمون ''آئین کے لئے کیا ضروری ہے؟'' شائع ہوا' اس مضمون میں انہوں نے لکھا کہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آئین کو ایک خالصتاً قانونی دستاویز نہیں سمجھتے بلکہ کاغذات کا ایک پلندہ سمجھتے ہیں۔ کئی سال کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے معزول وزیراعظم کی حیثیت سے جیل کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر اپنی آخری کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' لکھی تو انہوں نے 24، اکتوبر 1954ء گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے اسمبلی توڑنے کے بارے میں اہم انکشافات کئے۔ اپنی اس کتاب کے آٹھویں باب میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا ہے کہ پاکستان میں ہر سویلین حکومت کا مارشل لاء کے ذریعے تختہ الٹنے کی دھن کا بنیادی عنوان ''بہانہ جنگی'' ہوتا ہے۔

1951ء میں لیاقت علی خان نے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف میجر جنرل اکبر خان کی فوجی بغاوت کی کوشش کو کچل دیا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان نے حکومت پر قبضے کی کوشش کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ انہوں نے سازشیوں کو پاکستان اور جمہوریت کے دشمن قرار دیا۔ انہوں نے جرنیلوں کو وارننگ دی کہ وہ پاکستان کی بہبود اور وحدت کے لئے سیاست سے دور رہیں۔ انہوں نے بغاوت کرنے

www.bhutto.org

والوں کو خود غرض قرار دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو آگے چل کر لکھتے ہیں کہ دوسری فوجی بغاوت اکتوبر 1954ء میں ہوئی جب گورنر جنرل غلام محمد نے پاکستان کی خود مختار آئین ساز اسمبلی توڑ دی۔ اگر پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کی مکمل پشت پناہی نہ ہوتی تو یہ غیر اخلاقی اور غیر آئینی قانونی کارروائی با ثمر ثابت نہ ہوتی۔ اس مضبوط و توانا تعاون کے بغیر غلام محمد ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تیسری ظاہری فوجی بغاوت اکتوبر 1955ء میں ہوئی جب مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور میں صوبوں کی خود مختاری کے تصور کو ختم کر کے مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنا دیا گیا۔ یہ کام انہی فوجوں نے کیا جنہوں نے ایک سال پہلے دستور ساز اسمبلی کو ختم کیا تھا۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو غلام محمد کی طرف سے اسمبلی توڑنے کے اقدام اور ون یونٹ کے قیام کو بھی فوجی بغاوت قرار دے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جب کوئی رسول سربراہ مملکت ایسا کوئی اقدام اٹھاتا ہے تو دراصل اس کی پشت پر فوج ہوتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں کہ اکتوبر 1958ء میں سخت تر چیز ظہور میں آئی جب جنرل ایوب خان نے فوج کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ مارچ 1969ء میں جنرل یحییٰ خان نے فوج کے ذریعے حکومت سنبھالی۔ مارچ 1973ء میں بریگیڈیئروں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ 5، جولائی 1977ء کو پھر فوجی بغاوت معرضِ وجود میں آئی۔

ذوالفقار علی بھٹو فوج کو ایک تیسری سیاسی قوت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فوج نے 1954ء میں کھلے عام ایک سیاسی قوت بننے کا آغاز کر دیا تھا۔ اس وقت سے بطور سیاسی قوت فوج کا کردار وسیع ہوا ہے کم نہیں ہوا۔ فوج سیاسی میدان میں راستہ پھلانگ کر اندر آنے والی قوت رہی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو آگے چل کر فوج کے کردار پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ برصغیر لاطینی امریکہ نہیں ہے۔ لاطینی امریکہ کی تاریخی روایت، ماسوائے میکسیکو اور برازیل میں بادشاہی کے مختصر تجربے کے علاوہ یہ رہی کہ ایک کے بعد دوسری سپین اور پرتگال کی نوآبادیاتی آمریت قائم ہوتی رہی ہے۔ یا اپنے ہی ملک کی فوج حکومت کا تختہ الٹتی رہی۔ میکسیکو اور کیوبا میں انقلاب آئے۔ چلی کی مضبوط جمہوری روایت ہے وگرنہ وسیع سطح پر عام طور پر بھی یہی ہوا کہ خارجی نوآبادیاتی حکومتوں سے انتقال اقتدار داخلی نوآبادیاتی نظام کو منتقل ہوتا رہا۔ برصغیر افریقہ نہیں ہے، یہاں بھی مضبوط بادشاہتوں کے علاوہ اقتدار کا نوآبادیاتی آمریتوں جیسے برطانیہ، فرانس اور پرتگال سے داخلی فوجی آمریتوں کو ہی انتقال ہوتا رہا۔ گنی، تنزانیہ، کینیا اور زیمبیا کے علاوہ افریقی رہنما نکرومہ، جنہوں نے اپنی قوموں کو آزادی دلوائی ان کی حکومتوں کا تختہ بھی برازیل کے صدر گولاٹ کی طرح فوج ہی الٹتی رہی ہے۔

www.bhutto.org

مشرق وسطیٰ میں بادشاہتیں قائم ہیں یا انقلابی حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ شام اور عراق میں حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد بعث پارٹی کا کنٹرول ہے۔ تیسری دنیا میں جہاں کہیں حکومتوں کا فوجی طاقت سے تختہ الٹا گیا اس کے نتیجے میں اشتراکی انقلاب آیا یا پھر خانہ جنگی ہوئی یا پھر دونوں ہوئے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اسی نکتہ کا ایک کیس ہے۔ افغانستان کا موجودہ انقلاب بھی اس ضمن میں آتا ہے۔ داؤد خان کی حکومت کا تختہ الٹنا ظاہر شاہ کی بادشاہت کے خاتمے کے مقابلے میں ایک ترقی پسند اور اشتراکی انقلاب کے لئے زیادہ آسان ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ بہت سی وجوہات کی بناء پر برِصغیر میں حالات اپنی منفرد نوعیت کے رہتے ہیں۔ برِصغیر کے خون میں جمہوری ادارے رچے بسے ہیں۔ مثلاً پنچائتی نظام ۔دوسری وجہ یہ ہے کہ برصغیر ایک وسیع و عریض سرزمین ہے۔ جہاں بہت سی آبادی ہے۔ اس کے علاوہ برِصغیر میں عوامی تحریکیں اشوک کے زمانے سے متحرک رہی ہیں اور چوتھی وجہ یہ کہ ان اسباب کو تسلیم کرتے ہوئے 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد برطانیہ نے ہندوستان کے لوگوں کو قسطوں میں جمہوریت دی۔ جمہوریت کا یہ عمل 90 برس تک جاری رہا حتیٰ کہ 1947ء میں مکمل آزادی حاصل کر لی گئی۔ بھٹو کہتے ہیں کہ آج کل ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر تخلیق ہوا تھا۔ یہ درست ہے لیکن پاکستان تخلیق کس نے کیا تھا؟ مسلمان عوام نے جو قائداعظمؒ کی پختہ اور عظیم عوامی قیادت میں جدوجہد کرتے رہے۔ پاکستان جرنیلوں کے ٹولے نے تخلیق نہیں کیا تھا یہ ملک مسلمانوں کی عظیم تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا نہ کہ نصف شب حکومت کا جبری تختہ الٹنے سے وجود میں آیا۔ یہ ملک عوام نے بنایا اور اس کی آزادی کو صرف عوام کے منتخب رہنماؤں کے ذریعے برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ ایک غاصب فوجی ٹولے کو ایسا کوئی اعتماد و اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کام کی تکمیل کر سکے۔ بھٹو کے بقول کسی غاصب ٹولے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ فیصلہ کرے کہ اس ملک کا نظم و نسق اسلام کے نام پر چلایا جائے گا بلکہ اس کی تشریح اجتماعی طور پر پارلیمنٹ میں ہونی چاہیے اس کا فیصلہ کوئی ایسا فرد یا گروہ نہیں کر سکتا جس کے ہاتھ بندوق ہو۔ اسلام کا نام کسی بندوق یا اس کی نالی سے باہر نہیں آیا۔ میں اس بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ پاکستان کے عوام کسی غیر ملکی تسلط و مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے اور پاکستانی عوام کسی اندرونی سازش کو بھی برداشت نہیں کریں گے یہ دونوں سازشیں ایک دوسرے کو مکمل کرتی ہیں۔ اگر ہمارے عوام نے بے بسی سے اندرونی سازش کے آگے سر جھکا دیا تو وہ بیرونی سازش کے سامنے بھی جھک جائیں گے۔ یہ اس لئے ہے کہ غیر ملکی سازش کی طاقت اور اختیار اندرونی سازش کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔ اگر لوگ کمزور، قوت

www.bhutto.org

سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں پھر ان کے لئے ممکن نہیں رہتا کہ وہ مضبوط طاقت کے سامنے مزاحمت کر سکیں۔ اندرونی سازش کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بیرونی سازش کو قبول کر لیا۔ پاکستان کے عوام ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی برداشت نہیں کریں گے۔ وہ ان سازشوں کے خلاف اُٹھ کھڑیں ہوں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا خیال ہے کہ فوجی بغاوتیں اور حکومتوں پر ناگہانی قبضے ایک تباہی ہوتے ہیں۔ ترقی اور توسیع کی بھوک، ننگے اقتدار کی نہ بجھنے والی پیاس، ایک عادت بن جانے والے نشے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ خانہ جنگی کے المیے کو جنم دے سکتی ہے۔ بھٹو اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے نویں باب میں بھی فوج کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایشیا میں تھائی لینڈ میں فوج نے حکومت کا تختہ اُلٹا تو اس ملک میں علیحدگی پسندی کی تحریکوں میں جان پڑ گئی اور یہ تحریکیں شدید سے شدید تر ہو گئیں، اگر تھائی بادشاہت نے اتحاد کا ایک معاہدہ نہ کیا ہوتا تو ملک اس وقت تک ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہوتا۔ فلپائن میں ایک سویلین صدر کے ذریعے مارشل لاء لگایا گیا جس سے مناڈاؤ کے علاقے میں علیحدگی کی تحریک تیز ہو گئی۔ اس کے برعکس ملائشیا کے نئے اور کمزور اتحاد کو دیکھئے جو ڈنکن سینڈیز کی ریتلی زمین پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ کمزور اتحاد غیر متوقع طور پر مضبوط ہوتا دکھائی دیتا ہے یہ سب جمہوریت کے طفیل ہوا ہے۔ بھارت کی طرف دیکھئے اگر بھارت کو بھی پاکستانی قسم کے مارشل لاؤں اور فوجی آمریتوں کو برداشت کرنا پڑتا تو بھارت اس وقت تک تین چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا۔ بھارت میں پاکستان سے کہیں زیادہ عدم ہم آہنگی پائی جاتی ہے لیکن اگر بھارت کی وحدت قائم ہے تو اُس کی وجہ جمہوریت ہے۔ بھٹو جمہوریت کی عدم موجودگی میں علیحدگی پسندی کے رجحانات جنم لینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب عوام حکومت میں شرکت کا احساس نہیں رکھتے تو سیاسی انتشار جنم لیتا ہے اور پھر قومی وحدت مجروح ہوتی ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ ایک نظام وہ ہوتا ہے جس میں عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں اور وہ نمائندے حکومت قائم کرتے ہیں، دوسرا نظام وہ ہوتا ہے جس میں ملک صرف ایک سیاسی پارٹی چلاتی ہے لیکن دونوں صورتوں میں مسلح افواج بہرصورت حکومت کے تابع ہوتی ہیں اور اسی کے حکم و ہدایت کے مطابق کام کرتی ہیں۔ اگر ایک ملک کی وحدت اور خود مختاری عوام اور اُن کے منتخب نمائندوں کے اعلیٰ ہاتھوں میں محفوظ نہیں تو پھر یہ دوسرے ہاتھوں میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ عوام اور اُن کی حب الوطنی کی توہین ہے کہ غیر منتخب، تنخواہ یافتہ چوکیداروں کو قومی اتحاد و وحدت کا علمبردار بنا دیا جائے، یہ قومی وحدت کی موت کا ماتمی نغمہ ہوگا۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ بلاشبہ فوجوں کی بغاوتیں اور بدامنی دبانے اور سیلاب وغیرہ پر قابو پانے کے لئے احکامات

www.bhutto.org

دیے جاتے ہیں لیکن ایک عارضی ضرورت کو قومی زندگی کا ایک مستقل حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں بھٹو کی دلیل یہ ہے کہ مخصوص حالات میں بھی وسیع تر آئینی اختیارات نہیں دیے جا سکتے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ میں نوشتۂ دیوار دیکھ چکا ہوں میں نے اکتوبر 1977ء میں انتباہ کر دیا تھا۔ سپریم کورٹ میں آئینی رٹ درخواست کی سماعت کے دوران میں نے کہا تھا کہ آئین کو حد درجے کم سے کم عرصے کے لئے معطل کیا جانا چاہیے اگر یہ عرصہ طول کھینچے گا تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ چاروں صوبوں نے رضا کارانہ طور پر اپنی جو خود مختاری مرکز کو سونپ رکھی ہے وہ قانونی طور پر صرف اس صورت میں مرکز کے پاس رہ سکتی ہے کہ انتخابات کا وقت مقرر کر دیا جائے۔ بھٹو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وفاق صرف آئین میں طے کردہ اصولوں کے تحت قائم رہتا ہے اگر آئین معطل کر دیا جائے تو پھر صوبوں میں علیحدگی پسندی کے رجحانات فروغ پا سکتے ہیں۔ بھٹو کہتے ہیں کہ حکومت کا فوج سے ناگہانی طور پر تختہ الٹا جانا ایک ناگوار تجربہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے پیچھے ایک خوف ناک ورثہ چھوڑ جاتا ہے۔ پاکستان پاک انسانوں کی سرزمین ہے لیکن یہ سرزمین (فوجستان) بن چکی ہے۔ اگر فوجی بغاوتیں اور انقلاب سیاسی ڈھانچے کا مستقل حصہ بن جائیں تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ مرجھائے ہوئے پھول کی آخری پتی بھی نیچے گر جائے گی۔

اس کا مفہوم ہے خاتمہ! قائداعظم نے تو کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا کہ فوج پاکستان کی سیاست میں ایک مستقل کردار کی مالک بن جائے گی۔ ایسا خیال بھی اُن کے لئے مکروہ تھا۔ انہوں نے کاکول میں کیڈٹوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ دل و جان سے حکومت اور آئین کے وفادار رہیں۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ کی یہ تقریر میرے علم میں نہ تھی بلکہ جب جون 1977ء میں مشرق وسطیٰ کے مختصر دورے پر میں روانہ ہوا تو ایک دن پہلے چیف آف دی آرمی سٹاف نے میری توجہ قائداعظمؒ کی اس تقریر کی طرف مبذول کروائی تھی۔ جب وہ کراچی کے ہوائی اڈے سے میرے ساتھ کار میں میری رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے ایک دفعہ پھر قائداعظمؒ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ میری حکومت کے ساتھ وفادار ہیں لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد اُنہی جنرل ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹ دیا۔ 21 جون 1978ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کو ایک طویل خط لکھا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا کہ جو فوجی اپنے بیرکوں کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور سرکاری محلوں میں رہنے لگتے ہیں وہ جنگیں ہار جاتے ہیں اور جنگی قیدی بن جاتے ہیں جیسا کے 1971ء میں ہوا تھا۔ پاکستانی فوج کے جرنیلوں نے اس تاریخ کو دہرانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اپنے خط میں بھٹو لکھتے ہیں کہ فوجی ڈکٹیٹروں نے

www.bhutto.org

ایشیاء، لاطینی امریکہ اور افریقہ کو روند ڈالا ہے۔ اپنے اس اقدام کے نتیجے میں انہوں نے مارکس اینگلز لینن اور ماؤ کی تصنیفات سے زیادہ کمیونزم کو پھیلانے کا کام کیا ہے۔ وہ نو آبادیاتی دور کے بعد بدترین ظالم حکمرانوں کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے قابل احترام اداروں کو تباہ کیا ہے اور اپنی عوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک' کیا ہے انہوں نے داخلی نفاق اور بیرونی گنجلک پیدا کی ہے۔ ڈکٹیٹر وہ جانور ہے جس کو پنجرہ میں بند کرنے کی ضرورت ہے۔ اُس نے اپنے پیشے اور آئین سے انحراف کیا ہے۔ اُس نے عوام کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور انسانی اقدار کو پامال کیا ہے۔ اُس نے ثقافت تباہ کی ہے۔ اُس نے نوجوانوں کو پابند کیا ہے اور حکومتی ڈھانچے کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ ڈکٹیٹر محض اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے وہ ایک قہر ہے جو انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ وہ جزامی ہے۔ جو شخص بھی اسے چھوتا ہے وہ جزامی ہو جاتا ہے۔ وہ نظریہ اور اعلیٰ اصولوں سے بے بہرہ ہے۔ بھٹو مزید لکھتے ہیں کہ ان فوجی ڈکٹیٹروں نے آزادی کے لئے جنگ نہیں لڑی ہے اور نہ ہی وہ کسی نظریہ کے پابند ہیں۔ وہ ایسے سازشی ہیں جو سماجی لحاظ سے نچلے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یکا یک ترقی کر کے اعلیٰ طبقہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔ وہ غیر ملکی سفارتخانوں کے ''شو بوائے'' ہیں۔ وہ ہر وقت اس تلاش میں رہتے ہیں کہ اپنے پیشے کو خیر باد کہہ کر اپنے مالک کے پیشے کو اپنا لیں۔ ڈکٹیٹر وہ شخص ہے جس سے لوگ متنفر اور بیزار ہیں۔ وہ ایسا شخص ہے جو ایک اعلیٰ افسر کی بیساکھی پر بھروسہ کرتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے نام خط میں ذوالفقار علی بھٹو نے تیسری دنیا کے فوجی حکمرانوں کے ذہن اور کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پیشہ ور فوجی ڈکٹیٹروں کے دماغ ایک جیسے خطوط پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا موقف اور طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہم نے مجبوراً اور عارضی طور پر فوجی بیرکوں کو خیر باد کہا ہے اُن کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم نے حکومت کا تختہ محض ملک کو خانہ جنگی اور کمیونزم سے بچانے کی خاطر الٹا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گندے سیاستدانوں نے جو گڑبڑ پیدا کی ہے اس کو صاف کرنے کے لئے، امن و امان برقرار رکھنے کے لئے، رشوت ستانی ختم کرنے کے لئے اور سیاسی استحکام کے لئے ہم نے اقتدار پر قبضہ کیا ہے۔ بھٹو نے ایوب خان، یحییٰ خان اور ضیاالحق کی تقاریر کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کو ان کی تقاریر میں ایک مشترکہ عنصر نظر آئے گا۔ ان (سادہ سپاہیوں) کی وردی میں ایک ہی قسم کی ڈوری ہوتی ہے اور ان کی تمنائیں منفی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ان کا تعلق ایشیاء، افریقہ اور لاطینی امریکہ سے ہوتا ہے۔ وہ کسی اعلیٰ نظریہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ نہیں کرتے بلکہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے سمجھوتے میں ترمیم کرنے کے لئے، تانبے

www.bhutto.org

کی کانوں میں غیر ملکی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے اس امر کو یقینی بنانے کے لئے کہ ملک ناٹو یا سینٹو کے معاہدات سے علیحدہ نہ ہوگا، بڑی طاقتوں کے مفادات کی خاطر ایسا کرتے ہیں۔ وہ تضادات کے خالق ہیں۔ وہ جب سیاسی منظر سے علیحدہ ہوتے ہیں تو اپنے پیچھے کہیں زیادہ بدعنوانی، رشوت ستانی، عدم استحکام، کمزور اقتصادیات، انتشار اور آئینی خلا چھوڑ جاتے ہیں۔ جرنیلوں کی مہم جوئی کا ایک عنصر سیاستدانوں کو بدعنوان اور گندے قرار دے کر اُن کا مذاق اُڑانا ہوتا ہے۔ وہ سیاستدانوں کی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ بغیر کسی پس وپیش کے فوجی جنتا تمام قومی خرابیوں کی ذمہ داری سیاسی قیادت کے کندھوں پر ڈال دیتی ہے۔ ماضی کے واقعات کے بارے میں مبالغہ آمیز اور غلط توضیحات کی جاتی ہیں اور ماضی کی سیاسی قیادت کو بدنام کرنے کے لئے جعلی دستاویزات تیار کی جاتی ہیں۔ اقتدار پر غاصبانہ طور پر قبضہ جمانے کے ساتھ ساتھ سیاسی لیڈروں کے کارناموں کو بھی غصب کرلیا جاتا ہے۔ جو سیاسی لیڈر جس قدر زیادہ مقبول ہوتا ہے اور قوم کے لیے جس قدر زیادہ اُس کے کارنامے ہوتے ہیں اتنا ہی زیادہ زور وشور کے ساتھ اُس کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے اور اس کے اوپر ظلم وستم کیا جاتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت اور نظریات سیاسیات کے طلبہ کیلئے انتہائی دلچسپ مطالعہ ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے عملی سیاست کا آغاز ایک فوجی ڈکٹیٹر جنرل ایوب خان کے ساتھ کیا' پھر اسی ڈکٹیٹر کیخلاف بغاوت کی۔ جمہوری طریقے سے اقتدار حاصل کیا اور ایک ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں پھانسی کے پھندے پر جھول گئے۔ انہوں نے تاریخ کے ہاتھوں مرنے کی بجائے ایک فوجی ڈکٹیٹر کے ہاتھوں مرنا پسند کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مارشل لائی حکومت کے ساتھ اپنی سیاست کا آغاز کرنیوالے ذوالفقار علی بھٹو ایک اور مارشل لاء کے ہاتھوں کیوں مارے گئے؟ بھٹو کی زندگی اور انکے آخری ایام کے مطالعے سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ سیاست میں فوج کے کردار کو پاکستان کے وجود کیلئے زہر سمجھتے تھے۔ بدقسمتی سے جب پاکستان کے پہلے ملٹری ڈکٹیٹر جنرل ایوب خان نے 1964ء کے صدارتی انتخابات میں دھاندلی کے ذریعہ قائداعظمؒ کی بہن محترمہ فاطمہ جناحؒ کو شکست دی تو بھٹو ڈکٹیٹر کے ساتھ تھے۔ ڈکٹیٹر نے فاطمہ جناحؒ کو شکست دینے کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ کے پاکستان کو بھی شکست دیدی۔ پھر جب اسی ڈکٹیٹر نے غیر ملکی دباؤ پر بھارت کے ساتھ کشمیر پر سودے بازی کرنے کی کوشش کی تو بھٹو بپھر گئے اور انہوں نے وزارت خارجہ سے استعفیٰ دیکر اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ بھٹو ایک فوجی حکومت کا حصہ رہے تھے۔ لہٰذا وہ فوجی جرنیلوں کے طرز فکر سے اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ

www.bhutto.org

فوج پاکستان کی سیاست میں مستقل کردار چاہتی ہے۔ بھٹو کی موت کے بعد فوج نے یہ کردار حاصل کرنے کیلئے 1988ء کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد تشکیل دیا۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ حمید گل اعتراف کر چکے ہیں کہ انہوں نے چیف آف دی آرمی سٹاف کے حکم پر آئی جے آئی بنائی لیکن اس کے باوجود محترمہ بینظیر بھٹو کو حکومت بنانے سے نہ روکا جاسکا۔ فوج نے 20 ماہ کے بعد مئی 1990ء میں محترمہ بینظیر بھٹو کی حکومت کو ختم کروایا اور نئے انتخابات میں دوبارہ مداخلت کی۔ آئی ایس آئی کے ایک اور سابق سربراہ اسد درانی اعتراف کر چکے ہیں کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کے مخالف سیاستدانوں میں بھاری رقوم تقسیم کیں۔ 1993ء میں پیپلز پارٹی نے اپنے پرانے دشمن غلام اسحاق خان اور آرمی چیف وحید کاکڑ کے ساتھ مل کر نواز شریف کی حکومت ختم کی۔ پیپلز پارٹی نے غلام اسحاق خان سے جان چھڑانے کے بعد فاروق لغاری کو صدر بنایا لیکن فوج نے فاروق لغاری کو اپنے دام میں پھنسا کر 1996ء میں بینظیر بھٹو کی حکومت ختم کردی۔ 1997ء میں نواز شریف دوبارہ وزیراعظم بنے تو فوج نے نیشنل سکیورٹی کونسل کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ نواز شریف نے تجویز کو ناپسند کیا اور یوں آرمی چیف جہانگیر کرامت کو استعفٰے دینا پڑا۔ بعدازاں پرویز مشرف نے اکتوبر 1999ء میں نواز شریف کا تختہ الٹا اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد نیشنل سکیورٹی کونسل تشکیل دیدی۔ نیشنل سکیورٹی کونسل کے ذریعہ فوج پاکستانی سیاست کا ایک مستقل کردار بن گئی اور پھر اسی سیاسی کردار کے تحت پاکستانی فوج نے 2007ء میں محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ قومی مفاہمتی آرڈیننس (این آر او) کا سمجھوتہ کیا۔ جنرل پرویز مشرف اور محترمہ بینظیر بھٹو کے درمیان این آر او کا معاہدہ دراصل ذوالفقار علی بھٹو کے اس موقف کی توثیق تھی کہ فوج سیاست میں ایک مستقل کردار بن جائیگی اور انکی اپنی بنائی ہوئی پارٹی نے فوج کے ساتھ معاہدہ کرکے بھٹو کی پیش گوئی کو تو پورا کیا لیکن بھٹو کے نظریات کی خلاف ورزی کی۔ اس این آر او کے تحت محترمہ بینظیر بھٹو پاکستان واپس آئیں تو انہیں احساس ہوا کہ این آر او ایک دھوکہ تھا۔

27 دسمبر 2007ء کو انہیں لیاقت باغ راولپنڈی میں شہید کردیا گیا۔ فوج وعدے کے مطابق انتخابات کا انعقاد نہیں چاہتی تھی۔ محترمہ بینظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کو ایک سال کیلئے نگران وزیر اعظم بنا کر انتخابات ملتوی کرنے کی تجویز پیش کی گئی جو زرداری نے مسترد کردی۔ آخر کار 18 فروری 2008ء کو بظاہر شفاف اور منصفانہ انتخابات ہوئے لیکن بلوچستان میں ملٹری انٹیلی جنس کی کھلم کھلا دھاندلی چھپ نہ سکی۔ پیپلز پارٹی نے بھاگ دوڑ کرکے کسی نہ کسی طرح دوبارہ حکومت بنالی لیکن اپنی نااہلی اور

www.bhutto.org

کمزوریوں کے باعث فوج کے سیاسی کردار کو محدود کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ فوج کو جب ضرورت پڑتی ہے وہ پریس ریلیز کے ذریعہ کیری لوگر بل پر اپنے تحفظات کا اظہار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔ بظاہر فوج کا دعویٰ ہے کہ وہ سیاست سے دور ہو چکی ہے لیکن اس دعوے کے باوجود حکمران بدستور فوج کے کنٹرول میں نظر آتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے دور میں اسی فوج نے جنرل پرویز مشرف کو گارڈ آف آنر دیکر پاکستان سے رخصت کر دیا۔ مشرف نے پاکستان کا آئین دو مرتبہ توڑا۔ 31 جولائی 2009ء کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ چلایا جانا تھا لیکن یہ مقدمہ نہیں چلا جو اس امر کا ثبوت ہے کہ فوج پاکستان کی سیاست کا سب سے طاقتور کردار ہے لیکن اس طاقتور کردار نے پاکستان کی سلامتی کو کتنا مضبوط کیا اس سوال کا جواب ہم آگے چل کر دیں گے کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو کہتے ہیں کہ جو فوج سیاست کرتی ہے وہ ملک کا دفاع نہیں کر سکتی۔ مشرف دور میں بنائی جانیوالی نیشنل سکیورٹی کونسل کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے ختم کر دیا لیکن مشرف کی طرف سے بنائے گئے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کو اسی پیپلز پارٹی کی حکومت نے مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع دیکر دنیا کو کچھ نہ کہتے ہوئے بھی کہہ دیا کہ فوج سویلین حکومت سے زیادہ مضبوط ہے۔ بظاہر پیپلز پارٹی نے مسلم لیگ (ن) اور دیگر سیاسی جماعتوں کے ساتھ ملکر آئین میں اٹھارہویں ترمیم منظور کروالی اور ان ترامیم کا خاتمہ کر دیا جو جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف نے 1973ء کے آئین میں شامل کی تھیں لیکن ایک طاقتور لابی آج بھی پارلیمانی نظام کے بجائے ایک ایسا نظام چاہتی ہے جو جنرل پرویز مشرف کے دور میں تھا۔ مشرف دور کی کنٹرولڈ ڈیموکریسی میں پارلیمنٹ ایک فوجی صدر کے اشاروں پر ناچتی تھی اور عملاً یہ صدارتی نظام تھا۔ پاکستان کے فوجی جرنیلوں کی اکثریت ملک میں صدارتی نظام کی حامی ہے۔ کیونکہ صدر کے ذریعہ پارلیمنٹ کو قابو میں لانا آسان ہوتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 6 مارچ 1978ء کو لاہور ہائیکورٹ میں دائر کی جانیوالی درخواست میں 28 اگست 1977ء کو راولپنڈی میں جنرل ضیاء الحق کے ساتھ اپنی ملاقات کا انکشاف کیا۔ یہ ملاقات اس وقت ہوئی جب عدالت نے بھٹو کو ضمانت پر رہا کیا اور ابھی تک ان پر قتل کا مقدمہ شروع نہیں ہوا تھا۔ اس ملاقات میں جنرل فیض علی چشتی بھی موجود تھے۔ بھٹو نے لکھا کہ جنرل ضیاء الحق اس ملاقات میں پارلیمانی نظام کیخلاف گفتگو کرتے رہے اور مجھے کہا کہ میں انہیں کسی ایسے نظام کا نقشہ بنا کر دوں جو ملک میں کامیابی سے چل سکے۔ دوسرے الفاظ میں جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو 1973ء کے آئین سے ہٹ کر صدارتی نظام قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن بھٹو صاحب نے انکار کر دیا۔ انکار کے

www.bhutto.org

بعدانہیں ایک پرانے مقدمہ قتل میں ملوث کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ بھٹو درست کہتے تھے۔ جنرل ضیاء الحق نے آٹھویں ترمیم کے ذریعہ پارلیمانی نظام کو صدارتی نظام میں بدل دیا۔ بعدازاں نواز شریف اور بینظیر بھٹو نے ملکر آٹھویں ترمیم ختم کی اور صدر سے اسمبلیاں توڑنے کے اختیارات واپس لے لئے لیکن کچھ سال کے بعد جنرل پرویز مشرف نے 17 ویں ترمیم کے ذریعے اسمبلیاں توڑنے کے آئینی اختیار کو واپس لے لیا۔ 2010ء میں پیپلز پارٹی نے 18 ویں ترمیم کے ذریعہ اس اختیار کو صدر سے واپس لیکر وزیراعظم کو دیدیا لیکن فوج اور سیاستدانوں میں آئینی اختیارات کی کشمکش جاری رہے گی۔ یہ کشمکش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک پارلیمنٹ کسی آئین شکن جرنیل پر آئین کی دفعہ چھ کے تحت غداری کا مقدمہ چلا کر اسے عبرت کی مثال نہیں بنائے گی۔

www.bhutto.org

ملٹری انٹیلی جنس اور آپریشن پہیہ جام

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں بعض اہم انکشافات کیے ہیں اور ان انکشافات کی روشنی میں پاکستان کی آئندہ سیاست کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی سیاست میں انٹیلی جنس اداروں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے پانچویں باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب 1965ء کی پاک بھارت جنگ شروع ہوئی تو ملٹری انٹیلی جنس اس قابل نہیں تھی کہ بھارتی آرمرڈ ڈویژنوں کا اتا پتا معلوم کر سکے۔ ملٹری انٹیلی جنس کی اس کارکردگی پر صدر ایوب خان بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے انٹر سروسز کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر ریاض حسین کو راولپنڈی میں اپنے دفتر میں طلب کر لیا۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ میں اس وقت وزیر خارجہ تھا اور میں بھی وہاں موجود تھا۔ ایوب خان نے ریاض حسین کو خوب لتاڑا اور اسے بتایا کہ ملٹری انٹیلی جنس نے ملک کو سرنگوں کر دیا ہے۔ صدر ایوب نے بریگیڈیئر ریاض حسین کو خوب ڈانٹا اور سختی سے پوچھا کہ بتاؤ آخر ملٹری انٹیلی جنس میں کیا خرابی واقع ہوئی ہے تو ریاض حسین نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا کہ جناب جون 1964ء سے ملٹری انٹیلی جنس کو سیاسی کام سونپے گئے ہیں۔ ملٹری انٹیلی جنس کو یہ کام سونپا گیا ہے کہ انتخابات اور انتخابات کے بعد کے معاملات کو دبایا جا سکے۔ بھٹو نے ایک اور انکشاف یہ کیا ہے کہ 1964ء میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے صدر ایوب کے مقابلے میں جنرل اعظم کو صدارتی امیدوار بننے سے روکا تھا۔ ایوب خان نے اپنے خلاف اپوزیشن کے اتحاد ''ڈیک'' کو سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے توڑنے کی کوشش کی۔ اس نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے پوری کوشش کی کہ میری پارٹی مضبوط نہ ہو سکے۔ اس نے 30 نومبر اور یکم دسمبر 1968ء کو ہمارے بنیادی اجلاسوں کو سبوتاژ کروانے کی کوشش کی۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ یحییٰ خان سیاستدانوں میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو استعمال کرتا تھا۔ میری پارٹی پر انٹیلی جنس

www.bhutto.org

ایجنسیوں کی خاص توجہ تھی۔ 1970ء کے انتخابات کے بعد اور جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے خاتمہ کے بعد بھی دونوں سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیاں میری پارٹی میں دباؤ ڈالنے کے لئے گھسی ہوئی تھیں تاکہ منتخب نمائندوں کو اپنے اثر و رسوخ سے زیر کر سکیں۔ جنوری 1972ء میں لندن کے لئے جاتے ہوئے، شیخ مجیب الرحمن نے مجھے بتایا کہ مغربی پاکستان کے پانچ افراد پر وہ ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے اور انہیں پلٹن میدان میں پھانسی لگانا چاہتا ہے۔ ان پانچ میں سے دو کا تعلق ملٹری اور سول انٹیلی جنس سے تھا۔ مجیب الرحمن نے سیاست میں ان افراد کی گھناؤنی کارروائی کی تفصیل مجھے بتائی۔ میں نے مجیب الرحمن کو بتایا کہ ہمارا تجربہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ جب میں 20 دسمبر 1971ء کو پاکستان کا صدر بنا تو لیفٹیننٹ جنرل جیلانی انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر تھے۔ وہ 5 جولائی 1977ء تک اسی حساس عہدے پر فائض رہے۔ بھٹو کے بقول غلام جیلانی کو چھوا تک نہیں گیا۔ وہ پانچ برس سے زائد عرصے تک میرے ہر کزی انٹیلی جنس افسر رہے۔ میں ان کے ساتھ بعض حساس موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا رہا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں انٹیلی جنس اداروں کو ایک باوقار اور مستحکم انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ میں مدغم کرنا چاہتا ہوں جو داخلی اور خارجی حصوں پر مشتمل ہوگا۔ لیفٹیننٹ جنرل جیلانی نے میرے ساتھ مستقبل کے منصوبوں پر بے تکلفی سے گفتگو کی۔ لیفٹیننٹ جنرل جیلانی کی مجھے متاثر کرنے کی یہ کوشش کامیاب رہی اور چھ جرنیلوں کو نظر انداز کر کے میں نے میجر جنرل ضیاالحق کو چیف آف دی آرمی سٹاف کا عہدہ دے دیا۔ اس معمولی انکشاف کے بعد میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کس نے کس کا استحصال کیا؟

ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ اور چیف آف دی آرمی سٹاف نے میرا استحصال کیا یا میں نے ان کا استحصال کیا۔ آگے چل کر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی معزولی اور رچرڈ نکسن کی حکومت کے خاتمے کا موازنہ کیا ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ رچرڈ نکسن انتظامیہ میں تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا۔ حکومت کا نیا انقلابی ڈھانچہ بنانا چاہتا تھا۔ وفاقی بیوروکریسی پر کنٹرول کرنا چاہتا تھا۔ بھٹو نے امریکی مصنف ایچ آر ہالیڈ مین کی کتاب "دی اینڈز آف پاور" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ صدر نکسن کی حکومت کے خاتمے کے سلسلے میں سی۔ آئی۔ اے کو شبہے سے بالاتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بھٹو کے بقول میں بھی دوبارہ برسر اقتدار آ کر وسیع پیمانے پر تبدیلیاں لانے کا ارادہ رکھتا تھا، میں اپنی مقبولیت کی انتہا پر تھا جب میرے خلاف سازش کا آغاز ہوا اور سازش کرنے والی انٹیلی جنس کمیونٹی تھی جو میرے خیالات سے واقف تھی۔ میرے دور میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے وہ بھیانک کارنامے انجام نہیں دیے جو وہ مارشل لاء ڈکٹیٹروں کے لئے انجام دیتی رہی

www.bhutto.org

ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ یہ ایجنسیاں اس وقت کیا کر رہی ہیں۔وقت آنے پر ہر بات کا انکشاف ہو کر رہے گا۔" اگر مجھے قتل کیا گیا" کے ساتویں باب میں بھٹو نے ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ دیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ جب 1977ء کے انتخابات کے بارے میں پاکستان قومی اتحاد نے یہ الزام لگایا کہ ہم نے دھاندلی کی ہے تو ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو اور آئی۔ایس۔آئی نے 4، مارچ 1977ء کو اپنی ایک مشترکہ رپورٹ میں مجھے بدعنوانی سے بری الذمہ قرار دیا۔اس کا مطلب ہے کہ مسلح افواج نے ایک ادارے کی حیثیت سے مجھے اس میں نہیں پھنسایا۔ جنوری 1977ء میں خفیہ ہاتھوں کے متعلق مجھے رپورٹیں ملنے لگیں۔اسی مہینے رفیع رضا نے مجھے ساڑھے چار گھنٹے کی ملاقات میں بتایا کہ PNA بنائی جا رہی ہے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اگر میں نیوکلیئر پروسیسنگ پلانٹ کو بھول جاؤں تو اپوزیشن متحد نہیں ہوگی یا انتخابات ملتوی کر دوں یا پھر سنگین نتائج کے لئے تیار رہوں۔رفیع رضا نے مجھے متنبہ کیا کہ میرے اردگرد لوگ جو بڑا شور مچا رہے ہیں اور مجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک انچ پیچھے نہ ہٹوں۔جب پردہ گرے گا تو ان میں سے ایک بھی میرے پاس نہ ہوگا۔رفیع رضا نے میرا انکار سننے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ میں خود کو اور اپنے خاندان کو خطرے میں کیوں ڈال رہا ہوں تو میں نے جواب دیا کہ میں ایک فلاحی نظام قائم کرنا چاہتا ہوں تا کہ اپنے ملک کو توانا اور جدید بنا سکوں۔ان لوگوں کے لئے خوشیاں لا سکوں جو اس لفظ کے معنی سے بھی آشنا نہیں ہیں۔آنسو ہمیشہ بہتے رہیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ کم آنسو بہیں اور کم تلخی کے ساتھ بہیں بعد ازاں PNA کی تشکیل میرے لیے حیران کن نہیں تھی۔فرق یہ تھا کہ جگتو فرنٹ، CCF اور ڈیک "دیسی کام" تھا جبکہ PNA دیسی سازش نہیں تھی۔رفیع رضا مجھے اس کے غیر ملکی رنگ بتا چکے تھے۔بھٹو اپنی کتاب کے گیارہویں باب میں لکھتے ہیں کہ تیسری دنیا کو غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کرنی ہے اور غیر ملکی قیادتوں کے خلاف جدوجہد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ فوج کے ذریعہ حکومتوں کا تختہ الٹنے کی سازشوں کا مقابلہ کیا جائے۔بیرونی نوآبادیاتی نظام کا سب سے بڑا ذریعہ اندرونی نوآبادیاتی نظام ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی قیادتوں کو ہم پر فوجی جبر و قوت کے بغیر نہیں تھوپا جا سکتا۔ فوج کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنا ملکی اتحاد کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔فوجی بغاوتوں کے ذریعے آزاد لوگوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بنیادوں کو ہلا دیا جاتا ہے۔ہمیں جان لینا چاہیے کہ غیر ملکی قیادت ہمیشہ فوجی سازش اور فوجی اقتدار کے پل کے ذریعہ ہمارے ملک کے اندر آتی ہے۔ PNA کے ساتھ غیر ملکی عناصر کا تعاون کسی محبت کے بغیر نہیں تھا، باہمی مفاہمت ہو چکی تھی۔ جب میں اگست 1977ء میں راولپنڈی آیا تو میں نے مسٹر عزیز احمد

www.bhutto.org

سے کہا کہ وہ مجھے اس پچاس صفحے پر مشتمل دستاویز کی نقل دیں جو دفترِ خارجہ نے تیار کی تھی جس میں غیر ملکی عناصر کے ملوث ہونے کو اول سے آخر تک بیان کیا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی واحد نقل انہوں نے اس وقت کے سیکرٹری جنرل اِن چیف مسٹر غلام اسحاق خان کو دے دی ہے۔ بھٹو نے غلام اسحاق خان کے بارے میں مزید تفصیل بیان نہیں کی لیکن یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ بھٹو کی غلام اسحاق خان سے کبھی نہیں بنی تھی اور دونوں میں اختلاف رہتا تھا۔ آگے چل کر بھٹو نے ''آپریشن پہیہ جام'' کے بارے میں انکشاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ 1958ء کے مارشل لاء کے دوران فوج نے ''غیر ملکی نگرانی'' میں آپریشن پہیہ جام منظم کیا۔ یہ انتہائی خفیہ پراجیکٹ تھا جس کی تربیت چراٹ میں دی گئی تھی۔ اس آپریشن کا مقصد یہ تھا کہ پہیہ جام کر کے حکومت کو ناکارہ بنا دیا جائے۔ جب میری حکومت کے خلاف کراچی میں پہیہ جام کیا جانے لگا تو میں نے چیف آف دی آرمی سٹاف کو بتایا کہ میں اس پراجیکٹ سے واقف ہوں۔ چیف آف دی آرمی سٹاف کی زبان بند ہوگئی اُس نے بڑبڑاتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ کئی ریٹائرڈ فوجی PNA میں موجود ہیں۔

28 اپریل 1977ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے آپریشن پہیہ جام کے متعلق مزید بتایا کہ اس مقصد کے لئے دو ہزار افراد بھرتی کیے گئے تھے جنہیں اس بات کی تربیت دی گئی تھی کہ اگر مارشل لاء کے خلاف انقلاب آجائے تو ریلوے، طیارے اور دیگر ٹرانسپورٹ کو کیسے جام کیا جا سکتا ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے کردار اور آپریشن پہیہ جام کے متعلق بھٹو کے بیان کردہ حقائق کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ پاکستان میں منتخب جمہوری حکومتوں کا خاتمہ اتنی آسانی سے کیوں ہو جاتا ہے۔ شائد اسی لیے بھٹو نے لکھا ہے کہ تیسری دنیا کے لئے سب سے بڑی دہشت فوجی سازشیں ہیں۔ بھٹو نے اپنے متعلق خود پیش گوئی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقت ہی بتائے گا کہ میرا نام برِصغیر کے مجرموں کے ساتھ لیا جائے گا یا ان ہیروز میں جن کی شہرت دنیا بھر میں پھیلتی ہے۔ میرے نام اور میرے وقار کے محافظ عوام ہیں اور میرا نام تاریخ کے دل میں دھڑکتا رہے گا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا نام آج بھی تاریخ کے دل میں دھڑک رہا ہے اور اُنکی کہی ہوئی باتیں آج بھی تازہ لگتی ہیں کیونکہ پاکستان کے حالات نہیں بدلے۔ 1978ء میں اُنہوں نے جیل میں بیٹھ کر ملٹری انٹیلی جنس کے کردار سے نقاب اُٹھایا تھا اور کیسی ستم ظریفی ہے کہ اُنکی موت کے کئی سال کے بعد اقوام متحدہ کے ایک خصوصی کمیشن نے اُنکی بیٹی محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹ شائع کی تو اس میں بھی ملٹری

www.bhutto.org

انٹیلی جنس کے سربراہ میجر جنرل ندیم اعجاز کے کردار پر سوال اُٹھائے گئے تھے۔ میجر جنرل ندیم اعجاز سابق ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف کے دست راست تھے اور اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو پر حملے کے فوراً بعد لیاقت باغ راولپنڈی میں اُنکی جائے شہادت کو دھونے کا حکم ندیم اعجاز نے دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے ابتداء میں اقوام متحدہ کے انکوائری کمیشن کی رپورٹ کا خیر مقدم کیا لیکن جب فوجی قیادت نے اس رپورٹ کے مندرجات پر اعتراض کیا تو حکومت نے بھی اپنا موقف تبدیل کرلیا کیونکہ حکومت فوج کے ہاتھوں اپنا پہیہ جام ہونے سے ہر وقت ڈرتی رہتی ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ 1996ء میں بے نظیر بھٹو وزیراعظم تھیں تو اُن کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کراچی میں پراسرار انداز میں قتل کردیئے گئے۔ بے نظیر صاحبہ نے ایک سے زائد مرتبہ میرے سامنے اُس وقت کے ڈی جی ملٹری انٹیلی جنس جنرل محمود احمد پر شک کا اظہار کیا لیکن وزیراعظم ہونے کے باوجود وہ جنرل محمود کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ کئی سال کے بعد 2008ء میں اُن کی پارٹی پھر اقتدار میں آئی۔ 2008ء میں ملنے والا اقتدار بے نظیر بھٹو کی قربانی کا مرہون منت تھا اور پارٹی کی قیادت نے وعدہ کیا تھا کہ اقتدار میں آکر محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو گرفتار کیا جائے گا۔ پارٹی 2008ء میں اقتدار میں آئی تو پارٹی نے قاتلوں کو گرفتار کرنے کے بجائے اقوام متحدہ سے انکوائری کی درخواست کی۔ اقوام متحدہ نے اپنی انکوائری رپورٹ میں ملٹری انٹیلی جنس پر شک کا اظہار کیا اور اس مرتبہ بھی پیپلز پارٹی ملٹری انٹیلی جنس کے سابق سربراہ کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ پیپلز پارٹی کو اپنے بانی چیئرمین کے انجام اور جیل میں لکھے گئے سیاسی تجزیوں سے سبق سیکھنا چاہئے تھا۔ پیپلز پارٹی کو چاہئے تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ''عدالتی قتل'' کو فراموش نہ کرتی اور اس قتل کے تمام کرداروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتی تاکہ کوئی طالع آزما دوبارہ آئین کو قتل نہ کرتا لیکن ایسا نہ ہوا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی قتل میں شامل اہم کرداروں کو معاف کردیا اور کہا کہ جمہوریت بہترین انتقام ہوتی ہے۔ اُنکی شہادت کے بعد آصف علی زرداری نے اُن کے قاتلوں کو چھوڑ دیا اور پرویز مشرف کو انصاف کے کٹہرے میں لانے سے گریز کیا جس کے باعث پاکستان میں مارشل لاء کا راستہ بند نہیں ہوا اور کسی بھی وقت کوئی مہم جو آرمی چیف ملٹری انٹیلی جنس کو دوبارہ سیاست میں دھکا دے سکتا ہے۔

www.bhutto.org

1989ء تک ضیاالحق کی حکومت ختم ہو جائے گی

ذوالفقار علی بھٹو کی بعض پیش گوئیاں حیرت انگیز طور پر صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ بھٹو آنے والے حالات کا اندازہ تاریخی حقائق کا تجزیہ کر کے لگاتے تھے۔ ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے نویں باب کے آخر میں بھٹو لکھتے ہیں عوام اور فوج کے درمیان خلا بڑھ رہا ہے۔ سوال بہت واضح اور سادہ ہے۔ پاکستان کا منتظم کسے ہونا چاہیے عوام یا فوج؟ لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر سکیں گے یا نہیں؟ بھٹو لکھتے ہیں کہ حالات بڑی سفاکی سے حتمی تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ خوفناک اور ہوش اُڑا دینے والا ہوگا۔ بھٹو نے سپین کی مثال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہاں عوام اور فوج کے تصادم کے باعث ریاست مٹ گئی تھی اور آج بھی سپین زخموں سے دوچار ہے۔ بھٹو کہتے ہیں کہ میں تو آنے والی تباہی پر قابو پانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ میں اس لئے پیدا نہیں ہوا تھا کہ پھانسی کی کوٹھڑی میں بکھر جاؤں اور ایک احسان فراموش اور دو غلے شخص کے انتقام کا نشانہ بن جاؤں۔ میں تو عوام کو آزادی دلانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ قوموں کی زندگی میں بسٹیل (ظالم، وحشی) پر ہلہ بولنے کا لمحہ ایک نہ ایک دن آ ہی جاتا ہے۔ فرانس والوں نے فوج اور اقتدار کی اس قابلِ نفرت علامت پر 14، جولائی 1779ء کو حملہ کیا تھا۔ پاکستان کے عوام اگر 1978ء میں نہیں تو 1989ء میں اپنے ''بیسٹل'' پر ہلہ ضرور بولیں گے۔ وہ دن آ کر رہے گا۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک طرح سے یہ اشارہ کیا تھا کہ 1989ء تک جنرل ضیاء الحق کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟ دراصل ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے ایوب خان کی مثال موجود تھی جنہیں غیر ملکی ''تھپکی'' کے ساتھ دس سال تک حکومت کرنے دی گئی تھی۔ 1978ء میں افغانستان کا بحران شروع ہو چکا تھا اور بھٹو جانتے تھے کہ افغانستان میں روس کو روکنے کے لئے امریکہ

www.bhutto.org

پاکستان کو استعمال کرے گا' لہٰذا انہوں نے اندازہ لگایا کہ امریکہ زیادہ سے زیادہ کتنے عرصے تک پاکستان کو استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ضیاء الحق کے اقتدار کی میعاد کے سلسلے میں گیارہ سال کا اندازہ لگایا جو کہ تقریباً درست ثابت ہوا۔ 17، اگست 1988ء کو ضیاء الحق ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہوئے۔ ان کی موت کے بعد انہی کے ساتھیوں پر مشتمل نگران حکومت نے نومبر 1988ء میں انتخابات کروائے۔ عوام کو گیارہ سال کے بعد ووٹ کے ذریعہ لڑنے کا موقع ملا تھا اور عوام نے ضیاء الحق کے ساتھیوں کی حکومت کو'' بسٹیل'' سمجھتے ہوئے بھاری تعداد میں اس کے خلاف ووٹ دے کر اور پیپلز پارٹی کو دوبارہ اقتدار دلا کر بھٹو کی پیش گوئی پوری کر دی۔

1988ء میں پیپلز پارٹی وزیراعظم ہاؤس تک پہنچ گئی لیکن ایوان صدر میں غلام اسحاق خان بیٹھے ہوئے تھے جنہوں نے 20 ماہ بعد پیپلز پارٹی کو وزیراعظم ہاؤس سے نکال دیا۔ 1990ء میں غلام اسحاق خان اور فوج کی آشیر باد سے نواز شریف کو وزیراعظم بنایا گیا لیکن 1993ء میں غلام اسحاق خان نے نواز شریف کو بھی وزیراعظم ہاؤس سے نکال دیا اور دوبارہ محترم بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم بننے کا موقع دیا گیا۔ انہوں نے دوبارہ غلام اسحاق خان کو صدر بنانے کے بجائے فاروق لغاری کو صدر بنایا لیکن 1996ء میں فاروق لغاری نے اُنکی حکومت کو برطرف کر دیا۔ 1988ء سے 1996ء کے دوران کسی منتخب حکومت کو مدت پوری کرنے کا موقع نہ ملا کیونکہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں آٹھویں آئینی ترمیم کے ذریعہ 2-58بی کے تحت اسمبلیاں توڑنے کے اختیارات حاصل کئے تھے۔ 2-58بی کے تحت صدر کو حاصل اختیارات دراصل جنرل ضیاء کی نشانی تھی جسے محترمہ بے نظیر بھٹو نے 1997ء میں نواز شریف کے ساتھ مل آئین سے نکال دیا لیکن جنرل پرویز مشرف نے 1999ء میں نواز شریف کا تختہ اُلٹ دیا اور پھر 2002ء میں سترہویں ترمیم کے ذریعہ 2-58بی کو دوبارہ آئین کا حصہ بنا دیا۔ مشرف تقریباً نو سال تک اقتدار میں رہا۔ مشرف دراصل جنرل ضیاء الحق کا سیاسی تسلسل تھا۔ 2008ء میں نواز شریف نے آصف زرداری کے ساتھ مل کر مشرف کو ایوان صدر سے نکالا اور 2010ء میں اٹھارہویں ترمیم کے ذریعہ 2-58بی کو آئین سے نکالا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 1989ء تک جنرل ضیاء کی حکومت ختم ہونے کی پیش گوئی کی تھی جو درست ثابت ہوئی لیکن ضیاء کی آئینی باقیات کا خاتمہ 2010ء میں ممکن ہوا۔

www.bhutto.org

بے نظیر شرمناک شکست دے گی

ذوالفقار علی بھٹو اپنی زندگی ہی میں بے نظیر بھٹو کو عملی سیاست میں لانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اکثر سیاسی معاملات میں بے نظیر بھٹو سے مشورہ کرتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مضبوط قوت ارادی کی مالک بے نظیر بھٹو ایک دن اندرا گاندھی سے بہتر خاتون لیڈر ثابت ہوگی۔ 21، جون 1978ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کے نام ایک طویل خط لکھا۔ بھٹو نے اپنے خط میں لکھا کہ نہرو نے بھی جیل سے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کو اس کے یوم پیدائش پر خط لکھا تھا۔ لیکن نہرو کی بیٹی اس وقت صرف 13 سال کی تھی اور سیاست کی آگ میں سے نہیں گزری تھی۔ لیکن آج جب میں تمہیں خط لکھ رہا ہوں تو تمہارے گرد سیاست کی آگ جل رہی ہے' یہ آگ ایک بے رحم حکومت نے جلائی ہے' یہ آگ تباہ کن اور ہولناک ہے اس لئے تمہارا اور گاندھی کا موازنہ ممکن نہیں ہے' اگر کوئی مماثلت ہے تو وہ اس حقیقت میں پنہاں ہے کہ اندرا گاندھی کی طرح تم بھی تاریخ سازی کر رہی ہو۔ اندرا گاندھی گیارہ سال تک بھارت کی وزیر اعظم رہیں' انہیں ''دیوی'' کا خطاب دیا گیا۔ وہ دوبارہ بھی بھارت کی وزیر اعظم بن سکتی ہیں لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ میری بیٹی جواہر لال نہرو کی بیٹی کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے۔ میں کوئی جذباتی یا ذاتی قسم کا اندازہ نہیں لگا رہا۔ یہ میری دیانتدارانہ رائے ہے۔ بھٹو نے بیٹی کے نام خط میں لکھا کہ تم میں اور اندرا گاندھی میں ایک شے مشترک ہے کہ تم دونوں یکساں طور پر بہادر ہو' تم دونوں پختہ فولاد کی بنی ہوئی ہو۔ تم دونوں کی قوت ارادی فولادی ہے۔ تمہاری صلاحیت و ذہانت تمہیں اعلیٰ ترین مقام تک پہنچائے گی لیکن ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ذہانت و صلاحیت ایک نقص شمار ہوتی ہے جبکہ معمولی ذہانت ایک اثاثہ شمار کی جاتی ہے۔ سوائے تمہارے

www.bhutto.org

والد' قائداعظمؒ اور حسین شہید سہروردی کے اس ملک پر شعبدہ بازوں نے حکومت کی ہے۔ شائد اگر نوجوان نسل جنگجوانہ جدوجہد شروع کردے تو تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اگر حالات تبدیل نہ ہوئے تو پھر تبدیل کرنے کے لئے کچھ نہیں بچے گا' یا تو اقتدار عوام کو حاصل ہوگا یا پھر ہر شے تباہ ہو جائے گی۔ بھٹو اپنی بیٹی کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ تمہارے دادا نے مجھے فخر کی سیاست سکھائی تھی اور تمہاری دادی نے مجھے غربت کی سیاست کا سبق دیا۔ میں ان دونوں باتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں تا کہ ان دونوں کا انضمام ہو سکے۔ پیاری بیٹی! میں تمہیں صرف ایک پیغام دیتا ہوں۔ یہ پیغام آنے والے دن کا پیغام ہے اور تاریخ کا پیغام ہے۔ صرف عوام پر یقین کرو۔ ان کی نجات و مساوات کے لئے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ کی جنت تمہاری والدہ کے قدموں تلے ہے لیکن سیاست کی جنت عوام کے قدموں تلے ہے۔ برِصغیر کی عوامی زندگی میں کچھ کامیابیاں میرے کریڈٹ پر ہیں لیکن یادداشت میں صرف اور صرف وہ کامیابیاں انعام واکرام کی مستحق ہیں جن کے ذریعہ مصیبت زدہ عوام کے تھکے ہوئے چہروں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں اور جن کے باعث کسی دیہاتی کی غمناک آنکھ میں خوشی کی چمک پیدا ہوگئی ہے۔ دنیا کے عظیم لیڈروں نے جو خراجِ تحسین مجھے پیش کیا ہے اس کے مقابلہ میں موت کی کال کوٹھڑی میں' میں زیادہ فخر و اطمینان کے ساتھ ایک چھوٹے سے گاؤں کی ایک بیوہ کے الفاظ یاد کرتا ہوں جس نے مجھے کہا تھا کہ..... ''صدقو واریاں سولر سائیں''۔ اس نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب میں نے اس کے کسان بیٹے کو ایک غیر ملکی وظیفہ پر باہر بھیج دیا تھا۔ بھٹو مزید لکھتے ہیں کہ بڑے آدمیوں کے نزدیک تو یہ چھوٹی باتیں ہیں لیکن میرے جیسے چھوٹے آدمی کے لئے یہ بڑی باتیں ہیں۔ تم اس وقت تک بڑی نہیں ہو سکتیں جب تک تم زمین چومنے کے لئے تیار نہ ہو جاؤ۔ یعنی عاجزی کا رویہ اختیار نہ کرو۔ تم زمین کا دفاع نہیں کر سکتیں جب تک تم زمین کی خوشبو سے واقف نہ ہو۔ میں اپنی زمین کی خوشبو سے واقف ہوں۔ نظریات' اصول' تحریریں تاریخ کے دروازہ سے باہر رہتی ہیں۔ غالب عنصر عوام کی تمنائیں ہیں اور ان کے ساتھ مکمل ہم آہنگی ہے۔ میں اس جیل کوٹھڑی سے تمہیں کیا تحفہ دے سکتا ہوں جس میں سے اپنا ہاتھ بھی نہیں نکال سکتا؟ میں تمہیں عوام کا ہاتھ تحفے میں دیتا ہوں۔ میں تمہارے لئے کیا تقریب منعقد کر سکتا ہوں؟ میں تمہیں ایک مشہور نام اور ایک مشہور یادداشت کی تقریب کا تحفہ دیتا ہوں۔ تم سب سے قدیم تہذیب کی وارث ہو۔ اس قدیم تہذیب کو انتہائی ترقی یافتہ اور انتہائی طاقتور بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرو۔ ترقی یافتہ اور طاقتور سے میری مراد یہ نہیں کہ معاشرہ

www.bhutto.org

انتہائی ڈراؤنا ہو جائے۔ ایک خوفزدہ کر دینے والا معاشرہ' ایک مہذب معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ مہذب معاشرہ وہ ہوتا ہے جس نے ماضی و حال سے' مذہب اور سائنس سے' جدیدیت اور تصوف سے' مادیت اور روحانیت سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔ ایسا معاشرہ ہیجان و خلفشار سے پاک ہوتا ہے اور ثقافت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اس قسم کا معاشرہ شعبدہ بازی کے فارمولوں اور دھوکہ بازی کے ذریعہ معرضِ وجود میں نہیں لایا جا سکتا۔ بھٹو نے اپنی بیٹی کے نام خط میں جو باتیں لکھیں وہ ثابت کرتی ہیں کہ بھٹو اپنی بیٹی کو چشمِ تصور سے ایک قومی لیڈر کے روپ میں دیکھ رہے تھے۔ 6، مارچ 1978ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی گرفتاری کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں ایک آئینی عذرداری داخل کی تھی۔ جنرل ضیاء الحق کی حکومت کی طرف سے عدالت میں بھٹو پر جو الزامات لگائے گئے تھے اس عذرداری میں ان کا جواب تھا۔ اس دستاویز کا مواد بھٹو نے اپنے قلم سے خود تیار کیا تھا۔ اس آئینی عذرداری میں بھٹو نے حکمرانوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ اس سرزمین کے ''آقاؤ'' سنو! وقت عوام کے ساتھ ہے۔ یعنی وقت پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا دباؤ بھی بڑھتا جائے گا اور عوام کا شعور بھی بلند ہوتا جائے گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی طاقتور سے طاقتور ہو گی اور ناقابلِ تسخیر بن جائے گی۔ عوام بیدار ہو چکے ہیں۔ بھٹو نے لکھا کہ آئیں' ذرا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ ایک تجربہ کر لیں۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اپنی مضحکہ خیز بیلٹ اتار دے اور پاکستان کے کسی بھی کونے سے میری بیٹی بے نظیر کے مقابلے میں الیکشن لڑے۔ میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ وہ اسے شرمناک شکست دے گی اور اس کی ضمانت بھی ضبط ہو جائے گی۔ آیئے ووٹوں کی گنتی کو محاسبے کا اعلیٰ ترین پیمانہ مقرر کریں۔ آؤ جنرل! اس چیلنج کو قبول کرو! تم ایک مومن ہو۔ میں ایک مجرم ہوں۔ ایک مومن ایک مجرم کی بیٹی سے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ فیصلہ گولی کے بجائے بیلٹ پیپر کرے گا۔'' ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ ان کے اندازے کے مطابق جب گیارہ سال کے بعد ملک میں دوبارہ انتخابات ہوئے تو ضیاء الحق موجود نہ تھے۔ لیکن ضیاء الحق کے بنائے ہوئے سیاسی مہرے بے نظیر بھٹو کے خلاف میدان میں تھے۔ بے نظیر نے اپنے مخالفین کو شکست دے کر اپنے والد کی ایک اور پیش گوئی کو پورا کیا۔ بے نظیر نے پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک سیاسی قوت کے طور پر زندہ رکھا اور خود کو ذوالفقار علی بھٹو کی صحیح جانشین ثابت کیا۔

www.bhutto.org

خصوصی ٹربیونل اور سیاسی انتقام

5، جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے برسر اقتدار آنے کے بعد اعلان کیا کہ وہ 18، اکتوبر 1977ء کو انتخاب کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں گے لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 6، مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ میں داخل کی جانے والی آئینی عذرداری میں لکھا کہ 18، اکتوبر 1977ء کو انتخابات صرف اس لئے نہ کروائے گئے کیونکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی بے پناہ اکثریت سے جیت جائے گی۔ بھٹو نے لکھا کہ مجھے جھوٹے مقدمے میں ملوث کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ یہ حکومت میری بیوی کو سیاست کے لئے نااہل قرار دینے پر تُل گئی ہے۔ یہ حکومت جو پہلے 16، دسمبر 1977ء کو میری بیوی کا سر پھاڑ چکی ہے اب اسے چادر سے گھسیٹ کر ٹربیونل میں لانا چاہتی ہے۔ تاکہ اسے گردن زدنی قرار دیا جا سکے۔ اس سے پہلے بھی میری بیوی کو ٹربیونل میں گھسیٹا گیا تھا۔ اسے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے مارشل لاء کا نیا ریگولیشن جاری کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں ٹربیونل کے فیصلے سے قبل ہی اسے مجرم قرار دے دیا گیا۔ ٹربیونل میں پیش نہ ہونے کی صورت میں اسے 14 سال قید بامشقت کی دھمکی دی گئی ہے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مارشل لاء کی مشین سے اس قسم کے ڈریکولائی قوانین کیوں برآمد ہو رہے ہیں۔ دراصل یہ ''چادر'' کا احترام ہے۔ پاکستان میں ایک عورت ہے جس کے سر پر چادر ہونی چاہیے۔ وہ عورت بیگم ضیاء الحق ہے۔ اس لئے کہ ضیاء الحق ایک ''مومن'' ہے۔ چادر لینا اس کے لئے ضروری ہے ٹیلی ویژن کی اناؤنسروں کے لئے نہیں لیکن میری بیوی کو زدوکوب کیا جاتا ہے اور بیگم ضیاء الحق پیکنگ جا کر دعوتیں اڑاتی ہے۔ ننگے سر ملکۂ ایران کا استقبال کرتی ہے حالانکہ ملکۂ ایران نے اپنا سر ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے اسلامی نظریات اور خصوصی ٹربیونل صرف ایک ڈرامہ ہیں

www.bhutto.org

جس کا مقصد پیپلز پارٹی کو نقصان پہنچانا ہے۔

''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں بھٹو نے خصوصی ٹریبونلز کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر مزید تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کتاب کے تیسرے باب میں وہ لکھتے ہیں کہ نااہلی کے ٹریبونل بھی دھاندلی کی ایک شکل ہیں۔ ان ٹریبونلوں کا مقصد صرف اور صرف اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانا ہے''۔ ذوالفقار علی بھٹو نے صرف اپنی زندگی میں اپنی پارٹی کے خلاف قائم ہونے والے ٹریبونلز کے متعلق یہ نہیں کہا تھا کہ ان کا مقصد مخالفین کو راستے سے ہٹانا ہے بلکہ جب بھی پاکستان میں کسی جمہوری حکومت کو غیر سیاسی انداز میں برخاست کر کے نئی حکومت ایسے ٹریبونل بنائے گی تو بھٹو کے یہ الفاظ قابل غور ہوں گے کہ یہ ٹریبونل مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لئے قائم ہوئے ہیں۔

''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے 8ویں باب میں بھٹو لکھتے ہیں کہ قانون کے شکنجے صرف پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت کے لئے ہیں۔ واحد سیاسی پارٹی جو قانون کے سائے کی زد میں آتی ہے پاکستان پیپلز پارٹی ہے اس کے علاوہ ہر ایک کو قانون کی زد سے نکال کر آزاد کر دیا گیا ہے۔ نااہل قرار دینے والے ٹریبونل صرف پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت کے لئے وجود رکھتے ہیں۔ 6، مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ میں داخل کی جانے والی آئینی عذرداری میں بھٹو نے لکھا کہ میں احتساب پر یقین رکھتا ہوں۔ قانون کی حکمرانی اور عوام کی صوابدید کے تحت احتساب ایک جمہوری عمل ہے لیکن من موجی انسانوں کے جتھے کی طرف سے انتقام کو احتساب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

www.bhutto.org

وزیراعظم.....غلام اسحاق خان

مارچ 1977ء میں ملک کے اندر ہونے والے ایجی ٹیشن کے پیچھے غیر ملکی سازشوں کی کار فرمائی کے بارے میں پاکستان کے دفتر خارجہ نے ایک خصوصی رپورٹ تیار کی تھی جو 50 صفحات پر مشتمل تھی۔ ری پراسیسنگ پلانٹ کے مسئلے پر جب پاکستانی وزیر خارجہ عزیز احمد امریکی وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر سے مذاکرات کے لئے پیرس گئے تو یہ رپورٹ اپنے ساتھ لے گئے۔ پیرس میں جس ہوٹل کے کمرے میں عزیز احمد ٹھہرے تھے اس کمرے سے اس رپورٹ کو چرانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن عزیز احمد نے یہ رپورٹ پاکستانی سفارتخانے میں محفوظ کروا رکھی تھی۔ مذاکرات کے دوران عزیز احمد نے یہ رپورٹ ہنری کسنجر کو دکھائی تو انہوں نے رپورٹ میں دلچسپی ظاہر نہ کی۔ یہ اہم رپورٹ بعض اسلامی ممالک کے سربراہان کو بھی بھجوائی گئی تھی۔ 5، جولائی 1977ء کے بعد عزیز احمد نے یہ رپورٹ اس وقت کے سینئر ترین بیوروکریٹ غلام اسحاق خان کے حوالے کر دی تا کہ وہ اس کا مطالعہ کریں اور سمجھ سکیں کہ 1977ء کے موسم بہار میں جو ایجی ٹیشن ہوا اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا لیکن نہ غلام اسحاق خان اور نہ ہی مارشل لاء حکومت نے اس رپورٹ کا کہیں ذکر کیا۔ عزیز احمد نے کس کے کہنے پر یہ اہم رپورٹ غلام اسحاق خان کے حوالے کی؟ غلام اسحاق خان نے اس رپورٹ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہ سوالات ابھی تک حل طلب ہیں۔ البتہ ذوالفقار علی بھٹو نے 6، مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ میں داخل کی جانے والی آئینی عذرداری میں یہ لکھا کہ غلام اسحاق خان یا عزیز احمد کو طلب کر کے مذکورہ رپورٹ دیکھی جائے جو دفتر خارجہ نے تیار کی تھی تا کہ بیرونی طاقتوں کی طرف سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی تفصیل سامنے آسکے۔ بھٹو نے لکھا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ غلام اسحاق خان کے عہدہ کا صحیح تعین کروں کیونکہ نہ وہ میرے حافظہ میں ہے اور نہ ہی میں اسے سمجھ سکا ہوں تاہم غلط یا صحیح انہیں عملی طور پر

www.bhutto.org

موجودہ حکومت کا وزیر اعظم سمجھا جاتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو یہ پتہ نہیں تھا کہ غلام اسحاق خان کا ضیاء حکومت میں کیا عہدہ ہے لیکن انہیں یہ اندازہ ضرور تھا کہ اگر عزیز احمد سے یہ رپورٹ غلام اسحاق خان کو منتقل کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ غلام اسحاق خان اتنا ہی اہم ہے جتنا ضیاء الحق اہم ہے۔ لہٰذا انہوں نے غلام اسحاق خان کو "وزیر اعظم" قرار دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد غلام اسحاق خان وزیر خزانہ بنے' سینیٹ کے چیئرمین بنے اور پھر ضیاء الحق کی موت کے بعد صدر پاکستان بن گئے۔

وہ غلام اسحاق خان جسے ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کا وزیر اعظم قرار دیا تھا اُس غلام اسحاق خان کو 1988ء میں پیپلز پارٹی نے پاکستان کا صدر منتخب کرایا۔ یہ غلام اسحاق خان بھٹو کی پھانسی سے لیکر جنرل ضیاء الحق کی حادثاتی موت تک اہم عہدوں پر فائز رہا تھا اور مارشل لاء کی باقیات میں شامل تھا۔ پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ نوابزادہ نصر اللہ خان نے غلام اسحاق خان کے مقابلے پر صدارتی اُمیدوار بننے کا اعلان کیا تو توقع تھی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے فوج کے دباؤ پر غلام اسحاق خان کو ووٹ دیئے جبکہ عوامی نیشنل پارٹی اور جمعیت علماء اسلام نے نوابزادہ نصر اللہ خان کو ووٹ دیئے۔ غلام اسحاق خان جیت گئے لیکن صرف 20 ماہ کے بعد اُنہوں نے فوج کے ساتھ مل کر محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا مؤقف دُرست ثابت ہوا۔ غلام اسحاق خان نے جمہوریت کے بجائے فوج کا ساتھ دیا۔ اگر 1988ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو فوج کے دباؤ میں نہ آتیں اور غلام اسحاق خان کے بجائے نوابزادہ نصر اللہ خان کو صدر پاکستان بناتیں تو 1990ء میں اُنکی حکومت نہ ٹوٹتی کیونکہ نوابزادہ نصر اللہ خان نے جنرل ضیاء کے دور میں تحریک بحالی جمہوریت کے دوران پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر جدوجہد کی تھی۔

www.bhutto.org

چوتھا مارشل لاء سب کچھ بہالے جائے گا

6، مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ میں ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے داخل کی جانے والی طویل آئینی عذرداری دراصل ایک تاریخی دستاویز بھی ہے۔ اس دستاویز میں پاکستان کے ماضی' حال اور مستقبل کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ بھٹو نے اس دستاویز میں لکھا کہ عوام مارشل لاء سے اُکتا چکے ہیں۔ پہلا مارشل لاء ان کے لئے ایک ''اُمید'' تھا۔ دوسرا مارشل لاء ایک ''المیہ'' تھا۔ تیسرا مارشل لاء ایک ''تماشہ'' ہے اور چوتھے مارشل لاء کو مسلط کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مجھے ماؤزن میکاولی کا نام دیا جارہا ہے لیکن اس ماؤزن میکبتھ کے متعلق کیا خیال ہے جو سزا ملنے کے خوف سے جان بوجھ کر ایسی خونی اور غلط راہ پر چل نکلا ہے جہاں سے واپسی نہیں ہوسکتی۔ اس آئینی عذرداری میں ذوالفقار علی بھٹو نے مارشل لاء کو ایک زہر قرار دیتے ہوئے لکھا کہ اس زہر کے خلاف عوام کے ذہنوں میں زہر گھولنا ممکن نہیں ہے۔ عوام یہ زہر دیکھ چکے ہیں۔ کوڑوں کی صورت میں' گندم کی قلت' ہالہ کی دوزخ' فیصل آباد کی آگ' پٹ فیڈر کے دکھ' اور ہشت نگر میں پھیلائی گئی دہشت کی شکل میں عوام مارشل لاء کے زہر کو دیکھ چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ زہر انہیں رسوا اور کمزور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ زہر گھٹن پیدا کرتا ہے۔ مارشل لاء کے ''مارشلوں'' نے مارشل لاء کے نفاذ کے مقاصد کے بارے میں اس قدر متضاد بیانات دیئے ہیں کہ یہ ''مارشل'' اپنے علان کردہ مقاصد کے بارے میں خود بھی الجھ گئے ہیں لیکن عوام کے ذہن صاف ہیں۔ وہ زہر کے اصل مقاصد کو جانتے ہیں۔ عوام دور بیٹھے بھی کوڑوں کی سنسناہٹ سن سکتے ہیں۔ بارود کی بو اُن کے نتھنوں میں خود بخود پہنچتی ہے اور انہیں علم ہے کہ خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ بھٹو نے لکھا کہ مارشل لاء حکومت میں میری انتخابی مہم کی راہ میں لاتعداد رکاوٹیں کھڑی کردی ہیں۔ نا صرف مجھے گرفتار کیا گیا بلکہ مجھ پر الزامات بھی لگائے گئے' یہاں تک کہ میری پارٹی کی متوقع فتح کے اندیشے سے گھبرا کر انتخابات ملتوی

www.bhutto.org

کر دیے گئے۔ مارشل لاء حکومت غیر جانبدار رہ کر منصفانہ انتخابات نہیں کروا سکتی۔ ایسا کہنا سورج کو چاند کہنے کے مترادف ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو مارشل لاء کے تباہ کن اثرات اور خامیوں کا ذکر جگہ جگہ کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ مارشل لاء خود کو تباہ کرنے والا نظام ہے۔ یہ نظام عوام کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس سے قومی اتحاد کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مارشل لاء ایک لعنت ہے۔ ایک ایسی ظالمانہ مشینری ہے جس پر کوئی احتساب نہ ہو۔ عرفِ عام میں مارشل لاء ایک ایسی مشینری ہے جو عوام دشمنی پر مبنی ہوتی ہے۔ عوام دشمن ہونے کی حیثیت سے آخرِ کار مارشل لاء خود اپنا دشمن ہوتا ہے۔ یہ اپنی تباہی کے بیج بھی خود بوتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے اور اپنے ساتھ عوام کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ مارشل لاء کے متعلق ذوالفقار علی بھٹو کے خیالات جاننے کے بعد ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھٹو مارشل لاء کے اتنے ہی مخالف تھے تو وہ اس ملک کے پہلے سول مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کیوں بنے تھے؟ اس سوال کا جواب ذوالفقار علی بھٹو کے اپنے الفاظ میں ان کی کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے دوسرے باب میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے پاکستان کے پہلے منتخب سول صدر کے طور پر 20، دسمبر 1971ء کو حلف اٹھایا تو ملک میں مارشل لاء نافذ تھا۔ یہ مارشل لاء مارچ 1969ء میں نافذ ہوا تھا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہی قانون کا محافظ تھا۔ یحییٰ خان نے 1962ء کا آئین منسوخ کر کے خلاء پیدا کر دیا تھا لہٰذا میں نے ورثے میں ملنے والی تمام ذمہ داریاں یحییٰ خان کے دور کے سنگین حالات کے تحت قبول کی تھیں۔ چونکہ میں خود مارشل لاء کا مخالف تھا لہٰذا میں نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد چار ماہ کے اندر اندر عبوری آئین نافذ کیا اور مارشل لاء اٹھا لیا۔ بھٹو نے یہ عہدہ تھوڑے وقت کے لئے حاصل کیا کیونکہ اس عہدے کے تحت ہی وہ ملک میں نیا قانون لا سکتے تھے۔ بھٹو نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے ایجی ٹیشن کے دوران ملک کے تین شہروں میں فوج کو آئین کے مطابق بلایا گیا۔ اس سے قبل بلوچستان میں حکومت پاکستان کے خلاف بعض قبائل کی بغاوت کچلنے کے لئے بھی آئین کے مطابق فوج کو بھیجا گیا تھا۔ بھٹو کا کہنا ہے کہ انہوں نے جب بھی بلوچستان سے فوج واپس بلانے کی کوشش کی جنرل ضیاء الحق اور دیگر جرنیلوں نے اس کی مخالفت کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں یحییٰ خان کی طرف سے نافذ کی جانے والی ایمرجنسی ختم نہ کی۔ اس سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو نے ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے دسویں باب میں لکھا ہے کہ بھارت نے اپنے اندرونی بحران کے باعث اپنے ملک میں ایمرجنسی لگا رکھی تھی جبکہ مجھے سابقہ حکومت سے ورثے میں نا صرف اندرونی

www.bhutto.org

بحران ملا تھا بلکہ سرحدوں پر بھی جنگ کے سائے منڈلا رہے تھے۔ قوم کی دھجیاں بکھر چکی تھیں' ملک ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا' کوئی آئین نہیں تھا' کرنسی کی قیمت کم کرنی پڑی' پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ بھارت کے قبضے میں تھا' بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ تھا' پولیس ہڑتال کر رہی تھی' مزدور ہڑتال کر رہے تھے۔ جلاؤ اور گھیراؤ کے دن تھے۔ ملک کو بین الاقوامی اقتصادی بحران کے باعث مالی مسائل کا سامنا تھا۔ تیل کی قیمتیں چار گنا بڑھ چکی تھیں۔ نوے سالہ پرانے احمدی مسئلے کو حل کرنا تھا۔ سندھ میں لسانی اختلافات ختم کروانے تھے۔ بلوچستان کی بغاوت کا مقابلہ کرنا تھا۔ صوبہ سرحد میں بموں کے دھماکوں پر قابو پانا تھا۔ داؤد حکومت کی دھمکیاں تھیں۔ شمالی علاقوں میں زبردست زلزلہ آیا تھا۔ زبردست سیلابوں کا سامنا تھا۔ کچھ مسائل ورثے میں مل گئے تھے کچھ مسائل باری باری سامنے آ رہے تھے۔ لہٰذا ایمرجنسی خود بخود جاری رہی۔ میری حکومت نے قوم کو موت کے جبڑوں سے نکالا۔ عوام کی قوت کے بل بوتے پر ہم نے بڑے بڑے مسائل حل کر لئے۔ ہماری ایمرجنسی مارشل لاء سے بہتر تھی۔ ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے آٹھویں باب کے شروع میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا ہے کہ 1978ء کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کا شعور حاصل ہو چکا ہے کہ مارشل لاء کوئی قانون نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حکومت ہے جو قانون کے ذریعے قائم نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی حکومت ہے جو ملک کے اعلیٰ و برتر قانون کو گڑھے میں پھینک دیتی ہے۔ مارشل لاء دراصل لاقانونیت کا نام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری قوم اس لاقانونیت سے محفوظ رہے۔ مارشل لاء میں ایک آدمی کا قانون چلتا ہے۔ اس کے ذاتی احکامات کے پیچھے فوج ہوتی ہے۔ اس کے برعکس عوام کی مرضی کے پیچھے قانون کا سلسلہ ہوتا ہے۔ مارشل لاء کی صورت میں عوام کو ہوسِ اقتدار کی غلامی میں جکڑ دیا جاتا ہے اور دوسری صورت میں عوام رضا کارانہ طور پر پارلیمنٹ کے ساتھ ایک رشتہ قائم کرتے ہیں۔ پہلی صورت میں اقتدار کے مرکز سے سنگینیں عوام کی طرف پہنچتی ہیں۔ دوسری صورت میں حکومت کرنے والوں اور عوام میں ایک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا مارشل لاء فوج پر انحصار کرتا ہے قانون پر نہیں..... ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے آخری باب میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ آج پاکستان جن بحرانوں کا سامنا کر رہا ہے یہ 1971ء کے بحرانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوفناک اور تباہ کن ہیں۔ معروضی طور پر بات کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اس وقت حقیقی سیاست کے مطابق پانچ پڑوسی ملکوں کا گہرا واسطہ بنتا ہے۔ اگر پاکستان میں عدم استحکام اور گڑبڑ اسی طرح جاری رہی تو ان پانچ ہمسایہ ملکوں میں سے کوئی ایک پاکستان کو ہڑپ کر جائے گا۔ ان پانچ ملکوں کے جغرافیائی و سیاسی مفادات کا

www.bhutto.org

پاکستان سے تعلق ہے اور کوئی ملک اپنے مفادات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہمارا پیارا ملک ویت نام سے زیادہ تباہ کن میدان جنگ بن سکتا ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ ضروری ہے کہ مارشل لاء کی لعنت اور کالک کا ٹیکا کسی تاخیر کے بغیر ختم کر دیا جائے۔ ایک چٹکی سے آگ لگا کر اقتدار حاصل کرنے سے زیادہ دھواں اٹھے گا۔ بھٹو نے اپنی کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ مارشل لاء نافذ کر کے 1956ء کا آئین منسوخ کیا گیا تو اس سے پاکستان کے اتحاد کی بنیادیں ہل گئیں۔ 1962ء کے آئین کو 1969ء کے مارشل لاء کے ذریعے ختم کیا گیا اور دوسری دفعہ آئین منسوخ ہونے کے بعد دو سالوں کے اندر اندر پاکستان دولخت ہو گیا۔ نہ 1956ء اور نہ ہی 1962ء کا آئین حقیقی اور نمائندہ آئین تھا۔ کیونکہ انہیں کسی نمائندہ اسمبلی نے تشکیل نہیں دیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی منسوخی نقصان دہ تھی۔ صرف 1973ء کا آئین جائز اور کامل نمونہ تھا۔ اسے خود مختار اور منتخب اسمبلیوں نے تشکیل دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تیسرا مارشل لاء 73 کے آئین کو ختم نہ کر سکا۔ چیف آف دی آرمی سٹاف 16، نومبر 1978ء کو صدر پاکستان کا لبادہ پہن لے گا اس نے یہ ثابت کرنے کا عزم کر رکھا ہے کہ چیف آف دی آرمی سٹاف کی کرسی پاکستان میں سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ پاکستان کو ایک جانورستان (اینیمل فارم) بنا دیا گیا ہے اور اس میں رہنے والے بدقسمت اور خدا ترس انسانوں کو گندے جانوروں کی حالت تک پہنچا دیا گیا ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو ان گندے جانوروں میں بھی یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ 1977ء کی جبری فوجی بغاوت ایک عظیم جارحیت تھی لیکن تاریخ کی ایف آئی آر میں 1973ء کے آئین کی تدفین کو بہت جارحیت کی حیثیت سے رجسٹر کیا جائے گا۔ ستمبر 1978ء کا سولہواں دن 10، مئی 1858ء اور 14 اگست 1977ء سے کم تر اہمیت کا حامل دن نہیں ہو گا۔ بلاشبہ ظالم تاریخ کے کٹہرے میں کھڑا ہو گا۔ انسانی تاریخ میں ایک چیز انتقام کی طرح ہوتی ہے اور اسی تاریخی انتقام کا یہ اصول ہے کہ اس کا شکار ہمیشہ ظالم ہی ہوتے ہیں مظلوم نہیں ..... ذوالفقار علی بھٹو نے 21، دسمبر 1978ء کو سپریم کورٹ میں آخری دفعہ خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ اگر ایک اور مارشل لاء لگا تو یہ انتشار اور تباہی کے کنارے پر لے جائے گا۔ چوتھا مارشل لاء اس ملک کو بہا لے جائے گا۔ اگلی دفعہ مارشل لاء ججوں کو بھی معاف نہیں کرے گا۔

ذرا سوچئے کہ بھٹو کے الفاظ میں کتنی سچائی تھی۔ جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء 1985ء میں ختم ہوا جس کے بعد ضیاء نے تین سال تک ملک کو کنٹرولڈ ڈیموکریسی کے ذریعہ چلایا۔ اکتوبر 1999ء میں جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو انہوں نے بھی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کے بجائے چیف ایگزیکٹو

www.bhutto.org

بننے کو ترجیح دی کیونکہ مارشل لاء کا لفظ ایک گالی تھی۔ 2002ء کے انتخابی ڈرامے کے بعد ملک میں دوبارہ کنٹرولڈ ڈیموکریسی لائی گئی جس میں منتخب پارلیمنٹ کے اوپر ایک فوجی صدر بیٹھا ہوا تھا۔ اس فوجی صدر کے دور میں بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی، نواب اکبر بگٹی کو قتل کیا گیا اور پھر 3 نومبر 2007ء کو آئین معطل کر دیا گیا جسے محترمہ بے نظیر نے منی مارشل لاء قرار دیا۔ یہ دراصل چوتھے مارشل لاء کا آغاز تھا جسے قسطوں میں لایا جا رہا تھا۔ بھٹو نے 21 دسمبر 1978ء کو سپریم کورٹ میں کہا تھا کہ چوتھا مارشل لاء ججوں کو بھی معاف نہیں کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔ 3 نومبر 2007ء کے ایمرجنسی نما مارشل لاء نے ججوں کو اُنکے گھروں میں بند کر دیا۔ اسی مارشل لاء میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید ہو گئیں۔ آج بظاہر پاکستان میں جمہوریت ہے لیکن 2010ء میں بھی مارشل لاء کا خطرہ محسوس کیا جاتا ہے کیونکہ چوتھے مارشل لاء کی باقیات ابھی موجود ہیں اور جس دن چوتھا مارشل لاء مکمل طور پر آ گیا وہ دن ذوالفقار علی بھٹو کے الفاظ میں اس ملک کو بہالے جائے گا۔

www.bhutto.org

لیاقت علی خان اور بھٹو کے مشترکہ دشمن

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یکم اپریل 1948ء کو یونیورسٹی آف ساؤتھرن کیلی فورنیا میں ذوالفقار علی بھٹو نے لیکچر دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامی ممالک کو اپنے مذہبی اصولوں کے اندر رہتے ہوئے سوشلزم پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے تقریباً 20 سال کے بعد اپریل ہی کے مہینے میں ایک کتابچہ شائع کروایا جس میں ''اسلامی سوشلزم'' کے متعلق اپنے نظریئے کو تفصیل سے بیان کیا تھا۔ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کے بانی تھے لیکن 1968ء میں (POLITICAL SITUATION IN PAKISTAN) کے نام سے شائع ہونے والے کتابچے میں خود ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ پاکستان کے بانی محمد علی جناحؒ نے بھی ایک سے زائد مواقع پر اعلان کیا تھا کہ پاکستان سوشلسٹ طرزِ حکومت کی حامل اسلامی ریاست ہوگا۔ انہوں نے لکھا کہ سوشلزم ہی سب کے لئے مساوی مواقع پیدا کر کے استحصال سے بچا سکتا ہے' طبقاتی امتیاز کی دیواریں توڑ سکتا ہے اور اقتصادی و سماجی انصاف کو قائم کر سکتا ہے۔ واضح رہے کہ بھٹو نے اپنی تحریروں میں کہیں بھی روس کے کمیونسٹ نظام یا کسی اور ملک کے سوشلسٹ نظام کو پاکستان کے لئے آئیڈیل قرار نہیں دیا بلکہ بھٹو نے سوشلزم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ سوشلسٹ طرزِ فکر دنیا کے ہر خطے کے ہر ملک میں کارفرما اقتصادی اور سیاسی حالات سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں سوشلزم کے لئے اس لئے سوچا جانا ضروری ہے کہ یہاں خارجی اور داخلی استحصال کا دور دورہ ہے۔ بھٹو سوشلزم کے نفاذ کے طریقہ کار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ کاروبار جو قومی معیشت کے بالائی ڈھانچے کی تشکیل کرتا ہے عوامی ملکیت میں ہونا چاہئے لیکن عوامی اختیار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نجی شعبے کو ختم کر دیا جائے گا۔ نجی شعبے کو اپنا مفید کردار سرانجام دینے کا موقع ملے گا لیکن وہ پیداوار کے ذخائر پر اجاداری قائم نہیں کر سکے گا۔ نجی شعبے کو انہی حالات کے تحت پروان چڑھنا

www.bhutto.org

چاہیئے جو نجی شعبے کو زیب دیتے ہیں' یعنی مقابلے کے حالات۔ محنت کشوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی تا کہ مناسب ترغیبات کے ذریعہ فیکٹریوں کو مستعدی سے چلایا جا سکے۔ محنت کشوں کو مناسب رہائش' تفریح 'طبی سہولتیں اور تعلیم کے موقع فراہم کئے جائیں گے۔ بھٹو نے لکھا کہ ایک جگہ کے حالات دوسری جگہ کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں۔ پاکستان میں جو سوشلزم نافذ ہو سکتا ہے اس کا پاکستان کے نظریہ حیات سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے اور پاکستان میں سوشلزم اپنی نوعیت کے اعتبار سے جمہوری ہونا چاہیے۔ اگر سوشلزم کی ''سکینڈے نیوین'' قسم ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سوشلزم کی ''پاکستانی قسم'' نہ ہو جو ہمارے مزاج کے مطابق ہو۔ سوشلزم کے بغیر ہم سچی وحدت اور سچی مساوات حاصل نہیں کر سکتے۔ بھٹو نے لکھا کہ اسلام اور سوشلزم کے اصول ایک دوسرے سے متضاد نہیں۔ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور سوشلزم مساوات کے حصول کا جدید طریقہ ہے۔ پاکستان کے عظیم شاعر و فلسفی ڈاکٹر محمد اقبال نے پاکستان کے متعلق یہی خواب دیکھا تھا کہ سوشلسٹ طرز کی اسلامی ریاست قائم ہو۔ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے حوالے کے ساتھ بھٹو نے'' سکینڈے نیوین'' سوشلزم کا بھی تذکرہ کیا۔ دراصل ذوالفقار علی بھٹو نہ تو غیر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی نجی شعبے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ''سکینڈے نیوین'' سوشلزم کا حوالہ دیا۔ کیونکہ سکینڈے نیویا کے ممالک سویڈن' ڈنمارک اور ناروے وغیرہ میں نہ تو لوگوں کو عبادت سے روکا جاتا ہے اور نہ ہی نجی شعبے کو مفلوج کیا گیا ہے بلکہ وہاں صرف بھاری صنعتیں عوامی ملکیت میں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہاں جمہوری آزادیاں بھی ہیں اور شہریوں کو تمام بنیادی ضروریات مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

سکینڈے نیوین سوشلزم کو'' سوشل ڈیموکریسی'' بھی کہا جاتا ہے اور ذوالفقار علی بھٹو بھی دراصل سوشل ڈیموکریسی چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے سوشل ڈیموکریسی کی اصطلاح کے بجائے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو اس لئے استعمال کیا کیونکہ اسے قائداعظمؒ بھی استعمال کر چکے تھے۔ بے نظیر بھٹو کے نام آخری خط میں بھٹو نے لکھا کہ غیر طبقاتی معاشرے کی تخلیق ضروری ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ معاشرہ مارکسسٹ ہو۔ دراصل بھٹو کا خیال تھا کہ اسلام کے اصولوں پر عمل کر کے بھی غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ گیارہ جنوری 1970ء کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ جس طرح ڈیموکریسی کو اردو میں جمہوریت کہا جاتا ہے اسی طرح مساوات کو سوشلزم کہا جاتا ہے لیکن جب ہم اسلامی سوشلزم کا نام لیتے ہیں تو ہمارے ''دوست'' کہتے ہیں کہ یہ خراب چیز ہے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے کہا کہ اگر اسلامی سوشلزم اسلام کے خلاف ہوتا تو میں کبھی اس کی بات نہ کرتا اور نہ ہی

www.bhutto.org

1961ء سوئی، بلوچستان۔ نوجوان وزیر ذوالفقار علی بھٹو

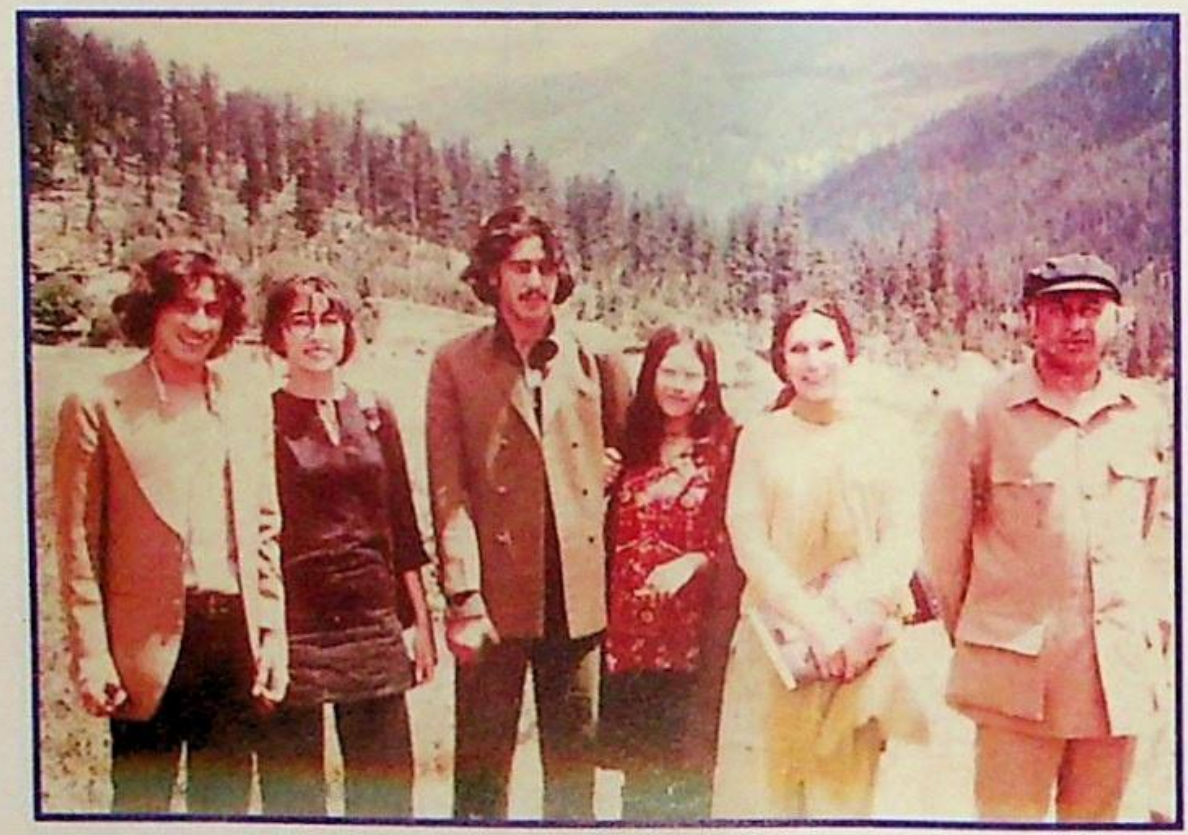

بھٹو خاندان کی یادگار تصویر

ذوالفقار علی بھٹو، بیگم نصرت بھٹو، صنم بھٹو، مرتضیٰ بھٹو، بے نظیر بھٹو اور شاہنواز بھٹو

www.bhutto.org

معاہدہ تاشقند

صدر ایوب خان۔ وزیر اعظم بھارت لعل بہادر شاستری، وزیر اعظم سوویت یونین کوسیگن اور وزیر اعظم خارجہ ذوالفقار علی بھٹو

صدر ایوب خان، جمال عبدالناصر اور ذوالفقار علی بھٹو

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو اور چیئرمین اٹامک انرجی کمیشن جناب منیر احمد

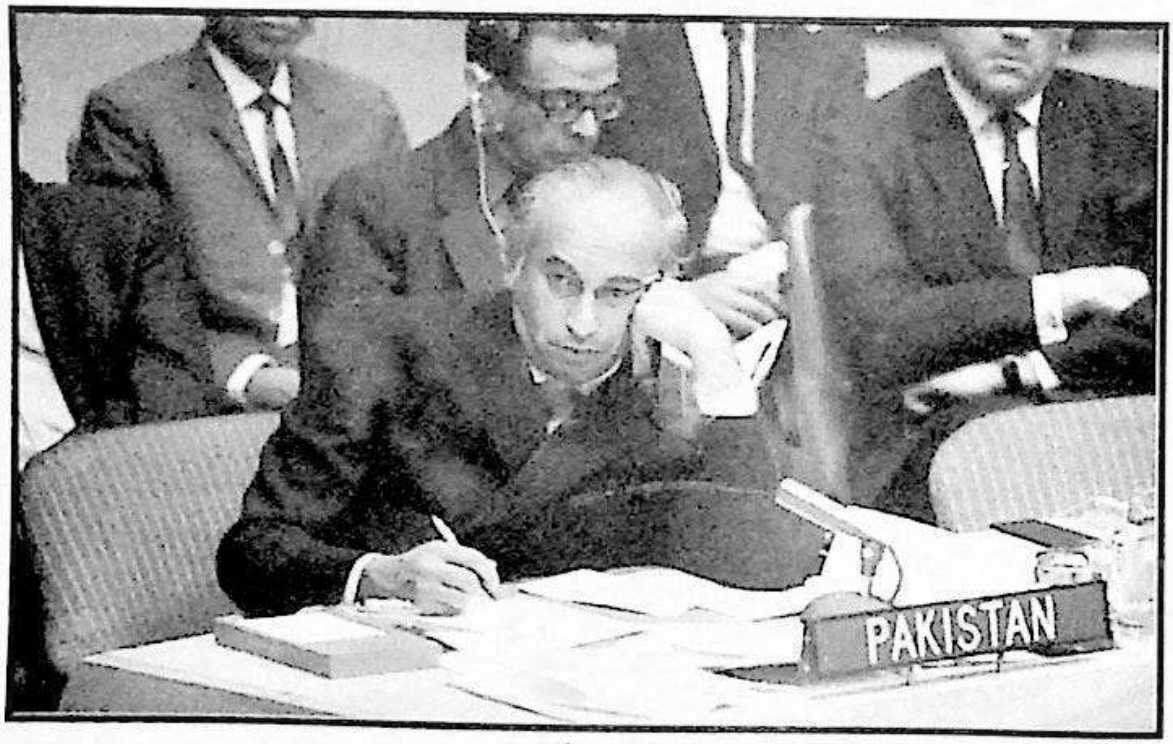

ذوالفقار علی بھٹو، سلامتی کونسل، اقوامِ متحدہ میں

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر اور بیگم نصرت بھٹو

1974ء اسلامی کانفرنس۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، شام کے صدر حافظ الاسد اور صدر پاکستان چودھری فضل الٰہی

www.bhutto.org

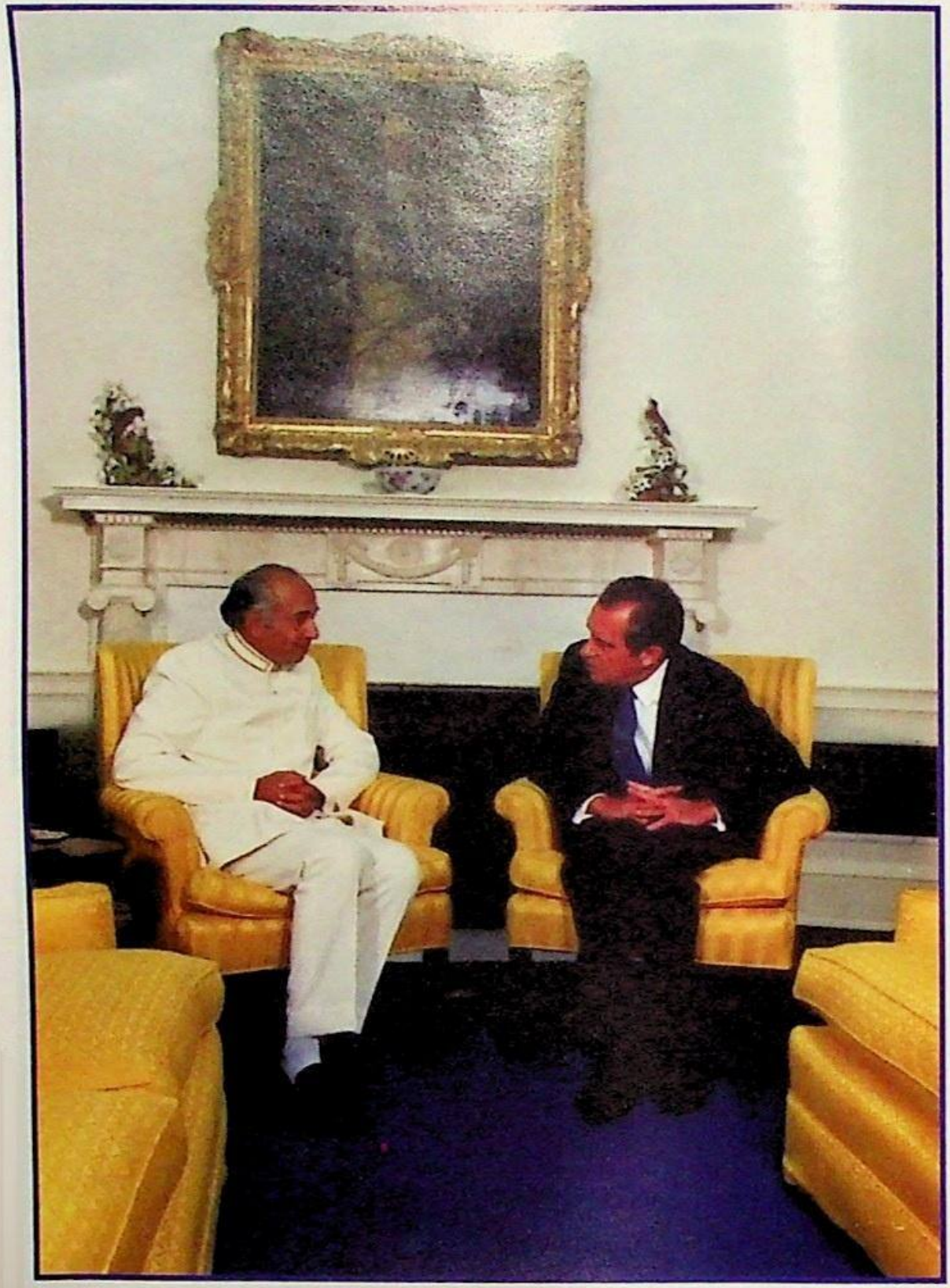

ذوالفقار علی بھٹو اور امریکی صدر نکسن

www.bhutto.org

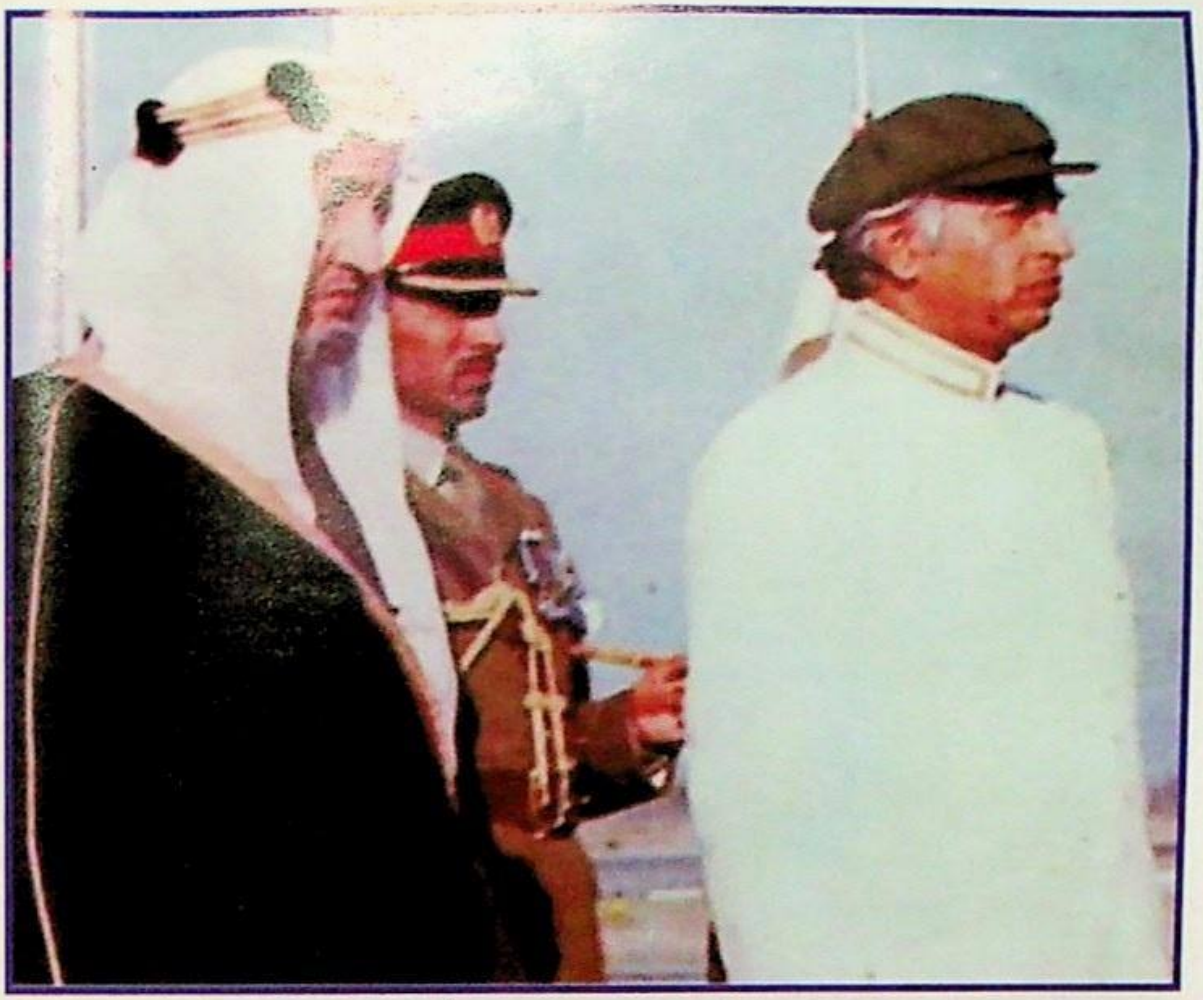

1974ء فروری۔ اسلامی کانفرنس لاہور ائیر پورٹ پر شاہ فیصل کے ہمراہ ذوالفقار علی بھٹو

1972ء جولائی شملہ۔ ذوالفقار علی بھٹو، اندرا گاندھی، بے نظیر بھٹو اور سورن سنگھ

www.bhutto.org

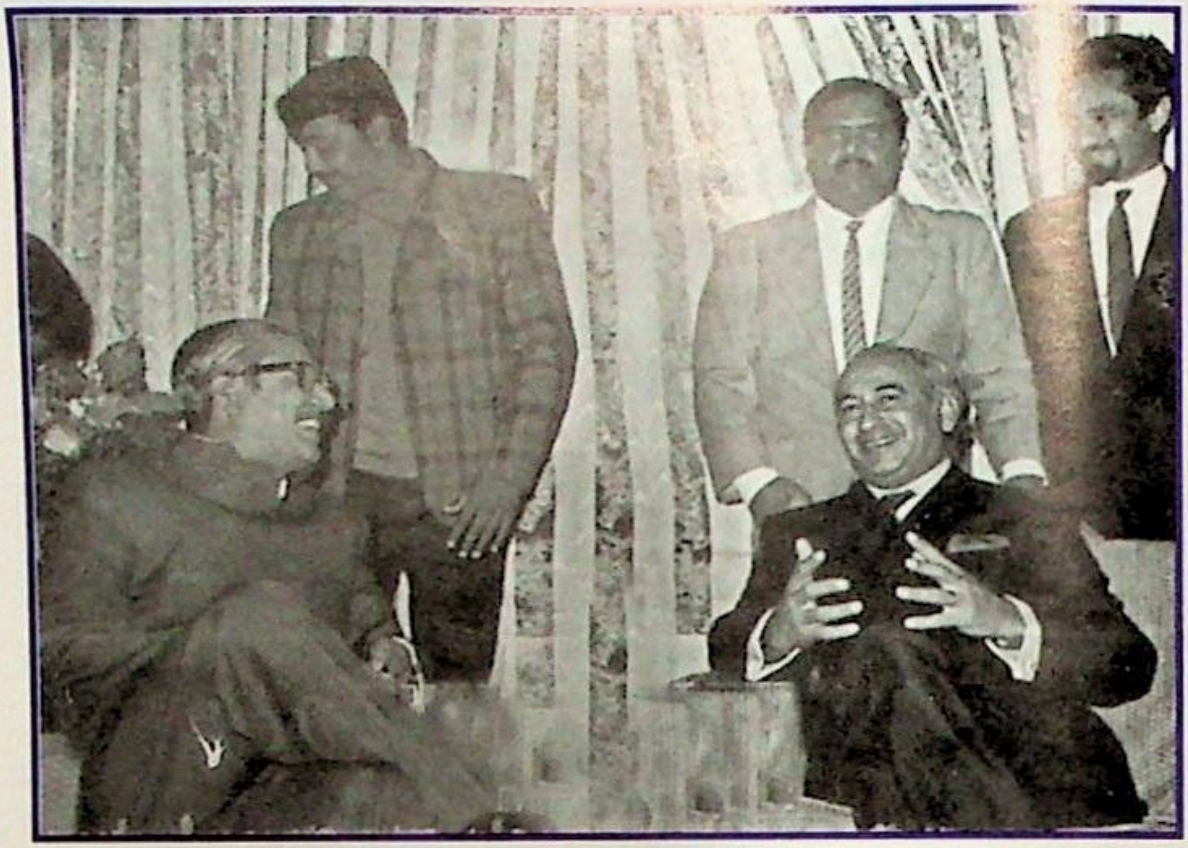

ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو، عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی
اپوزیشن راہنماؤں، مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصراللہ خان کے ہمراہ

www.bhutto.org

1974ء فروری بادشاہی مسجد لاہور۔ اسلامی کانفرنس کے دوران ذوالفقار علی بھٹو شہید، معمر قذافی اور شاہ فیصل شہید

ذوالفقار علی بھٹو، چیئرمین ماؤزے تنگ اور چون لائی کے ہمراہ

www.bhutto.org

بانی پاکستان قائداعظمؒ اس لفظ کو استعمال کرتے۔ خود حکومتِ پاکستان نے قائداعظمؒ کی تقاریر پر مشتمل جو کتاب شائع کی ہے اس کے صفحہ 103 پر قائداعظمؒ کی 26، مارچ 1948ء کی چاٹگام والی تقریر درج ہے۔ اس میں بانیٔ پاکستان نے کہا تھا کہ ''جب آپ کہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی سوشلزم کا نظام قائم ہوگا تو آپ میرے اور کروڑوں عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ 27، مارچ 1948ء کے ''نوائے وقت'' کو دیکھیں' قائداعظم کی ایک تقریر کے اقتباس بھی ملیں گے جس میں انہوں نے اسلامی سوشلزم کا لفظ استعمال کیا۔ بھٹو نے کہا کہ قائداعظمؒ کے رفیق مسٹر اصفہانی نے ٹیلی ویژن کے لئے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ قائداعظمؒ پاکستان میں اسلامی سوشلزم رائج کرنا چاہتے تھے لیکن مسٹر اصفہانی کا یہ انٹرویو نشر کرنے سے روک دیا گیا۔ بھٹو نے تقریر میں کہا کہ قائد ملت لیاقت علی خان بھی اسلامی سوشلزم کے الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے 1946ء میں متحدہ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں جو بل پیش کیا تھا سارے ہندو پریس نے اسے سوشلسٹ بجٹ قرار دیا تھا۔ بھٹو نے کہا کہ ہم پوچھتے ہیں کہ کہیں قائد ملت لیاقت علی خان کو اسی لئے تو شہید نہیں کیا گیا تھا کہ وہ اسلامی سوشلزم چاہتے تھے۔ قائد ملت کی شہادت آج بھی معمہ بنی ہوئی ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ سکاٹ لینڈ یارڈ سے قتل کا معمہ حل کرنے کی درخواست کی گئی لیکن یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ قائداعظمؒ اور قائدِ ملت کے نعروں کا ساتھ دیں اور ان کی پیروی کریں۔ اگر مجھے بھی اس کے لئے جامِ شہادت نوش کرنا پڑا تو گھبراؤں گا نہیں۔ شہیدِ ملت نے اسی لیاقت باغ میں گولی کھائی تھی اگر ان کا یہ گناہ تھا کہ وہ اسلامی سوشلزم چاہتے تھے تو میں بھی اس گناہ پر گولی کھانے کو تیار ہوں۔ لاؤ' مارو مجھے گولی' میں عوام کی خاطر گولی کھانے کے لئے تیار ہوں۔ کئی سال بعد 19، دسمبر 1978ء کو جب ذوالفقار علی بھٹو کٹہرے میں کھڑے ہو کر سپریم کورٹ آف پاکستان سے خطاب کر رہے تھے تو انہوں نے لیاقت علی خان قتل کیس کا یہاں ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ لیاقت علی خان نہ صرف دن دہاڑے ایک جلسہ عام میں شہید کئے گئے بلکہ قاتل کو نجف خان نے گولی مار کر ہلاک کر دیا اور نجف خان کو ترقی دے دی گئی بلکہ کسی تفتیش کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ آخر کار پارلیمنٹ کا دباؤ محسوس کرتے ہوئے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے مسٹر یورین کو بلایا گیا لیکن انہوں نے مختصر قیام کے بعد اسکاٹ لینڈ واپس جا کر یہ رپورٹ دی کہ ان سے تعاون نہیں کیا گیا۔ بیگم لیاقت علی خان چیختی رہ گئیں کہ میرے شوہر کی ایف آئی آر کہاں ہے' میرے شوہر کی تفتیش کہاں ہے مگر انہیں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جب بھٹو نے ایوب خان کی حکومت چھوڑی اور ایوب خان پر تنقید کرنی شروع کی تو متعدد بار

www.bhutto.org

فوجی حکام نے بھٹو کو ذاتی طور پر متنبہ کیا کہ وہ اپنی تقریروں میں اہم حکومتی معاملات اور رازوں پر پردہ کشائی نہیں کریں گے۔ شائد ذوالفقار علی بھٹو کو لیاقت علی خان کے قتل کی وجوہات کے بارے میں کافی تفصیل سے پتہ تھا لیکن انہوں نے صرف ایک بنیادی وجہ سے پردہ اٹھایا اور وہ یہ تھی کہ لیاقت علی خان بھی اسلامی سوشلزم کے قائل تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے متعدد بار یہ بھی کہا تھا کہ حسین شہید سہروردی بھی اسلامی سوشلزم کے حامی تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ حسین شہید سہروردی بھی بیرون ملک پراسرار انداز میں ہلاک ہوئے تھے۔ 4/اکتوبر 1970ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے ناصر باغ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ساتھیو! میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر موت کے لئے تیار کر لیا ہے جیسے جمال عبدالناصر مر گیا' میں بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔ بھٹو نے کلمہ پڑھتے ہوئے کہا کہ میں شہادت کے لئے تیار ہوں۔ شائد بھٹو 1970ء میں جان چکے تھے کہ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اس کے نتیجے میں میری جان بھی جا سکتی ہے۔

لیاقت علی خان اور ذوالفقار علی بھٹو غیر طبعی موت کا شکار ہوئے۔ دونوں میں ایک اور بات بھی مشترک تھی۔ دونوں سے قادیانی نفرت کرتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کی سرگرمیوں پر پہلا اعتراض حسین شہید سہروردی نے کیا تھا۔ انہوں نے وزیراعظم کے نام قادیانیوں کے بارے میں ایک طویل خط لکھا۔ 1951ء کے انتخابات میں سیالکوٹ میں ایک مسلم لیگی اُمیدوار کے مقابلے پر ایک قادیانی اُمیدوار کھڑا تھا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان اپنے اُمیدواروں کے حق میں جلسے کر رہے تھے۔ وہ سیالکوٹ کے قریب ایک قصبے سمبڑیال پہنچے تو مسلم لیگی رہنما خواجہ محمد صفدر نے اپنے اُمیدوار کے حق میں تقریر کیلئے مجلس احرار کے رہنما مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو بھی دعوت دی۔ مولانا صاحب نے وزیراعظم لیاقت علی خان کی موجودگی میں قادیانیوں کے خلاف بھرپور تقریر کی جسے وزیراعظم نے بہت پسند کیا۔ وزیراعظم کی فرمائش پر مولانا احسان احمد شجاع آبادی نے سیالکوٹ شہر میں بھی ایک جلسے سے خطاب کیا۔ بعدازاں خواجہ محمد صفدر کے ذریعہ مولانا احسان احمد شجاع آبادی کی وزیراعظم لیاقت علی خان کے ساتھ ایک تفصیلی ملاقات ہوئی جس میں مولانا نے وزیراعظم کو قادیانیوں کے لٹریچر کی روشنی میں اُنکے نظریات سے آگاہ کیا۔ پاکستان کے پہلے قادیانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کے متعلق اپنی کتاب میں طاہر عبدالرزاق نے لیاقت علی خان اور مولانا احسان احمد شجاع آبادی کی اس ملاقات کا حال لکھا ہے اور دعویٰ کیا کہ ملاقات کے دوران لیاقت علی خان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بعدازاں مولانا نے کراچی میں بھی لیاقت علی خان سے ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں میں مولانا نے سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے

www.bhutto.org

ہٹانے کا مطالبہ کیا کیونکہ سر ظفر اللہ خان مسئلہ فلسطین پر عرب ممالک کے مؤقف کی کھل کر حمائت نہیں کر رہا تھا۔ لیاقت علی خان اپنے وزیر خارجہ کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے کہ اس دوران اُنہیں لیاقت باغ راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت میں پارلیمنٹ کے ذریعہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا تھا۔ پاکستانی پارلیمنٹ کے اس فیصلے کو اندرون ملک بہت پذیرائی حاصل ہوئی تاہم مغربی ممالک میں اس فیصلے پر تنقید کی گئی۔ سر ظفر اللہ خان نے سینئر صحافی منیر احمد منیر کو اُنکے جریدے آتش فشاں کے 9 مئی 1980ء کے شمارے کیلئے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ بھٹو کتے کی موت مارے گئے کیونکہ اُنہوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا حالانکہ اسی ظفر اللہ خان نے 1948ء میں قائداعظمؒ کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی کیونکہ ظفر اللہ خان تمام غیر قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے۔ بھٹو کو اپنی زندگی میں پتہ تھا کہ قادیانی اُنکی موت پر خوشی منائیں گے لیکن مولانا غلام غوث ہزاروی اور شورش کاشمیری نے بھٹو کو یقین دلایا تھا کہ ختم نبوت کے مخالفین کی نفرت اُنکے لئے بخشش کا باعث بنے گی۔ بھٹو ایک لبرل مسلمان تھے لیکن اندر سے بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔

www.bhutto.org

اگر استحصال جاری رہا
تو مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جائے گا

بعض حلقے ذوالفقار علی بھٹو پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مشرقی پاکستان ان کی وجہ سے مغربی پاکستان سے جدا ہو گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تحریروں' تقریروں' یحییٰ خان اور شیخ مجیب الرحمن کے ساتھ ان کے مذاکرات کی تفاصیل اور المیہ مشرقی پاکستان کے دیگر کرداروں کی باتوں پر غور کرنے سے بہت سے نئے اور سنسنی خیز پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے واحد سیاستدان تھے جنہوں نے 1966ء میں شیخ مجیب الرحمن کی طرف سے چھ نکات کے اعلان کے فوراً بعد یہ کہا تھا کہ اس مسئلے کو گفت وشنید کے ذریعہ فوراً حل کر لینا چاہیے ورنہ پاکستان کی سلامتی کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ دراصل ذوالفقار علی بھٹو کو کافی عرصے سے یہ احساس تھا کہ مشرقی پاکستان کی غربت اور حکمرانوں کی غلط پالیسیاں کسی فتنے کو جنم دے سکتی ہیں۔ اگست 1954ء کے ''ویژن'' کراچی میں بھٹو کا ایک مضمون

(PAKISTAN A FEDERAL OR UNITARY STATE)

شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے وفاقی طرز کے آئین کی فوری تشکیل پر زور دیا اور لکھا کہ پاکستان کے تمام صوبوں کو برابر برابر حقوق حاصل ہونے چاہئیں تب ہی پاکستان متحد رہ سکتا ہے اور اس مقصد کے لئے ایک مؤثر آئین بہت ضروری ہے۔ پاکستان کے پہلے بنگالی وزیراعظم حسین شہید سہروردی کے ذوالفقار علی بھٹو سے قریبی تعلقات تھے لہٰذا ذوالفقار علی بھٹو کو بنگالی سیاستدانوں کے انداز فکر اور ان کے مسائل سے بھی کافی واقفیت تھی۔ جب پاکستان کے اس منتخب بنگالی وزیراعظم کو غیر آئینی طریقے سے ہٹایا گیا تو بنگالی مسلمانوں میں اس کا شدید ردعمل ہوا۔ 1962ء میں ایوب خان کے دور کی

www.bhutto.org

قومی اسمبلی میں ذوالفقار علی بھٹو بھی شامل تھے۔اس اسمبلی میں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے بنگالی اراکین اکثر اوقات اپنے احساس محرومی کا ذکر کرتے اور پاکستان کے برسر اقتدار طبقے کو استحصالی قوت قرار دیتے رہتے تھے۔اس اسمبلی میں بیٹھ کر ذوالفقار علی بھٹو بنگالی اراکین کی تقاریر بڑے غور سے سنتے تھے اور ایوب خان کو مشورہ دیتے تھے کہ وہ مشرقی پاکستان کے مسائل کے حل کے لئے فارمولا تشکیل دیں لیکن ایوب خان اس سلسلے میں قطعی سنجیدہ نہ تھے بلکہ وہ مشرقی پاکستان سے جان چھڑانے کے چکر میں تھے۔ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان محمد منیر نے اپنی کتاب ''فرام جناح ٹو ضیاء'' کے صفحہ 92 پر لکھا ہے جب 1962ء میں مجھے ایوب خان کی کابینہ میں شامل کیا گیا تو میں نے محسوس کیا کہ اسمبلی میں کوئی تعمیری کام نہیں ہوتا۔ ہر دن مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے اراکین کی طویل تقریریں سننے میں گزر جاتا جن میں وہ کہتے کہ مغربی پاکستان ہمارا استحصال کرتا ہے۔ایوب خان ریڈیو پر یہ تقاریر سنتا تھا اور جب مشرقی و مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے کسی وزیر کی طرف سے استحصال کے الزامات کا جواب نہیں دیا جاتا تھا تو وہ بہت ''بور'' ہوتا تھا۔جسٹس منیر لکھتے ہیں کہ میں نے ایوب خان سے کہا کہ یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہم مشرقی پاکستان والوں سے کہیں کہ وہ اپنے معاملات اپنے ہاتھوں میں خود سنبھال لیں۔ایوب خان نے مجھے کہا کہ میں اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے کسی با اثر لیڈر سے بات کروں۔ چنانچہ میں نے مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے اس وقت کے وزیر رمیض الدین سے بات کی۔رمیض الدین نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میرا مطلب ''علیحدگی'' سے ہے تو میں نے کہا کہ ہاں علیحدگی یا کنفیڈریشن یا مزید خود مختاری کی صورت ہو سکتی ہے۔اس پر رمیض الدین نے مجھ سے کہا کہ دیکھو اکثریتی صوبہ ہم ہیں لہٰذا اقلیتی صوبے کو علیحدگی کا فیصلہ کرنا چاہیے کیونکہ اصل میں پاکستان تو ہم ہیں۔ بعد ازاں یہ مسئلہ یہاں ختم ہو گیا لیکن اسمبلی میں ان کی شکایات کا سلسلہ جاری رہا۔ایوب خان اور جسٹس منیر جو چاہتے تھے اس سے یقیناً ذوالفقار علی بھٹو بھی واقف تھے کیونکہ ان کے مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے کافی تعلقات تھے یہی وجہ تھی کہ جب فروری 1966ء میں شیخ مجیب الرحمن نے چھ نکات کا شوشہ چھوڑا تو بھٹو نے فوراً ایوب خان سے کہا کہ وہ بنگالی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کر کے معاملے کو ٹھنڈا کریں لیکن ایوب خان نے غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ایوب خان کی حکومت سے علیحدگی کے بعد نومبر 1967ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب ''دی متھ آف انڈی پینڈنس'' شائع ہوئی۔اس کتاب کا ترجمہ ''آزادی موہوم'' کے نام سے شائع ہوا۔اس کتاب میں ذوالفقار علی بھٹو نے متحدہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں اور اس کی سلامتی کو درپیش خطرات کی

www.bhutto.org

طرف اشارہ کیا اور پیش گوئیاں کیں کہ اگر حالات سدھارنے کی طرف توجہ نہ دی گئی تو پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ ''آزادی موہوم'' کے 18ویں باب میں صفحہ 238 پر بھٹو لکھتے ہیں کہ ہندوستانی رہنما پاکستان کو اس لئے گوارا کرنے پر آمادہ ہوئے کہ ان میں تباہ و برباد کرنے کی قوت نہ تھی۔ اگر وہ ایسی قوت اکٹھا کر سکے' جیسا کہ وہ اپنی فوج کو بڑھانے کی شکل میں کوشش کر رہے ہیں تو وہ تقسیم کو ختم کر دیں گے اور پاکستان کو دوبارہ اپنے خوابوں کے ہندوستان میں مدغم کر لیں گے۔ آگے چل کر صفحہ 244 پر بھٹو لکھتے ہیں کہ ہندوستان ایک طرف تو مشرقی پاکستان میں گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسری طرف پچاس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو اپنے ملک سے مشرقی پاکستان کی طرف دھکیل چکا ہے تاکہ ہماری معیشت پر بہت بوجھ پڑے اور نئی کشیدگیاں جنم لیں۔ طویل عرصے سے عظیم تر بھارت کے پرچارک یہ دعویٰ کرتے رہے کہ بھارت کی سیاسی' ثقافتی اور اقتصادی قیادت کو ہندوکش سے لے کر دریائے می کانگ تک عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ پاکستان کو بے اثر کر دیا جائے' لیکن اکھنڈ بھارت کے نظریئے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پاکستان کا خاتمہ ضروری ہے اور ہندوستانی یہ سب کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔'' آزادی موہوم'' کے 19ویں باب میں ذوالفقار علی بھٹو اپنی سیاسی بصیرت کی انتہا پر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے ساتھ تعلقات اور جموں و کشمیر کے مسئلے کو مشرقی پاکستان کے مسئلے کے ساتھ جوڑتے ہوئے بھٹو صفحہ 253 پر لکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے ساتھ تنازعات طے کئے بغیر پاکستان نے تعاون کیا تو کشمیر کے لوگ قدرتی طور پر نتیجہ اخذ کریں گے کہ پاکستان نے انہیں ترک کر دیا ہے اور ان کے لئے ہندوستانی جارحیت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے گا۔ پاکستان کے جھک جانے کے بعد ہندوستان سمجھے گا کہ اسے سکم اور بھوٹان کی ہمالیہ میں واقع ریاستوں کو قابو میں لانے کی آزادی حاصل ہو گئی ہے اور وہ نیپال اور سری لنکا پر بھی اپنا دباؤ بڑھا دے گا۔ برصغیر پر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اپنی قیادت کو مسلط کر کے ہندوستان پھر کوشش کرے گا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے حق خودارادیت کی تحریک کے امکانات کو ختم کر دے۔ دراصل ذوالفقار علی بھٹو کا اشارہ تاشقند معاہدے کی طرف تھا جس کی مخالفت کی بنا پر انہوں نے حکومت سے استعفیٰ دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس معاہدے میں پاکستان نے ہندوستان سے اپنے تنازعے نمٹائے بغیر تعاون کا وعدہ کر کے غلطی کی ہے۔ اسی باب میں آگے چل کر بھٹو لکھتے ہیں کہ جب پاکستان غیر مساوی اور اطاعت گزار بنیادوں پر تعاون کرنے لگے گا تو ہندوستان سب سے پہلے اپنی توجہ مشرقی پاکستان کے زرخیز خطوں کی طرف مبذول

www.bhutto.org

کرے گا تا کہ دھمکا ور غلا کر اور خفیہ ثقافتی نفوذ اور اپنی قربت کے مجرد وزن سے مشرقی پاکستان کو مغربی بنگال میں سمو لے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے نام اپیلیں جاری کی جائیں گی کہ وہ مغربی پاکستان کے تسلط سے نجات حاصل کر لیں۔ مغربی پاکستان میں بھی ایسے لوگ تلاش کر لئے جائیں گے جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حق میں دلائل دیں گے۔ اس قسم کے اشتعال پھیلانے والے کارندے جو ہر ملک میں دستیاب ہو سکتے ہیں' یہ پرچار کریں گے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کے لئے ایک ''بوجھ'' ہے اور اس نے جو ''بلیک میل'' لگا رکھا ہے اسے ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے اب قطعی طور پر علیحدگی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اگر ایک بار جموں کو اور کشمیر کو رہا کروانے کا قومی عزم ٹوٹ گیا تو ملک کے دونوں بازوؤں میں ان کے رابطے کو توڑنے کے لئے تخریب کاری کی مہم تیز ہو جائے گی۔ بھٹو پیش گوئی کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ اگر اس طرح پاکستان تقسیم ہو گیا تو دونوں بازوؤں کی اہمیت فی الفور کٹ کر نصف نصف رہ جائے گی اور برصغیر میں طاقت کے دو عظیم ستون ہونے کی بجائے پاکستان دو کمزور ریاستوں میں بٹ جائے گا۔ انتشار کا عمل اس وقت جاری رہے گا جب تک مشرقی پاکستان مغربی بنگال کے اندر جذب نہ ہو جائے اور اس سے مغربی پاکستان میں علیحدگی پسند تحریکوں کی بھی ہمت افزائی ہو گی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی ان باتوں پر غور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ شاید انہیں نا صرف سازش کا پتہ تھا بلکہ سازش کرنے والوں کا بھی پتہ تھا اور اسی لئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس سازش کو کامیاب کروانے کے لئے مغربی پاکستان سے بھی لوگ تلاش کر لئے جائیں۔ لیکن بھٹو نے کسی مرحلے پر بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو ذہنی طور پر قبول نہ کیا بلکہ انہوں نے عوام کو اس سازش سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تا کہ عوام دباؤ ڈالیں اور مرکزی حکومت حالات سدھارنے کی طرف توجہ دے۔ لیکن بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ پر سرکاری کنٹرول کے باعث بھٹو کے خدشے اور اندیشے مؤثر انداز میں عوام تک نہ پہنچ سکے البتہ محب وطن اور باشعور حلقوں میں ان کی باتوں پر غور کیا گیا۔ 30 رنومبر 1967ء کو لاہور میں پاکستان پیپلز پارٹی قائم کی گئی۔ 30 رنومبر اور یکم دسمبر کو پاکستان پیپلز پارٹی کے دوروزہ کنونشن کے چار سیشن منعقد ہوئے۔ ان چار سیشنوں میں بحث وتمحیص کے بعد جو قراردادیں منظور کی گئیں انہیں پیپلز پارٹی کی بنیادی دستاویزات قرار دیا جاتا ہے۔ کنونشن میں منظور کی جانے والی چوتھی قرارداد میں کہا گیا تھا کہ آسام کی آبادی کی اکثریت غیر ہندوؤں پر مشتمل تھی لیکن ریڈکلف ایوارڈ نے پاکستان کو آسام کا تھوڑا سا حصہ دے کر سراسر ناانصافی کی حالانکہ آسام کی آبادی بھارت سے خودمختاری چاہتی ہے لہٰذا اس کنونشن کے خیال میں حکومت پاکستان کو

www.bhutto.org

ریاست آسام اور اس کے لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں پیپلز پارٹی کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ بجائے اس کے کہ بھارت مشرقی پاکستان میں گڑبڑ پھیلائے پاکستان کو چاہیے کہ وہ بھارتی بنگال کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرے تاکہ بھارت کی کوششیں ناکام ہو جائیں۔ پیپلز پارٹی کے پہلے کنونشن میں تیار کی جانے والی بنیادی دستاویز نمبر 6 میں مشرقی پاکستان کے مسائل کا تفصیل سے تجزیہ کیا گیا۔ اس دستاویز میں کہا گیا کہ تقسیم ہند کے بعد مشرقی پاکستان میں زیادہ تر سرمایہ کاری جیوٹ مینوفیکچرنگ میں ہوئی لیکن یہ صنعت مغربی پاکستان کے مفاد کے لئے استعمال ہو رہی ہے۔ اگر اس صنعت سے حاصل ہونے والے منافع سے مشرقی پاکستان ہی میں سرمایہ کاری کی جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ زرِ مبادلہ کی بھاری مقدار مشرقی پاکستان سے حاصل ہوتی ہے لیکن یہ زرِ مبادلہ وہاں کے بجائے مغربی پاکستان میں استعمال ہوتا ہے جس کے باعث برآمدات کی ترسیل بھی صرف مغربی پاکستان تک محدود ہے۔ اس دستاویز میں یہ بھی لکھا گیا کہ مشرقی پاکستان پیداواری سہولتوں سے محروم ہے اس کے باوجود وہاں سے زیادہ زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ مارشل لاء حکومت اس عدم توازن کو ختم کرنے میں ناکام رہی ہے حتیٰ کہ تعلیم کے شعبے میں بھی مشرقی پاکستان کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ دوسرے پنجسالہ منصوبے میں مشرقی پاکستان کے لئے پرائمری سکولوں کی تعداد میں اضافے کے لئے رقم مختص نہیں کی گئی جبکہ مغربی پاکستان مشرقی بازو کی نسبت زیادہ تعلیمی سہولتوں کا حامل ہے۔ پیپلز پارٹی کی اس بنیادی دستاویز میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان اس معاشی عدم توازن کے خاتمے کے لئے طریقہ کار پیش کیا گیا اور اس پر عملدرآمد کا وعدہ کیا گیا لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ گو ذوالفقار علی بھٹو بہت پہلے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے خطرے کو بھانپ چکے تھے لیکن انہوں نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی مؤثر منصوبہ بندی کی۔ اپریل 1968ء میں بھٹو نے جو کتابچہ "پاکستان کی سیاسی صورتحال" کے نام سے لکھا اس کا آخری پیراگراف یوں تھا..... "میرا ایمان ہے کہ اگر اقتصادی اور سماجی انصاف کے سوال کو نظر انداز کیا گیا تو پاکستان کی سالمیت نہ صرف خطرے میں پڑ جائے گی بلکہ اس کا پارہ پارہ ہونا یقینی ہو جائے گا۔ تمام محب وطن لوگ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ سالمیت کے پارہ پارہ ہونے میں بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کی عیاں و نہاں صورت بھی شامل ہے"۔ ایوب خان کا صدارتی نظام روز بروز مسائل میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ ایوب خان کے دور میں ہی مشرقی پاکستان سمیت مغربی پاکستان کے صوبوں سندھ، بلوچستان اور سرحد میں قوم پرستی اور علیحدگی پسندی کی

www.bhutto.org

تحریکوں نے جنم لیا۔ دراصل 1962ء کے آئین میں صوبائی خود مختاری کو بہت محدود کر دیا گیا تھا۔ اختیارات کی صرف ایک فہرست تھی جو مرکزی اختیارات کے متعلق تھی۔ باقی ماندہ اختیارات بظاہر تو صوبوں کے حوالے کیے گئے تھے لیکن عملی طور پر صورتحال مختلف تھی کیونکہ صوبائی انتظامیہ کی تقرری بھی صدر خود کرتا تھا اور صوبائی انتظامیہ صرف صدر کے سامنے جوابدہ تھی۔ مشرقی پاکستان میں اس کا ردعمل اس لئے شدید ہوا کہ وہاں صدر کی طرف سے مقرر کی جانے والی صوبائی انتظامیہ میں اکثریت غیر بنگالیوں کی تھی اور یہ صوبائی انتظامیہ مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومت کے ماتحت نہ تھی بلکہ صدر کے ماتحت تھی جبکہ صدر بھی غیر بنگالی تھا اور پھر معاشی عدم توازن بھی تھا۔ ان سب عوامل نے مل کر چھ نکات کی آگ کو ہوا دی۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ ایوب خان کے خلاف سرگرم عمل تھی جبکہ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو بھی ایوب خان کے خلاف تحریک میں خاصا اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ فرق صرف یہ تھا عوامی لیگ چھ نکات کی بنیاد پر ایک قسم کی کنفیڈریشن کا مطالبہ کر رہی تھی جبکہ ذوالفقار علی بھٹو انتخابات کے انعقاد اور پارلیمانی نظام کی بحالی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ 1967ء میں شیخ مجیب الرحمن کو اگرتلہ سازش کیس میں گرفتار کیا گیا۔ شیخ مجیب الرحمن سمیت 34 دیگر افراد پر یہ الزام تھا کہ وہ ہندوستانی سرمائے اور اسلحے کی مدد سے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقدمے کی تفتیش کے بعد اس کی سماعت کے لئے سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس ایس اے رحمان کی سرکردگی میں خصوصی ٹریبونل تشکیل دیا گیا۔ جون 1968ء میں ڈھاکہ چھاؤنی میں اس کی سماعت کا آغاز ہوا۔ دوسری طرف مولانا مودودی' ممتاز دولتانہ' ولی خان' سردار شوکت حیات خان' ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان' مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصر اللہ خان کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ شیخ مجیب الرحمن کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں اور انہیں رہا کیا جائے جبکہ مولانا بھاشانی' ذوالفقار علی بھٹو اور سردار عبدالقیوم خان کا موقف تھا کہ شیخ مجیب الرحمن کے خلاف مقدمے کی سماعت ہونی چاہیے اور اس کی بے گناہی یا جرم کا فیصلہ عدالت کرے۔ 13 نومبر 1968ء کو بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا اور میانوالی جیل میں بند کر دیا گیا۔ محمود ہارون کی ملکیت میں جو اخبارات تھے وہ شیخ مجیب الرحمن کو ہیرو بنا کر پیش کر رہے تھے جبکہ ذوالفقار علی بھٹو پر زبردستی تنقید کی جا رہی تھی مجیب جیسے تیسرے درجے کے ایک عام سیاسی کارکن کو اخبارات اور بعض سیاسی لیڈروں کے بیانات نے "عظیم" سیاستدان بنا دیا تھا۔ جسٹس ایس اے رحمان کی زیر قیادت خصوصی ٹریبونل جب اگرتلہ سازش کیس کی سماعت کے لئے ڈھاکہ گیا تو عوامی لیگ کے کارکنوں نے ان پر حملہ کر دیا اور اخبارات کے مطابق ایس اے رحمان

www.bhutto.org

اپنے جوتے چھوڑ کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ صوبائی انتظامیہ ایوب خان کی مقرر کردہ تھی لیکن اس کے باوجود اتنے ناقص انتظامات کیسے ہو گئے کہ خصوصی ٹربیونل شرپسندوں کے نرغے میں آ گیا؟ بہرحال سماعت ملتوی ہوگئی اور 22 رفروری 1969ء کو حکومت پاکستان نے اگرتلہ سازش کیس واپس لے لیا' مجیب الرحمٰن اور بھٹو دونوں کو رہا کر دیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس صورتحال کو ''ڈرامہ بازی'' اور ''ملی بھگت'' قرار دیا۔ ایوب خان کی طرف سے 13 رمارچ 1969ء کو ملکی مسائل کے حل کے لئے سیاسی رہنماؤں کی ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ ایوب خان نے اپنے خلاف چلنے والی تحریک سے عوام الناس کی توجہ ہٹانے کے لئے شیخ مجیب الرحمٰن کو جان بوجھ کر ایک علیحدگی پسند ''ہیرو'' کے طور پر اُبھارا۔ بھٹو نے موقف اختیار کیا کہ سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکات میں لچک پیدا کر کے لائیں لیکن ایسا نہ ہوا۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے اس گول میز کانفرنس کے انعقاد میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمٰن شریک ہوئے لیکن ذوالفقار علی بھٹو اور مولانا بھاشانی شریک نہ ہوئے۔ اس گول میز کانفرنس میں انتخابات کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔ چند ہی دنوں بعد ایوب خان نے اقتدار یحییٰ خان کو منتقل کر دیا۔ یحییٰ خان نے انتخابات کے انعقاد کا وعدہ کیا۔ 1970ء کے آخری مہینے میں انتخابات منعقد ہوئے عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں 160 سیٹیں حاصل کیں جبکہ مغربی پاکستان میں پی پی پی نے 81 نشستیں حاصل کیں اس طرح یہ دونوں جماعتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ یحییٰ خان کا خیال تھا کہ اتنی ڈھیر ساری سیاسی جماعتیں ہیں انتخابات کے نتائج کے بعد کھچڑی پک جائے گی اور وہ مخلوط حکومت بنا کر صدر بنا رہے گا لیکن عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی دو بڑی جماعتیں ثابت ہو چکی تھیں لہٰذا یحییٰ نے شیخ مجیب الرحمٰن اور بھٹو دونوں سے مذاکرات کئے' اس دوران مجیب اور بھٹو کے درمیان بھی رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ بھٹو نے یحییٰ خان کو مطلع کر دیا کہ وہ اور مجیب الرحمٰن چھ نکات پر مذاکرات کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں ملکی استحکام کے تقاضوں کے مطابق کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ اس دوران یحییٰ خان نے 3 رمارچ کو اسمبلی کا اجلاس بلانے کا اعلان کر دیا لیکن بعد میں نجانے کن وجوہات کی بنا پر انہوں نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جس کا مشرقی پاکستان میں زبردست ردعمل ہوا لیکن بھٹو اور مجیب نے اپنا رابطہ برقرار رکھا۔ 28 رفروری 1971ء کو مینار پاکستان لاہور پر ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ ہم نے تین نکات مان لئے تین رہ گئے' کرنسی پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے' ٹیکس پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے' لیکن اگر بیرونی تجارت بھی صوبوں کے ہاتھوں میں رہی تو پانچ

www.bhutto.org

صوبوں میں پانچ غیر ملکی طاقتوں کے اڈے قائم ہو جائیں گے۔ اسی طرح جیسے مغلوں کے دور میں ہندوستان میں پرتگالی' ولندیزی' فرانسیسی اور برطانوی اڈے قائم ہو گئے تھے' جب متحدہ پاکستان نہیں رہ سکتا تو یہ پانچ صوبے کیسے رہ سکتے ہیں وہ آپ کو کپاس' گندم' کپڑے' تیل اور دیگر اشیاء کی تجارت پر لڑائیں گے۔ بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پروردگار عالم! میرا گواہ ہے! اے شاہی مسجد کے مینارو' مینار پاکستان اور راوی کی لہرو' تم بھی گواہ رہنا کہ ہم ایک پاکستان چاہتے ہیں ہم انتقال اقتدار چاہتے ہیں لیکن انتقال پاکستان نہیں چاہتے۔ ہم مارشل لاء کا خاتمہ چاہتے ہیں' ہم فوجی حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں' ہم پاکستان کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ میرا اعلان یہ ہے کہ ہم کسی صورت میں یہ نہیں چاہتے کہ مشرقی پاکستان سے ہمارا سمجھوتہ نہ ہو' ہم مشرقی پاکستان کے غریبوں کی بھی اتنی ہی عزت کرتے ہیں جتنی مغربی پاکستان کے غریبوں کی عزت کرتے ہیں۔ اگر چھ نکات میں ایک نکتہ استحصال ختم کرنے کا شامل کرلیا جائے کہ ہم 22 خاندانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں وہ بھی منظور ہے۔ دوسری طرف شیخ مجیب الرحمن کا رویہ بے لچک تھا۔ 14/مارچ 1971ء کو نشتر پارک راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں اقتدار اکثریتی جماعتوں کو منتقل کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں حصوں کی اکثریتی جماعتیں چھ نکات کے مسئلے کو مذاکرات کے ذریعہ حل کر سکتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پورے ملک میں اکثریتی جماعت صرف اس وقت حکومت بنا سکتی ہے اگر وہ چھ نکات کو فراموش کر دے کیونکہ چھ نکات پاکستان توڑنے کے مترادف ہیں اس جلسے میں ذوالفقار علی بھٹو نے نعرے لگوائے ''ایک رہے گا پاکستان'' ''پاکستان زندہ باد''۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان متحد رہے گا اور اسلامی سوشلسٹ جمہوریہ بنے گا۔ اس جلسے کے اگلے روز لاہور سے نکلنے والے ایک اردو اخبار روزنامہ ''آزاد'' نے بھٹو کی تقریر کے حوالے سے شہ سرخی لگائی ''ادھر تم..... ادھر ہم''۔ یہ سرخی بھٹو کی تقریر کے سیاق وسباق کے برعکس تھی۔ اگلے روز بھٹو نے اس سرخی کے حوالے سے وضاحت جاری کر دی لیکن ان کے مخالفین نے اس سرخی کی بنیاد پر ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا حالانکہ اسی اخبار کے صفحہ اول پر یہ سرخی بھی تھی کہ ''پاکستان متحد رہے گا'' اس دوران مجیب الرحمن نے مشرقی پاکستان میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ یحییٰ خان نے شیخ مجیب کی تحریک کو غداری قرار دے کر مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کرا دیا۔ پیلو مودی اپنی کتاب ''ذلفی مائی فرینڈ'' میں لکھتے ہیں کہ بھٹو نے جنرل پیرزادہ کو سمجھانے کی بے حد کوشش کی کہ مشرقی پاکستان کو علیحدہ ہونے سے روکنے کے لئے محدود طریقے سے فوجی کارروائی کی جا

www.bhutto.org

سکتی ہے اور مشرقی پاکستان کو اس وقت تک نہیں بچایا جا سکتا جب تک فوجی کارروائی کے ساتھ ہی کوئی سیاسی حل تلاش نہیں کیا جاتا اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کا خون چوسنا بند نہیں کرتا۔ پیلو مودی لکھتے ہیں کہ یحییٰ خان نے جو بربریت شروع کی تھی بھٹو کو وہ قطعی پسند نہ تھی۔ آخر تک بھٹو یحییٰ خان کو حیوانی طاقت استعمال کرنے سے روکتے رہے' انہی دنوں بھٹو نے یحییٰ خان کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں لکھا کہ ملک مصیبت کے جس دور سے گزر رہا ہے اس پر عوام کے تعاون کے بغیر اور عوام کی حکومت بنائے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے انہی دنوں ایک کتاب لکھی۔

''عظیم المیہ'' (THE GREAT TRAGEDY) کے نام سے یہ کتاب ستمبر 1971ء میں شائع ہوئی۔ بھٹو جان چکے تھے کہ عظیم المیہ رونما ہو چکا ہے اب صرف فرضی کارروائیاں باقی ہیں۔ انہوں نے جن سازشوں کی طرف 1967ء میں اشارہ کیا تھا ان سازشوں کو عملی جامہ پہنایا جا چکا تھا۔ لہٰذا انہوں نے مشرقی پاکستان کے مسئلے پر اپنے خیالات کتاب کی صورت میں پڑھے لکھے حلقوں تک پہنچا دیئے۔ اس کتاب کے صفحہ 8 پر مسٹر بھٹو لکھتے ہیں کہ چھ نکات کی تشکیل کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایوب خان کے ایک انتہائی قریبی بیوروکریٹ کے ہاتھوں سے بنے ہوئے ہیں اور یہ چھ نکات اچھالنے کا مقصد عوام کی توجہ ناشقند معاہدے سے ہٹانا تھا تا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے عوام چھ نکات کے باعث آپس میں لڑنا شروع کر دیں اور ایوب خان کی حکومت بچ رہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ جب یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں حالات خراب کر دیئے تو میں نے 10/مارچ کو مجیب الرحمٰن کے نام ایک ٹیلی گرام بھیجا جس میں زور دیا کہ ہمیں آدمی کے ہاتھوں آدمی اور علاقے کے ہاتھوں علاقے کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے مل کر کام کرنا چاہیے۔ ہم دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم پاکستان کو متحد رکھنے کی کوشش کریں۔ آخر کار مجیب الرحمٰن ملاقات کرنے پر راضی ہو گیا اور یہ ملاقات 22/مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں ایوانِ صدر میں ہوئی۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ مجیب الرحمٰن نے صدر سمیت اعلیٰ فوجی حکام سے کہا کہ وہ میرے ساتھ علیحدگی میں بات چیت کرنا چاہتا ہے چنانچہ کمرہ خالی کر دیا گیا۔ مجیب نے میرے ہاتھ پکڑے اور میرے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ حالات بہت خراب ہیں اور حالات سدھارنے کے لئے میری مدد کرو۔ اس موقع پر ہم دونوں کمرے سے نکل کر عقبی جانب کے برآمدے میں چلے گئے تا کہ کوئی ہماری باتیں نہ سن سکے۔ مجیب نے مجھے کہا کہ تم مغربی پاکستان کے وزیر بن جاؤ اور مشرقی پاکستان مجھ پر چھوڑ دو۔ اس نے کہا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ مجیب نے مجھے فوج کی طرف سے

www.bhutto.org

ہوشیار رہنے کے لئے کہا اور نصیحت کی کہ میں فوج پر اعتبار نہ کروں اور کہا کہ اگر انہوں نے پہلے مجھے تباہ کیا تو تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں تاریخ کی بجائے فوج کے ہاتھوں تباہ ہونے کو ترجیح دوں گا۔ ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمیں آپس میں غلط فہمیاں دور کر لینی چاہئیں اور مذاکرات کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یحییٰ خان کھڑکی سے ہمیں باتیں کرتا دیکھ رہا تھا اس دوران مجیب الرحمٰن کے فوجی حکام سے بھی مذاکرات جاری رہے۔ بھٹو کا موقف پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ شروع دن ہی سے وہ اور مجیب مذاکرات کے ذریعہ مسائل حل کرنا چاہتے تھے لیکن کسی ''تیسری طاقت'' کی ''شرائط'' ان کے درمیان حتمی فیصلے کی راہ میں رکاوٹ تھیں۔ یہ شرط شاید یہ تھی کہ ''تیسری طاقت'' کو بھی اقتدار میں حصہ دیا جائے لیکن دونوں طرف سے انکار کے بعد تیسری طاقت نے ملٹری ایکشن کر دیا۔

بھٹو نے اپنی کتاب ''عظیم المیہ'' میں مجیب الرحمٰن کا پس منظر بھی بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ مجیب الرحمٰن نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ 1948ء میں مجیب الرحمٰن نے بنگلہ زبان کو قومی زبان قرار دلوانے کے لئے چلائی جانے والی تحریک میں حصہ لیا اور اس دوران گرفتار بھی کر لیا گیا۔ 1949ء میں مجیب مسلم لیگ چھوڑ کر عوامی لیگ میں چلا گیا۔ 1956ء میں جب مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی حکومت بنی تو مجیب الرحمٰن صوبائی حکومت میں وزیر صنعت و تجارت کی حیثیت سے شامل تھے۔ سہروردی نے انہیں وزیر اعلیٰ کے ساتھ چپقلش کی بنا پر کابینہ سے نکال بھی دیا تھا۔ 1958ء کے مارشل لاء کے بعد مجیب الرحمٰن کافی عرصہ تک نظر بند رہا۔ رہائی کے بعد اس نے محمود ہارون کی انشورنس کمپنی کے لئے بطور انشورنس ایجنٹ کام کرنا شروع کر دیا۔ 1964ء کے صدارتی انتخابات میں مجیب الرحمٰن نے محترمہ فاطمہ جناح کے لئے کام کیا۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ جب 1966ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات پیش کئے تو میں بات چیت کے ذریعہ ان چھ نکات کا قصہ ختم کرنا چاہتا تھا لیکن ایوب خان سنجیدہ نہ تھے بعد ازاں 1970ء کے انتخابات کے بعد مجیب الرحمٰن کی جماعت نے اکثریت حاصل کی تو میں نے اسے مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ بعض عناصر ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور پھر ایسا ہی ہوا لیکن ہم نے مذاکرات کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی۔ مجیب کے نزدیک چھ نکات ہی عوام کا اصل اثاثہ تھے جبکہ میرے نزدیک صرف پاکستان ہی عوام کا اصل اثاثہ تھا اور یہی ہمارا اختلاف تھا۔ ادھر یحییٰ خان غلطی پر غلطی کرتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے 21 مئی کو ان تمام افراد کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا جو ملٹری ایکشن کے دوران بھارت چلے گئے تھے۔ یہ لوگ فوجی

www.bhutto.org

تربیت لے کر تخریب کاروں کے روپ میں واپس آ گئے اور 10 رنومبر کو انہی لوگوں کی مدد سے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ دسمبر کے پہلے ہفتے میں یحییٰ خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ بھٹو کی خطیبانہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ 14 رد سمبر کو بھٹو نے سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے برصغیر میں قیام امن کے لئے پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا:۔

1۔ پاکستان کے علاقے سے بھارتی فوجوں کا مکمل انخلاء

2۔ اس کام کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ کے مبصروں کا تقرر

3۔ جنیوا معاہدے کی پاسداری

4۔ انتقامی کارروائیوں سے اجتناب کی ضمانت

5۔ پاکستان اور بھارت کی فوجوں کی واپسی بیک وقت شروع ہو۔

15 رد سمبر کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں پولینڈ کی طرف سے قرارداد پیش کی گئی۔ بھٹو نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر سلامتی کونسل یہ چاہتی ہے کہ میں ہتھیار پھینکنے کی دستاویز پر دستخط کر دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ روز میرے گیارہ سالہ بیٹے نے کراچی سے مجھے فون کیا اور کہا کہ شکست تسلیم کر کے مت آنا۔ چار دن سے سلامتی کونسل میں صرف اس مقصد کے لئے بحث ہو رہی ہے کہ ہم سقوط ڈھاکہ کو تسلیم کر لیں۔ فرض کریں کہ اگر ڈھاکہ سمیت پورے مشرقی پاکستان پر قبضہ ہو جاتا ہے۔ پورے مغربی پاکستان پر قبضہ ہو جاتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ چین اور فرانس پر بھی تو غیر ملکی قبضہ رہا ہے لیکن آخر کار انہوں نے آزادی حاصل کر لی تھی۔ پولینڈ کے نمائندے نے اپنے ملک کی طرف سے جو قرارداد پیش کی ہے اس پر کافی بحث ہو چکی ہے لیکن میں یہاں اعلان کرتا ہوں کہ ہم بھارت کے آگے ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اقوام متحدہ پاکستان کے خلاف بھارتی جارحیت کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ اقوام متحدہ فراڈ بن گئی ہے۔ یہ ایک فیشن ہاؤس ہے جہاں مکروہ حقائق کو چھپایا جاتا ہے۔ لیکن مکروہ حقائق چھپائے نہیں جا سکتے۔ اس موقع پر بھٹو جذباتی ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ ملک توڑ دو، جہنم میں جائیں تمہاری قراردادیں یہ ایک ڈرامہ ہے اور میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ سلامتی کونسل نے پاکستان کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کیا شاید سلامتی کونسل میں یہ آخری تقریر ہو تب بھٹو اپنی نشست سے کھڑے ہوئے اور انہوں نے پولینڈ کی قرارداد پھاڑ کر اس کے پرزے ہوا میں بکھیر دیئے۔ اس قرارداد میں مطالبہ تھا کہ مشرقی پاکستان

www.bhutto.org

میں اقتدار شیخ مجیب الرحمن کو منتقل کر دیا جائے۔ 72 گھنٹے کے لئے جنگ بند کر دی جائے اور پاکستان مشرقی پاکستان سمیت کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹا لے۔ یہ قرارداد پھاڑنے کے بعد بھٹو سلامتی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے اور چند دنوں میں واپس پاکستان آ گئے۔ منیر احمد منیر کی کتاب ''المیہ مشرقی پاکستان'' میں جنرل گل حسن کا انٹرویو شامل ہے۔ اپنے انٹرویو میں وہ کہتے ہیں کہ 20 دسمبر 1971ء کی دوپہر کو مجھے ایوانِ صدر بلایا گیا جب میں وہاں پہنچا تو ذوالفقار علی بھٹو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یحییٰ خان نے مجھے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا ہے۔ بھٹو چیخنے لگا اور کہنے لگا کہ صورتحال بڑی نازک ہے' پاکستان کو بچاؤ۔ وہ کہنے لگا ایک حصہ چلا گیا ہے دوسرا حصہ تباہی کے دہانے پر ہے اسے بچاؤ۔ جنرل گل حسن نے کہا کہ اگر ان کی شرائط مان لی جائیں تو وہ تعاون کے لئے تیار ہیں۔ ان کی پہلی شرط یہ تھی کہ بھٹو فوراً بھارت جائیں اور اندرا گاندھی سے ملیں اور اسے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ سرحدوں سے فوجیں ہٹا لے۔ تبھی جنگی قیدی بھی رہا ہو سکتے ہیں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ مارشل لاء جلد از جلد اٹھا لیا جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے کوئی نیا رینک نہیں چاہیے مجھے صرف مستحکم فوج چاہیے اگر سرحدوں سے فوجیں ہٹ جائیں اور ہمارے قیدی واپس آ جائیں تو میں سال ڈیڑھ بعد خود ہی استعفیٰ دے دوں گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے چیف آف دی آرمی سٹاف کی یہ شرائط مان لیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جسٹس حمود الرحمن کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا جس کو یہ فرض سونپا گیا کہ وہ المیہ مشرقی پاکستان کی وجوہات اور اس کے ذمہ دار عناصر کے بارے میں تحقیقات کرے۔ اس کمیشن نے فوج کے افسروں' سول افسروں اور سیاستدانوں کے بیانات قلم بند کئے اور رپورٹ تیار کر دی لیکن یہ رپورٹ شائع نہ کی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنی آخری کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں لکھتے ہیں کہ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ پر میری رائے زنی مسلح افواج کی شہرت کو نقصان پہنچا سکتی ہے لیکن میں تمام تر زیادتیوں کے باوجود اس سلسلے میں رائے زنی سے اجتناب کروں گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ تمام سینئر فوجی افسر جنہوں نے حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ کو پڑھا وہ سب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس رپورٹ کو شائع نہ کیا جائے جب بھی میں اس رپورٹ کو شائع کرنے کے لئے کوئی اجلاس بلاتا تو فوج کے سینئر افسران شدت کے ساتھ میرے خیال کی مخالف کرتے تھے' لہٰذا میں نے فوج کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا اور حزب اختلاف سمیت عوام کے دباؤ کے باوجود رپورٹ شائع نہ کی۔ مسلح افواج کی عزت کے تحفظ کے لئے میں نے اپنی ذات پر حملے برداشت کئے لیکن مجھے اس کا صلہ کیا دیا گیا۔ یہ رپورٹ یحییٰ خان اور اس کے ٹولے کی طرف سے موت کے رقص کا انکشاف کرتی ہے۔ کئی سال کے بعد

www.bhutto.org

2/جولائی 1983ء کو روزنامہ جنگ لاہور اور راولپنڈی میں مشرقی پاکستان کے سابق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ریٹائرڈ ٹکا خان کا انٹرویو شائع ہوا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ شائع کرنے کے سلسلے میں پیپلز پارٹی کو کوئی اعتراض نہ تھا لیکن فوج کے وقار کو بچانے کے لئے یہ رپورٹ شائع نہ کی گئی۔ لیکن اب یہ رپورٹ شائع کر دینی چاہیے۔ مارچ 1984ء میں شائع ہونے والی منیر احمد منیر کی کتاب ''المیہ مشرقی پاکستان'' میں سابق میجر راجہ نادر پرویز کا انٹرویو بھی شامل ہے۔ اس انٹرویو میں جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا مشرقی پاکستان میں بعض فوجیوں نے لوٹ مار کی اور عزتیں بھی لوٹیں تو راجہ نادر پرویز نے جواب دیا کہ جس جگہ فوج حملہ کرتی ہے وہاں ایسے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں ہوئی ہوں گی میں ان سے انکار نہیں کرتا۔ 4/اگست 1990ء کے ہفت روزہ ''الفتح'' کراچی' اسلام آباد میں حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ابتدائی رپورٹ سات ماہ میں پیش کی گئی تھی جبکہ حتمی رپورٹ نومبر 1974ء میں مکمل ہوئی تھی۔ حتمی رپورٹ میں 283 گواہوں کے بیانات قلمبند کئے گئے تھے جب بھٹو نے مکمل رپورٹ پڑھ لی تو انہوں نے حکم دیا کہ اس کی کاپیاں تلف کر دی جائیں تاہم انہوں نے اس کی ایک کاپی اپنے پاس محفوظ رکھی۔ یہ رپورٹ 1978ء میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے اپنی تحویل میں لے لی اور اسے بھی جرات نہ ہو سکی کہ اس رپورٹ کو شائع کرے۔ یہ رپورٹ پاک فوج کے افسران کی بداعمالیوں پر مشتمل تھی اور ان افسران کی اکثریت ضیاء الحق کے ساتھ تھی۔ ضیاء الحق کے دور میں تواتر کے ساتھ یہ کہا جاتا رہا کہ ذوالفقار علی بھٹو المیہ مشرقی پاکستان کے ذمہ دار تھے اگر ذوالفقار علی بھٹو اپنے دور حکومت میں حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کے بعض حصوں کو شائع کروا دیتے تو ان پر کوئی یہ الزام لگانے کی ''زحمت'' گوارا نہ کرتا کہ پاکستان ان کے باعث ٹوٹا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے برسر اقتدار آنے کے بعد بعض فوجی افسروں کو اعلیٰ عہدے دیئے تھے لیکن چند سال کے بعد جب رپورٹ مکمل ہوئی تو اس میں مذکورہ فوجی افسران بھی المیہ مشرقی پاکستان کے ذمہ دار قرار دیئے گئے۔ لہٰذا بھٹو نے ان کی طریقے سلیقے سے چھٹی کروا دی۔ کمیشن نے جن جرنیلوں کے عوامی احتساب کی سفارش کی تھی ان میں یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید' جنرل گل حسن' میجر جنرل مٹھا' جنرل پیرزادہ' میجر جنرل عمر' امیر عبداللہ نیازی' بریگیڈیئر محمد حیات اور راؤ فرمان علی شامل ہیں۔ بریگیڈیئر اقبال الرحمن شریف نے کمیشن کو بتایا تھا کہ فوجی یونٹوں کے دورے کے وقت جنرل گل حسن فوجیوں سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ نے کتنے بنگالیوں کو قتل کیا۔ کمیشن کی رپورٹ میں میجر جنرل نذر حسین شاہ' میجر جنرل ایم ایچ انصاری جی او سی 9 ویں ڈویژن اور بریگیڈیئر باقر صدیقی کے حوالے

www.bhutto.org

سے لکھا گیا کہ سات اعلیٰ افسران اور ان کے یونٹ وسیع پیمانے پر لوٹ مار میں مصروف رہے۔ ''الفتح'' کی رپورٹ کے مطابق حمود الرحمٰن کمیشن کے تیار کردہ حقائق امریکہ سمگل ہو چکے ہیں لہٰذا امکان ہے کہ مستقبل قریب میں اس رپورٹ کی مزید تفصیلات منظر عام پر آئیں۔ المیہ مشرقی پاکستان کے پس نظر اور پیش منظر میں ذوالفقار علی بھٹو کا کردار یہ رہا کہ پہلے تو وہ اس المیے کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے رہے اور بعد میں اس المیے کے ذمہ داران کی تلاش میں رہے۔ ذمہ داران کو انہوں نے تلاش کر لیا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ذمہ داران کا تعلق پاکستان کے سب سے منظم، مضبوط اور مسلح سیاسی گروہ سے تھا۔

حمود الرحمان کمیشن کی رپورٹ کو منظر عام پر نہ لانا بھی ذوالفقار علی بھٹو کی ایک بڑی سیاسی غلطی تھی۔ فوجی جرنیلوں نے اُن سے یہ غلطی حب الوطنی کے نام پر کروائی۔ بھٹو صاحب کو اس غلطی کا احساس جیل پہنچ کر ہوا۔ جیل میں انہوں نے جنرل ضیاء الحق کی طرف سے اپنے خلاف پھیلائی گئی کچھ افواہوں کا جواب لکھا۔ یہ جواب 1978ء میں اُن کے وکلاء کے ذریعہ جیل سے سمگل کر کے برطانیہ بھجوایا گیا۔ بھٹو صاحب کی ان تحریروں کو ''افواہ اور حقیقت'' کے نام سے ڈاکٹر صفدر عباسی اور الطاف احمد قریشی نے شائع کیا۔ اس کتاب کے 30 ویں باب میں بھٹو صاحب نے لکھا کہ پچھلے 30 سالوں میں پاکستان فوج کے جرنیلوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ کوئی جنگ جیتنے کے قابل نہیں وہ صرف اپنے ہی لوگوں کو فتح کرنے اور اُنہیں لوٹنے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے لکھا کہ یہ جرنیل مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ بھٹو نے پاکستانی فوج کے جرنیلوں میں پائی جانے والی اقتدار کی ہوس کو ایک نفسیاتی بیماری قرار دیا اور کہا کہ ان کی سنگ دلی کی جڑیں اُس ذلت و خواری میں ہیں جو اُنہیں بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر ملی تھی۔ بھٹو نے بڑے واضح الفاظ میں لکھا کہ۔۔ ''پاکستانی فوج کے جرنیل 90 ہزار جنگی قیدیوں کو بھارت کے ہاتھوں میں جانے سے نہ بچا سکے حالانکہ ان کے پاس توپ و تفنگ تھے دراصل ان جرنیلوں کو صرف شراب نوشی اور عورت بازی سے دلچسپی تھی۔ یہ مردار جرنیل، یہ بدبودار جرنیل ڈھاکہ میں بھارتیوں کے سامنے اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے جبکہ میں کسی توپ و تفنگ کے بغیر اکیلا بھارت گیا اور مذاکرات کے ذریعہ 90 ہزار جنگی قیدیوں کو واپس لایا حالانکہ شیخ مجیب ان کے خلاف جنگی جرائم کا مقدمہ چلانے کا اعلان کر چکا تھا۔'' بھٹو صاحب نے لکھا کہ اُنہیں قتل کرانے کی سازش میں سب سے زیادہ متحرک جنرل راؤ فرمان علی ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے بارے میں شیخ مجیب الرحمان نے بھٹو سے کہا کہ سب جنگی قیدی لے جاؤ لیکن راؤ فرمان علی کو رہا نہ کراؤ کیونکہ یہ جنگی جرائم میں ملوث ہے۔ بھٹو نے انکار کر دیا کیونکہ راؤ فرمان نے پاکستانی فوج کی وردی پہن

www.bhutto.org

رکھی تھی لہٰذا اُنہوں نے اس شخص کو بھی رہا کروایا۔ بھٹو نے جرنیلوں کے بارے میں بڑی سخت زبان استعمال کرتے ہوئے لکھا کہ 1971ء کی ذلت آمیز شکست کے باوجود یہ جرنیل ایک دفعہ پھر شراب نوشی اور عیاشیوں میں مبتلا ہیں، یہ جرنیل اسلام کا نام لیکر شراب میں غوطہ لگاتے ہیں اور پھر بے رحمی سے عورتوں پر جھپٹ پڑتے ہیں وہ مجھے اس لیے قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ میں ملک کے غریب اور پسے ہوئے عوام کی امنگوں کی علامت ہوں اس لیے جرنیل میرا قتل ضروری سمجھتے ہیں۔ بھٹو نے لکھا کہ یہ جرنیل اتنے بدکردار ہیں کہ اپنی بیویوں کو شاپنگ کرانے کے لیے فالکن طیارے استعمال کرتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے اپنی موت کی پیش گوئی کرتے ہوئے لکھا کہ فوجی حکومت اور عدلیہ کے درمیان میرے قتل کا غلیظ معاہدہ ہو چکا ہے۔ بھٹو نے جرنیلوں کے خلاف یہ سخت زبان اسے لیے استعمال کی کہ جنرل ضیاء الحق نے ایک طرف اُن پر قتل کا مقدمہ ڈال دیا، دوسری طرف اُنہیں شرابی اور بدکردار شخص قرار دیا جانے لگا اور تیسری طرف مارشل لاء کے حامی اہل صحافت بھٹو کو سانحہ مشرقی پاکستان کا ذمہ دار قرار دینے لگے حالانکہ بھٹو وہ شخص تھے جنہوں نے 1967ء میں قوم کو اس سانحے کی پیشگی اطلاع دیکر اسے روکنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں بلوچستان کے سابق گورنر میر غوث بخش بزنجو کی آٹو بائیوگرافی میں اہم حقائق شامل ہیں۔ بزنجو نے بھٹو دور میں لمبی قید کاٹی۔ وہ حیدر آباد سازش کیس میں گرفتار ہوئے تھے اور یہ کیس بھی فوج کے خفیہ اداروں کی کارستانی تھی۔ بزنجو صاحب کی یاداشتوں میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 1970ء کے انتخابات میں اکثریت حاصل ہونے کے بعد عوامی لیگ کو اقتدار منتقل کرنا چاہیے تھا لیکن جنرل یحیٰی خان ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ انتخابات 7 دسمبر 1970ء کو منعقد ہوئے اور تین ماہ تک اسمبلی کا اجلاس نہ بلایا گیا۔ 13 فروری 1971ء کو جنرل یحیٰی نے اعلان کیا کہ 3 مارچ کو ڈھاکہ میں اسمبلی کا اجلاس ہوگا۔ میر غوث بخش بزنجو اور عبدالولی خان نے اجلاس میں شرکت کا اعلان کر دیا لیکن کافی دنوں کے بعد 28 فروری 1971ء کو بھٹو نے اعلان کیا وہ ڈھاکہ جانے والے اراکین اسمبلی کی ٹانگیں توڑ دیں گے کیونکہ اس اسمبلی کے اجلاس میں پاکستان توڑنے کا اعلان ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ 13 فروری سے لیکر 28 فروری تک بھٹو کیوں خاموش رہے؟ دراصل فوجی جرنیل پیپلز پارٹی کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ عوامی لیگ پاکستان توڑنا چاہتی ہے اس لئے اسمبلی کے اجلاس میں مت جاؤ۔ یہ وہ موقع تھا جب بزنجو نے شیخ مجیب سے رابطہ کیا اور اُنہیں مذاکرات کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے کی درخواست کی۔ بزنجو اور ولی خان 13 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ پہنچے۔ 14 مارچ کو اُن کی شیخ مجیب سے ملاقات ہوئی۔ بزنجو لکھتے ہیں کہ جب ہم نے شیخ مجیب سے کہا کہ کیا آپ آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں تو شیخ مجیب جذباتی

www.bhutto.org

ہو گئے۔ شیخ مجیب نے کہا کہ تم تو کانگریس کے ساتھ تھے اور پاکستان بنانے کے خلاف تھے ہم تمہیں ہاتھ جوڑ کر کہتے تھے کہ پاکستان کو قبول کرلو اور آج تم مجھے کہہ رہے ہو کہ پاکستان کو نہ توڑو۔ اس موقع پر ولی خان نے مسکراتے ہوئے شیخ مجیب سے کہا کہ پہلے ہم نے تم سے منت سماجت کی کہ پاکستان نہ بناؤ لیکن تم مسلم لیگی نہیں مانے اور پاکستان بنا کر دم لیا اب ہم تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ پاکستان بنالیا ہے تو اسے مت توڑو۔ شیخ مجیب کا مطالبہ یہ تھا کہ اقتدار اُسے منتقل کیا جائے۔ انہوں نے بزنجو اور ولی خان سے کہا کہ جنرل یحییٰ خان اور پنجاب اُنہیں اقتدار نہیں دے گا۔ انہوں نے بھٹو کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ آخر کار شیخ مجیب نے بزنجو اور ولی خان کی درخواست پر جنرل یحییٰ خان اور بھٹو کے ساتھ مذاکرات پر آمادگی ظاہر کردی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ 14 مارچ 1971ء تک پاکستان کو بچانے کیلئے تیار تھے۔ 16 مارچ کو ڈھاکہ میں اُن کے جنرل یحییٰ کے ساتھ مذاکرات شروع ہوئے۔ شیخ مجیب مارشل لاء کے خاتمے اور اقتدار کی منتقلی پر بضد تھے لیکن یحییٰ تیار نہ ہوئے۔ 24 مارچ کو شیخ مجیب نے بزنجو کو بتایا کہ فوج نے ہمارے خلاف کارروائی کا فیصلہ کرلیا ہے اس لئے آپ لوگ ڈھاکہ سے چلے جائیں۔ 25 مارچ کو بزنجو اور ولی خان اپنے مشن کی ناکامی کے بعد واپس کراچی آ گئے اور اسی دن ڈھاکہ میں فوجی آپریشن کا آغاز ہوا جس نے پاکستان کو بچانے کے بجائے توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بھٹو نے اس عظیم المیے سے قوم کو 1967ء میں خبردار کیا لیکن قوم خود کو المیے سے بچا نہ سکی اور بھٹو کی پھانسی کے بعد جرنیلوں نے اس عظیم المیے کی ذمہ داری بھٹو پر ڈال کر خود کو جواب دہی سے بچالیا۔ بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد شیخ مجیب الرحمان کو رہا کردیا جو مغربی پاکستان میں قید تھے۔ بیگم نصرت بھٹو کا کہنا ہے کہ جرنیلوں نے شیخ مجیب کو جیل میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن بھٹو صاحب نے اس منصوبے کو ناکام بنایا۔ بھٹو گرفتار ہو گئے تو انہوں نے ایک دن ملاقات پر بیگم نصرت بھٹو سے کہا کہ جرنیل حمود الرحمان کمیشن کی رپورٹ حاصل کرنے آئیں گے لہٰذا اس رپورٹ کو کہیں مت چھپانا۔ کچھ دن بعد فوجی 70 کلفٹن کراچی آئے اور کمیشن کی رپورٹ نکال کر لے گئے۔ بھٹو نے صرف اور صرف پاکستانی فوج کا وقار بچانے کیلئے یہ رپورٹ شائع نہ کی لیکن جرنیلوں نے اُن کے ساتھ دھوکہ کیا اور اُنہیں حکومت سے نکال کر پاکستان توڑنے کا الزام بھٹو پر لگا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر پاکستانی قوم 1967ء میں بھٹو کی وارننگ پر توجہ دیکر مشرقی پاکستان کا احساس محرومی دور کردیتی تو پاکستان نہ ٹوٹتا۔ اگر بھٹو حمود الرحمان کمیشن کی رپورٹ شائع کر دیتے تو راؤ فرمان علی جیسے جرنیل اُنہیں پھانسی کے تختے پر پہنچانے کے قابل نہ رہتے۔

www.bhutto.org

بھٹو اور افغانستان

میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر کے پاس ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات ہیں۔ بابر صاحب 90 کی دہائی میں اسلام آباد کے سیکٹر ایف ایٹ ون کی سٹریٹ نمبر 33 میں رہتے تھے اور میں بھی اسی علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ چھٹی والے دن میں اکثر بابر صاحب کے پاس چلا جایا کرتا اور بھٹو صاحب کے بارے میں ان کی یادوں کو کریدنے کی کوشش کرتا۔ نصیر اللہ بابر کو قائداعظمؒ اور ذوالفقار علی بھٹو سے گہرا قلبی لگاؤ ہے۔ بابر صاحب بتایا کرتے کہ قائداعظمؒ اور بھٹو صاحب کو پاکستان کے قبائلی علاقوں کی اہمیت کا بہت احساس تھا۔ قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد قبائلی علاقوں سے فوجی چھاؤنیاں ختم کر کے قبائل کو خیر سگالی کا پیغام دیا اور پھر اپنی قبائل نے 1948ء میں مظفر آباد کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ 1972ء میں نصیر اللہ بابر آئی جی فرنٹیئر کور تھے تو بھٹو صدر پاکستان کی حیثیت سے قبائلی علاقوں کے دورے پر آئے اور ان کی بھٹو صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ بابر صاحب کہتے ہیں کہ 1972ء میں چھ قبائلی ایجنسیوں کا بجٹ 44 لاکھ روپے تھا لیکن 1977ء میں یہ بجٹ 30 کروڑ روپے تھا کیونکہ بھٹو صاحب نے قبائلی علاقوں سے کئی ترقیاتی منصوبے شروع کروائے۔ 1973ء تک مہمند اور باجوڑ کے کئی علاقوں میں حکومت پاکستان کی رٹ نہیں تھی۔ یہ علاقے افغانستان کے زیر اثر تھے اور یہاں کبھی کوئی اعلیٰ سیاسی و سرکاری شخصیت بھی نہ پہنچی تھی۔ 1973ء میں بھٹو صاحب نے باجوڑ کے دورے کا فیصلہ کیا تو آئی ایس آئی نے گورنر اسلم خٹک کے ذریعہ بھٹو صاحب کو خبردار کیا کہ ان پر مشین گن فائر ہو سکتا ہے۔ بھٹو صاحب نے ڈرنے کی بجائے باجوڑ کا دورہ مکمل کیا۔ بعدازاں وہ مہمند اور وزیرستان بھی گئے۔ مہمند میں بھٹو صاحب کی آمد پر مقامی قبائل نے توپیں چلا کر جشن منایا۔ بھٹو صاحب چاہتے تھے کہ ان قبائل کو عام پاکستانیوں جیسے حقوق دیئے جائیں تاکہ کوئی انہیں پاکستان کے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ 1977ء

www.bhutto.org

میں قبائل کو صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی دینے کا فیصلہ بھی ہو گیا لیکن مارشل لاء کے باعث یہ فیصلہ فائلوں میں دب گیا۔ نصیر اللہ بابر کہتے ہیں کہ بھٹو صاحب کو صوبہ خیبر پختونخواہ (سابقہ صوبہ سرحد) اور بلوچستان میں افغانستان کے راستے دہشت گردی کا سامنا تھا۔ 1973ء میں انہوں نے اس دہشت گردی کا جواب دینے کیلئے افغانستان کے کچھ باغیوں کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ خورشید جونیجو کی مرتب کردہ کتاب ''یادیں بھٹو کی'' میں نصیر اللہ بابر نے واضح طور پر لکھا ہے کہ 1973ء میں برہان الدین ربانی' گلبدین حکمت یار' احمد شاہ مسعود اور حبیب الرحمٰن سمیت پندرہ افراد پشاور آئے اور مجھے ملے۔ انہوں نے ہم سے مدد مانگی اور پھر بھٹو صاحب کی اجازت سے ہم نے ان کی مدد شروع کی۔ احمد شاہ مسعود کے ایک قریبی ساتھی صالح محمد ریگستانی نے ''احمد شاہ مسعود اور آزادی افغانستان'' کے نام سے شائع ہونیوالی کتاب میں اعتراف کیا ہے کہ احمد شاہ مسعود اپنے ایک دوست جان محمد کے ساتھ پاکستان آئے اور برہان الدین ربانی کے ساتھ آملے جن کے ساتھ حکمت یار بھی موجود تھے۔ صالح محمد ریگستانی کے بقول افغانستان کے مسلمان عسکریت پسندوں کی پاکستان آمد اسلام آباد کی حکومت کیلئے کسی تحفے سے کم نہ تھی اور ذوالفقار علی بھٹو نے افغان عسکریت پسندوں کو خوش آمدید کہا کیونکہ وہ سردار محمد داؤد حکومت کی پاکستان میں مداخلت سے تنگ تھے۔ اسی کتاب میں ریگستانی نے لکھا ہے کہ آئی ایس آئی نے گلبدین حکمت یار کے ذریعہ افغانستان عسکریت پسندوں میں اختلافات پیدا کر دیئے اور ایک موقع پر حکمت یار کے ساتھ مل کر احمد شاہ مسعود کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن مسعود نے حکمت یار اور آئی ایس آئی کے افسر پر پستول تان کر خود کو بچالیا۔ نصیر اللہ بابر ان واقعات کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے خود کئی مرتبہ مسعود اور حکمت یار میں صلح کروائی اور جب افغان باغیوں کی کارروائیاں پنج شیر' کنڑ اور پکتیا سے نکل کر کابل تک پہنچیں تو سردار محمد داؤد مذاکرات پر راضی ہو گیا۔ نصیر اللہ بابر کہتے ہیں کہ بھٹو صاحب کا اصل مقصد ڈیورنڈ لائن کو پاک افغان سرحد تسلیم کرنا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر ڈیورنڈ لائن کو باڈر لائن تسلیم نہ کیا گیا تو پاکستان کے دشمن ہمیشہ افغانستان کو ہمارے خلاف استعمال کرتے رہیں گے۔ اس مقصد کیلئے بھٹو صاحب نے افغان باغیوں کے ذریعہ داؤد پر دباؤ بڑھایا اور یوں جون 1976ء میں داؤد نے بھٹو کو کابل کے دورے کی دعوت دی۔ اگست 1976ء میں داؤد نے پاکستان کا دورہ کیا اور مذاکرات کے دوران ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ داؤد کا مطالبہ تھا کہ ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کرنے کے عوض پاکستان ولی خان اور غوث بخش بزنجو سمیت نیشنل عوامی پارٹی کے دیگر لیڈروں کو رہا کر دے۔ بھٹو صاحب

www.bhutto.org

ان کو رہا کرنے کیلئے تیار تھے لیکن فوج کے جرنیل راضی نہ تھے۔ جب بھٹو حکومت ختم ہوگئی تو فوج کے جرنیلوں نے نا صرف یکطرفہ طور پر نیپ کے لیڈروں کو رہا کر دیا بلکہ سردار داؤد سے ڈیورنڈ لائن کو تسلیم بھی نہ کروا سکے۔ نصیر اللہ بابر کہتے ہیں کہ 1978ء میں جب سردار داؤد کی حکومت ختم ہوئی اور افغانستان میں کمیونسٹ آ گئے تو برہان الدین ربانی' حکمت یار اور احمد شاہ مسعود لاوارث پشاور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بابر صاحب کے بقول انہوں نے شاہ ایران کو ایک خفیہ خط لکھا اور درخواست کی کہ امریکیوں سے کہو کہ پاکستان میں پناہ گزین افغان عسکریت پسندوں کے ذریعہ افغانستان میں روسی فوج کا راستہ روکو۔ بھٹو اور نصیر اللہ بابر نے افغانستان مزاحمت کاروں کو پناہ دیکر صحیح کیا یا غلط؟ اس پر آراء مختلف ہیں لیکن یہ طے ہے کہ بھٹو صاحب نے ان مزاحمت کاروں کی مدد سے سردار داؤد کو ڈیورنڈ لائن تسلیم کرنے پر راضی کر لیا۔ اگر فوجی جرنیل رکاوٹ نہ بنتے تو 1976ء میں پاکستان اور افغانستان ڈیورنڈ لائن کے معاہدے پر دستخط کر دیتے اور آج یہ تنازعہ ختم ہو چکا ہوتا۔ نصیر اللہ بابر کہتے ہیں کہ بھٹو صاحب کو افغانستان میں بھارت کے اثر و رسوخ پر بھی تشویش تھی اور ان کا خیال تھا کہ اگر ڈیورنڈ لائن کے معاہدے پر دستخط ہو جائیں تو پاکستان کی مغربی سرحدیں مکمل طور پر محفوظ ہو جائیں گی۔ بھٹو نے کشمیر کی آزادی کیلئے بھی ایک منصوبہ بنا رکھا تھا۔ اس منصوبے کے تحت انہوں نے 1976ء میں برطانیہ میں مقیم اپنے ایک دوست کے ذریعہ علیحدگی پسند سکھوں سے رابطہ کیا۔ ان سکھوں کو خالصتان تحریک کی مدد کیلئے یقین دہانی کروائی گئی۔ منصوبے کے مطابق نصیر اللہ بابر کو گورنر پنجاب بنا کر لاہور لایا جانا تھا اور لاہور سے خالصتان تحریک کیلئے امداد مہیا کی جانی تھی۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اس طریقے سے بھارت کو کشمیر پر مذاکرات کیلئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ 1977ء میں بھٹو حکومت ختم ہونے کے بعد یہ منصوبہ صحیح طریقے سے آگے نہ بڑھ سکا اور چند سالوں میں ختم ہو گیا۔ نصیر اللہ بابر کہتے ہیں کہ پاکستان کے خلاف کراس بارڈر ٹیررازم بھارت نے شروع کیا۔ پہلے 1971ء میں کلکتہ میں پاکستان مخالف عناصر کو فوجی تربیت دی گئی اور پھر 1973ء میں افغانستان کے راستے دہشت گردی کروائی گئی جس میں پیپلز پارٹی کے رہنما حیات محمد شیر پاؤ کی بم دھماکے میں موت ایک ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے حیات محمد شیر پاؤ کی موت کے بعد ربانی' حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے ذریعہ سردار داؤد کو زیر کر لیا۔ بعد ازاں امریکہ نے اپنی افغان عسکریت پسندوں کے ذریعہ سوویت یونین کو شکست دی لیکن پاکستان اور افغانستان کے درمیان ڈیورنڈ لائن کا تنازعہ آج بھی حل طلب ہے۔

www.bhutto.org

جب پاکستانی فوج نے قندھار پر حملے کی اجازت مانگی!

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک ایسے وقت میں پاکستان کی حکومت سنبھالی جب ملک دولخت ہو چکا تھا اور 90 ہزار پاکستانی بھارت کی قید میں تھے۔ قوم سخت مایوسی کا شکار تھی۔ بھٹو صاحب نے قوم کو مایوسی کے اندھیروں سے نکالنے کیلئے سب سے پہلے ایک متفقہ آئین دیا اور پھر مذاکرات کے ذریعہ 90 ہزار قیدیوں کو رہا کروایا۔ جتنی دیر تک یہ قیدی رہا نہ ہوئے تو پاکستانی فوج کے جرنیل خاموش رہے۔ جیسے ہی قیدی رہا ہو گئے اور پاکستان دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا تو بھٹو نے فوج کو دوبارہ مضبوط کرنے پر توجہ دی۔ ایٹمی پروگرام شروع کر دیا لیکن جرنیلوں نے انہیں بلوچستان میں فوجی آپریشن کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ 1976ء میں نئے آرمی چیف جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کے قریبی ساتھی معراج محمد خان کے خلاف بھٹو کے سامنے گفتگو شروع کر دی کیونکہ وہ بلوچستان میں فوجی آپریشن کے خلاف تھے۔ بلوچستان میں فوج کو آپریشن کی اجازت دینا بھٹو کی ایک غلطی تھی لیکن جب فوج نے علیحدگی پسندوں کے تعاقب کیلئے جنوبی افغانستان کے صوبے قندھار میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تو ذوالفقار علی بھٹو نے انکار کر دیا۔ جنرل ضیاء الحق کا دعویٰ تھا کہ بلوچ عسکریت پسندوں کو قندھار کے راستے اسلحہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا پاکستانی فوج کو قندھار میں گھس کر ان کے اڈے تباہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ بھٹو مسلسل پاکستانی فوج کو قندھار میں گھسنے کی اجازت دینے سے انکار کرتے رہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ سفارتی محاذ پر پاکستانی فوج کی کارروائی کا دفاع بہت مشکل ہو گا۔ ایک دن جنرل ضیاء الحق نے بلوچ عسکریت پسندوں کے خلاف کراچی اور تھرپارکر میں آپریشن کی اجازت مانگی تو بھٹو نے انکار کر دیا کیونکہ انہیں احساس ہو چکا تھا کہ فوجی جرنیل

www.bhutto.org

آپریشن کے نام پر سول انتظامیہ کو مفلوج بنا رہے ہیں۔ ایک دن فوجی کمانڈوز نے کراچی میں میر بلخ شیر مزاری کی رہائش گاہ سے سردار عطاء اللہ مینگل کے صاحبزادے اسداللہ مینگل کو اغواء کرلیا۔ اغواء کے دوران مزاحمت کے باعث اسداللہ مینگل زخمی ہوگئے اور پھر زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہوگئے۔ فوجی کمانڈوز نے انہیں تحقیقات کیلئے اغواء کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسداللہ مینگل مارے گئے لہٰذا انکی لاش کو کراچی اور کوئٹہ کے درمیانی راستے میں کہیں دفن کر دیا گیا۔ وزیراعظم بھٹو نے تحقیقات کروائیں تو پتہ چلا کہ اس واقعے میں جنرل ضیاء الحق' جنرل ارباب جہاں زیب اور جنرل اکبر ملوث تھے لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ یہ خاموشی بھٹو کی بہت بڑی غلطی تھی۔ انہوں نے فوج کو قندھار میں حملے کی اجازت نہ دیکر دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے فوج کو کراچی اور تھرپاکر میں فوجی آپریشن سے روک کر سیاسی فہم و فراست کا ثبوت دیا ورنہ کراچی اور تھرپاکر 1976ء میں جنوبی وزیرستان اور شمالی وزیرستان بن جاتے لیکن اسداللہ مینگل کے قاتلوں کو چھوڑنا ایک ایسی غلطی تھی جس کا خمیازہ نا صرف بھٹو نے بھگتا بلکہ پاکستان آج تک بھگت رہا ہے۔ اگر اسداللہ مینگل کے قتل کے الزام میں جنرل ضیاء الحق پر مقدمہ چلایا جاتا تو جنرل ٹکا خان اپنے ساتھی جرنیلوں کے خلاف گواہی دینے کیلئے تیار تھے۔ اگر جنرل ضیاء کے خلاف کارروائی ہو جاتی تو وہ 5جولائی 1977ء کو بھٹو حکومت کا تختہ نہ اُلٹ سکتا، 4اپریل 1979ء کو بھٹو پھانسی پر نہ چڑھتے۔ سیاست میں فوج کی مداخلت کا راستہ رُک جاتا اور 2006ء میں فوجی جرنیلوں کے ہاتھوں ایک اور بلوچ سیاستدان نواب اکبر بگٹی قتل نہ ہوتے، 2007ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو بھی قتل نہ ہوتیں اور بلوچستان کے حالات مزید نہ بگڑتے۔ ذوالفقار علی بھٹو ایک عظیم سیاستدان تھے۔ عظیم لوگ کبھی کبھی عظیم غلطیاں بھی کرجاتے ہیں اور جنرل ضیاء الحق کو معاف کرنا یا چھوڑ دینا بھٹو کی عظیم غلطی تھی۔ کئی سال کے بعد ایک اور ملٹری ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف پر نواب اکبر بگٹی کے قتل کا الزام لگا لیکن اُس کے خلاف بھی کارروائی نہ ہوئی اور 2008ء میں جنرل پرویز مشرف ایوان صدر میں فوج سے گارڈ آف آنر لیکر بیرون ملک چلا گیا۔ پیپلز پارٹی نے اپنے بانی چیئرمین کی غلطی سے سبق نہیں سیکھا اور قاتل جرنیل کو دوبارہ چھوڑ دیا۔

www.bhutto.org

آخری فتح کشمیری عوام کی ہوگی

جس طرح یہ سلامتی کونسل سے بھاگے ہیں،
جموں وکشمیر سے بھی اسی طرح بھاگیں گے

ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو مسئلہ کشمیر کا ایک اچھا وکیل سمجھتے ہوئے حکومت میں شامل کیا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے مسئلہ کشمیر ہی کے باعث ایوب خان کی حکومت سے استعفیٰ دیا تھا۔ مسئلہ کشمیر پر ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان اختلاف رائے نومبر 1959ء میں سامنے آیا تھا۔ ان دنوں چین نے ریاست جموں وکشمیر کے علاقے لداخ میں بھارتی افواج پر حملہ کیا تو پاکستان کے صدر ایوب خان نے اس سلسلے میں اپنے ایک بیان میں کہا کہ تبت کی سرحد پر رونما ہونے والے واقعات برِصغیر کو فوجی لحاظ سے غیر محفوظ بنا دیں گے لہٰذا بھارت اور پاکستان مل کر چین کی یلغار کا مقابلہ کریں۔ کچھ دنوں بعد ایوب خان نے ایک اور بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ لداخ پر چین کا حملہ بھارت کا مسئلہ ہے۔ انہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو حکومت پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے امریکہ گئے ہوئے تھے۔ بھٹو نے امریکی اخبارات میں ایوب خان کے بیان پڑھے تو وہ سخت حیران ہوئے۔ انہوں نے امریکہ سے ایوب خان اور وزیر خارجہ منظور قادر کو خط لکھا کہ لداخ کشمیر کا حصہ ہے اور ہمارے نزدیک کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ہے تو پھر کشمیر کے ایک علاقے لداخ پر چین کا حملہ بھارت کا معاملہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ ہندوستان یہ کہہ سکتا ہے کہ لداخ پر حملہ ہندوستان پر حملہ ہے۔ اپنے خط میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ ہم اب تک یہ کہتے آئے ہیں کہ جموں وکشمیر کے دفاع کا معاملہ صرف سلامتی کونسل میں زیر بحث آسکتا ہے لیکن

www.bhutto.org

آپ کے بیان کے بعد کہا جائے گا کہ ہم اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایوب خان کے اس بیان پر بھی نکتہ چینی کی کہ بھارت اور پاکستان مل کر دفاع کریں۔ ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کا خط غور سے پڑھا اور فوراً ایک تردیدی بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ لداخ متنازعہ علاقہ ہے۔ اگر ایوب خان یہ بیان جاری نہ کرتے تو پھر پاکستان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ جموں و کشمیر کے بارے میں اپنے موقف سے دستبردار ہو گیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ہمیشہ جموں و کشمیر کے عوام کے حق خودارادیت کی حمایت کی بلکہ اپنی تمام سیاسی زندگی اسی جد وجہد میں گزاری۔ 1961ء میں بھارتی وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ کشمیر میں جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہے۔ بھٹو اس وقت قدرتی وسائل، تعمیرات اور اطلاعات کے وزیر تھے۔ حکومت پاکستان نے انہیں ایک دفعہ پھر مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کے موقف کی وکالت کے لئے غیر ممالک کے دورے پر بھیج دیا۔ بھٹو نے چین، برطانیہ، مصر اور آئرلینڈ میں اپنے موقف کی وضاحت کی۔ 24/جولائی 1963ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ کشمیر ہمیں سابقہ حکومتوں سے ورثے میں ملا ہے۔ پاکستان کی سابقہ حکومتیں کشمیر میں آزادی کی جنگ رکوانے کی ذمہ دار ہیں۔ سابقہ حکومتیں مسئلہ کشمیر پر بھارت کے ساتھ سیز فائر کا معاہدہ کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ سابقہ حکومتوں نے مسئلہ کشمیر کو ٹھیک طریقے سے حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ اب بھارت نے پاکستان کو جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش کی ہے لیکن اس مرحلے پر ایسا کوئی معاہدہ مسئلہ کشمیر کو پھر التواء میں ڈال دے گا۔

ہمیں بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ صرف اس صورت میں کرنا چاہئے اگر مسئلہ کشمیر حل کر دیا جائے۔ 30/جنوری 1964ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ صرف رائے شماری ہی مسئلہ کشمیر کا حل ہے۔ 27/اپریل 1964ء کو نیشنل پریس کلب واشنگٹن میں ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ایسا معاہدہ ہو جس کے تحت کشمیری عوام کو ان کا حق خودارادیت دے دیا جائے..... امریکہ کی یہودی اور ہندو نواز لابی نے ذوالفقار علی بھٹو کے موقف کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ امریکی حکومت کی خواہش تھی کہ پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو بھارت کی مرضی کے مطابق مسئلہ کشمیر حل کر لیں لیکن بھٹو کی طرف سے مسلسل انکار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ اگست 1965ء میں امریکہ نے پاکستان کی امداد بند کر دی۔ ادھر مقبوضہ جموں و کشمیر میں حریت پسندوں کی سرگرمیاں شدت اختیار کرنے لگیں۔ 3/ستمبر 1965ء کو

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو نے ریڈیو پاکستان پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے لوگوں کی مجاہدانہ جدوجہد نوآبادیاتی تسلط کے خلاف ایک مقدس جنگ ہے۔ بھٹو کی ثابت قدمی اور جارحانہ انداز نے پاکستانی قوم سمیت کشمیری حریت پسندوں کے حوصلے بھی بڑھائے۔ چنانچہ اس صورتحال کے بعد 6 ستمبر 1965ء کو دونوں ممالک کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔ 22 ستمبر 1965ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کرلیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا کہ بھارت کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ریاست جموں وکشمیر بھارت کا حصہ ہے۔ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ نہ تو اسوقت کشمیر بھارت کا حصہ ہے اور نہ ہی کبھی پہلے بھارت کا حصہ رہا ہے۔ اگر یہ کسی ملک کا حصہ ہوگا تو وہ پاکستان ہوگا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے سلامتی کونسل میں پیش گوئی کرتے ہوئے کہا کہ آخرکار حق و انصاف کی فتح ہوگی اور ہمارا ایمان ہے کہ جموں وکشمیر کے عوام کو بھی ان کا حق مل کر رہے گا۔ بھارت اپنی خوفناک جنگی طاقت کے ذریعہ کشمیری عوام کے جذبہ حریت کو کچلنا چاہتا ہے لیکن یاد رکھئے! عوام کے عزم اور جذبہ حریت کو کبھی کچلا نہیں جاسکتا۔ اس موقع پر بھٹو نے بھارت کے ساتھ ایک ہزار سال تک جنگ کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ بھارتی مندوب سردار سورن سنگھ نے اجلاس سے واک آؤٹ کردیا تو بھٹو کا تبصرہ یہ تھا کہ بھارتی کتوں نے کشمیر تو نہیں چھوڑا البتہ سلامتی کونسل چھوڑ دی ہے۔ چند روز کے بعد 28 ستمبر 1965ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھٹو کی متاثر کن تقریر نے بھارتی مندوبین کو لاجواب کردیا۔ بھٹو نے کہا کہ موجودہ صدی میں حق خودارادیت کے ذریعہ بہت سے علاقائی تنازعات طے کئے گئے ہیں۔ ناروے' پولینڈ' چیکوسلواکیہ' یوگوسلاویہ وغیرہ کا پہلی جنگ عظیم کے بعد ظہور خودارادیت کے ذریعہ ہوا تھا۔ ''سیلزوگ'' کا ڈنمارک اور ''سار'' کا جرمنی کے ساتھ الحاق بھی حق خودارادیت کے ذریعہ ہوا تھا۔ کسی بھی قوم کا حق خودارادیت اقوام متحدہ نے اپنے منشور میں بھی تسلیم کیا ہے۔ پاکستان اور بھارت نے 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی اقوام متحدہ کی قراردادوں کو بھی تسلیم کیا تھا جن کے مطابق رائے شماری کے ذریعہ مسئلہ کشمیر حل ہونا تھا لیکن نہ تو بھارت نے اقوام متحدہ کی قرارداد پر عمل کیا اور نہ ہی اقوام متحدہ اپنی قرارداد پر عمل کرواسکی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے تجویز پیش کی کہ پاکستان اور بھارت دونوں جموں وکشمیر سے اپنی فوجیں ہٹالیں' اقوام متحدہ اپنی فورس جموں وکشمیر میں بھیج دے جو افریقی' ایشیائی اور لاطینی امریکہ کے ممالک کی فوج پر مشتمل ہو اور اس فوج کی نگرانی میں رائے شماری کروائی جائے۔ 15 اکتوبر 1965ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ ذوالفقار

www.bhutto.org

علی بھٹو نے ایک دفعہ پھر کہا کہ ہم جموں و کشمیر کے عوام کو ان کا حق خود ارادیت دلوانے کے لئے مسلسل جدوجہد کریں گے۔ 25/اکتوبر 1965ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحد کی سکیورٹی کونسل سے دوبارہ خطاب کیا۔ انہوں نے کئی گھنٹوں کی تقریر کی اور بھارت پر تابڑتوڑ حملے کر کے بھارتی مندوبین کو زچ کر دیا اور بھارتی یہاں سے واک آؤٹ کر گئے۔ اس پر بھٹو نے کونسل کے سربراہ اور دیگر اراکین کو مخاطب کرتے ہوئے پیش گوئی کی کہ جس طرح یہ سکیورٹی کونسل سے بھاگے ہیں اسی طرح جموں و کشمیر سے بھی بھاگ جائیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بین الاقوامی سطح پر بھارت کے خلاف رائے عامہ ہموار کر کے اپنا دباؤ بڑھا دیا تھا۔ اس دوران بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری نے روسی حکومت کے ذریعہ ایوب خان کو روس آنے کی دعوت دی۔ دونوں ممالک کے وفد تاشقند پہنچے جہاں کئی روز تک پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر کے تصفیے کے سلسلے میں بات چیت ہوتی رہی۔ 5/جنوری 1966ء کو سردار سورن سنگھ اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان ہونے والی بات چیت کے دوران بھارت نے مطالبہ کیا کہ پاکستان جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر دے۔ لیکن پاکستان کی طرف سے بھٹو نے یہ موقف پیش کیا کہ پہلے بھارت مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف آئے لیکن 10/جنوری 1966ء کو معاہدہ تاشقند پر دستخط ہو گئے اور نا صرف بھارت نے ذوالفقار علی بھٹو کی کوئی شرط نہ مانی بلکہ پاکستانی صدر ایوب خان نے بھی بھٹو کے موقف کی خاطر کوئی دلائل نہ دیئے تاشقند سے واپسی پر عوام جان چکے تھے کہ ایوب خان اور بھٹو میں اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنے صدر کو باور کروا چکے تھے کہ اگر معاہدہ تاشقند مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کا باعث بنا تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ مارچ 1966ء میں راولپنڈی میں سردار سورن سنگھ اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ بھٹو نے ایک دفعہ پھر کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی بات کی لیکن سورن سنگھ اس سلسلے میں کچھ سننے کے لئے تیار نہ تھا لہٰذا مذاکرات کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ اپریل 1966ء میں ذوالفقار علی بھٹو سینٹو کی وزارتی کونسل کی کانفرنس میں شرکت کے لئے ترکی پہنچے۔ کانفرنس کے انعقاد سے قبل بھٹو مختلف ممالک کے نمائندوں سے انفرادی طور پر ملے اور یقین دلایا کہ کشمیری عوام حق پر ہیں لہٰذا ان کی حمائت کی جانی چاہئے۔ بھٹو نے کانفرنس میں ایک قرارداد پیش کر دی جس میں کہا گیا تھا کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کے فیصلے کے مطابق حل ہونا چاہئے۔ امریکہ کی طرف سے اس قرارداد کو منظور ہونے سے رکوانے کی کوشش کی گئی لیکن امریکہ اور بھارت مل کر بھی ذوالفقار علی بھٹو کو شکست نہ دے سکے اور ان کی قرارداد منظور ہو گئی..... ذوالفقار علی بھٹو نا صرف بھارت بلکہ بعض

www.bhutto.org

بڑی طاقتوں کو بین الاقوامی پلیٹ فارموں پر زچ کر رہے تھے جس کے باعث ایوب خان ان سے سخت ناراض ہو چکے تھے۔ بھٹو نے وزیر خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو ایوب خان نے اسے قبول نہ کیا۔ کافی دن تک بھٹو کا استعفیٰ ایوب خان کے پاس پڑا رہا۔ آخر کار ایک دن آل انڈیا ریڈیو نے خبر نشر کی کہ ذوالفقار علی بھٹو نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ چند دن کے بعد 18 رجون 1966ء کو بھٹو نے آل انڈیا ریڈیو کی خبر کی تصدیق کر دی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی سبکدوشی پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلی گراف نے 20 رجون 1966ء کو لکھا کہ دنیا بھر میں مسٹر بھٹو کی علیحدگی امریکی دباؤ کا نتیجہ سمجھی جا رہی ہے۔ سبکدوشی کے بعد بھٹو 22 رجون 1966ء کو ٹرین کے ذریعہ پنڈی سے لاہور پہنچے تو لاکھوں لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ عوام لاہور ریلوے اسٹیشن پر امریکہ اور ایوب خان کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو کو "مجاہد کشمیر" قرار دے رہے تھے۔ حکومت سے نکلنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی سیاست مسئلہ کشمیر کے گرد گھوم رہی تھی۔ تقریباً 16 ماہ تک ایوب خان کے خلاف تحریک میں حصہ لے کر اور عوام سے رابطے کے بعد 30 رنومبر 1967ء کو جب ذوالفقار علی بھٹو نے لاہور میں پاکستان پیپلز پارٹی کی داغ بیل رکھی تو پیپلز پارٹی کے منشور میں جموں و کشمیر کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے شامل کیا۔ پارٹی کے تاسیسی کنونشن میں منظور ہونے والی بنیادی دستاویز نمبر 8 پوری کی پوری مسئلہ کشمیر کے بارے میں تھی۔ بھٹو نے اس دستاویز کو پیش کیا اور اسے منظور کروانے سے قبل مسئلہ کشمیر پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بنیادی دستاویز نمبر 8 میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کے بغیر پاکستان ایسے ہے جیسے سر کے بغیر دھڑ۔ کشمیری عوام گزشتہ 20 سال سے بھارتی تسلط کے خلاف جد وجہد کر رہے ہیں۔ آزادئ کشمیر کی جد وجہد دراصل پاکستان کی خود مختاری کی تکمیل کی جد وجہد ہے۔ دستاویز میں کہا گیا تھا کہ 20 سال گزر جانے کے باوجود یہ جد وجہد بڑھتی چلی جائے گی۔ آخری فتح سے قبل بہت سی قربانیاں دی جائیں گی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ قربانیاں کب تک دی جائیں گی ایک بات واضح ہے کہ آخری فتح کشمیر کے غیور عوام کی ہوگی۔ نومبر 1967ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی کتاب "متھ آف انڈی پینڈینس" لکھ لی تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے ہندوؤں کی نفسیات اور تاریخ کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ بھارت کشمیر پر اپنا قبضہ کیوں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اس کتاب کے تیرہویں باب میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ ہمیں اس بات کو واضح طور پر جان لینا چاہئے کہ کوئی بھی عالمی طاقت اپنی سیاسی حمایت کے ذریعے جموں و کشمیر کو پاکستان کے حوالے نہیں کروا سکتی۔ البتہ ان کی سرگرم مخالفت ہمارے لئے حصول مقصد کو بہت مشکل بنا سکتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں ان

www.bhutto.org

مملکتوں کے ساتھ جو غیر جانبدار ہیں یا ہمارے نقطۂ نظر کی مخالف ہیں ان کے ساتھ اختلافات کم سے کم کرنے ہوں گے۔ اپنی اس کتاب کے اٹھارہویں باب میں بھٹو لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے قومی شعور کے مطابق برِصغیر کو ایک وحدت تصور کیا جاتا ہے۔ خیبر کی پہاڑیوں سے لے کر دور جنوب تک ایک ناقابل تقسیم وحدت، جس میں پاکستان بھی شامل ہے، یعنی موریہ حکومت، سارے شمالی ہندوستان پر بلکہ افغانستان تک اور جنوبی جزیرہ نما کے بعض حصوں تک بھی..... ہندوؤں کے مذہب میں ایسے راجاؤں کی بڑی تعریف کی گئی ہے جو پڑوسی ملکوں پر تسلط جمائیں اور اپنے غلبے کی بحرتا بحرتو سیع کریں۔ بھٹو نے آگے چل کر جواہر لعل نہرو کی کتاب ''ہندوستان کی دریافت'' کا حوالہ دیتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ پڑھے لکھے ہندو بھی روایت پرستی پر مبنی ایسے نظریات کے اسیر ہیں۔ بھٹو نے ایک اور ہندو مصنف وی ڈی ساوا کر کی کتاب ''ہندوستوا'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندو سے مراد ایسا شخص ہے جو دریائے سندھ سے لے کر سمندروں تک پھیلی ہوئی سرزمین بھارت ورش کو اپنا آبائی وطن سمجھے اور اسے اپنی متبرک سرزمین خیال کرے، یعنی اسے اپنے مذہب کا گہوارہ سمجھے، لیکن اب جبکہ مسلمان اپنا علیحدہ وطن بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں تو وہ ہندومت کے لئے بہت بڑا چیلنج بن چکے ہیں۔ بھٹو کے خیال میں ہندوستان کشمیر پر محض اس لئے قابض رہنا چاہتا ہے کیونکہ کشمیر کی وادی پاکستان کے جسم کا خوبصورت سر ہے۔ اس پر قبضے سے ہندوستان کو پاکستان کی معیشت مفلوج کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور ہندوستان کی فوجی بالادستی بھی قائم رہ سکتی ہے۔ بھٹو مزید لکھتے ہیں کہ ہندوستان جموں و کشمیر پر اپنا قبضہ قائم رکھ کر روس اور چین کے ساتھ اپنی مشترکہ سرحدیں برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ اپنی جنگی اہمیت میں اضافے کا طلب گار رہے۔ انیسویں باب میں بھٹو لکھتے ہیں کہ اگر پاکستان کمزور پڑ گیا تو فوری طور پر سب سے زیادہ بدسلوکی کا نشانہ جموں و کشمیر کے مسلمان بنیں گے۔ اگر ہندوستان سے تنازعات طے کئے بغیر تعاون شروع ہوا تو کشمیر کے لوگ قدرتی طور پر یہ سمجھیں گے کہ پاکستان نے انہیں ترک کر دیا ہے اور ان کے لئے ہندوستانی جارحیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا۔ اگر پاکستان نے اپنی قوتِ مزاحمت ختم کر دی تو پھر جموں و کشمیر کے نہتے لوگوں سے کس طرح مزاحمت کی توقع کی جا سکتی ہے؟ پاکستان کے جھک جانے کے بعد ہندوستان سمجھے گا کہ اسے سکم اور بھوٹان کی ہمالیہ میں واقع ریاستوں کو قابو میں لانے کی آزادی حاصل ہو گئی ہے اور نیپال اور سری لنکا پر بھی اپنا دباؤ ڈالے گا۔ برِصغیر کے ایک سرے سے دوسرے تک اپنی قیادت کو مسلط کر کے ہندوستان پھر کوشش کرے گا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے حقِ خودارادیت کی

www.bhutto.org

تحریک کے امکانات کو ختم کر دے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی یہ تمام پیش گوئیاں وقت کے ساتھ ساتھ پوری ہوتی گئی ہیں۔ آج ہندوستان نا صرف جموں و کشمیر بلکہ سری لنکا تک مداخلت کر رہا ہے۔ اپریل 1968ء میں پاکستان کی سیاسی صورتحال کے بارے میں لکھے جانے والے کتابچے میں مسئلہ کشمیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ جب بھی کشمیر پر بھارتی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے تو بھارت بحران پر قابو پانے کے لئے مذاکرات کا جال بچھاتا ہے۔ اس نے 1953ء میں یہی کچھ کیا تھا' جب پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی آڑ میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہی کچھ بھارت نے 1962ء میں چین بھارت تنازعہ کے دوران کیا۔ جب بھی بھارت کو مصیبت پڑتی ہے وہ پاکستان کو فضول مذاکرات میں الجھا کر بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اسے مہلت مل جاتی ہے کہ وہ اپنی پوزیشن مضبوط کرے اور معاملات کو اپنے ڈھب پر لے آئے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو بھارت اپنا عمومی موقف اختیار کر لیتا ہے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اس سلسلے میں بات چیت کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ذوالفقار علی بھٹو حکومت سے باہر ہونے کے باوجود مسئلہ کشمیر کو زندہ رکھے ہوئے تھے جبکہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں بھی حریت پسندوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ دسمبر 1968ء میں کشمیری حریت پسند رہنما مقبول احمد بٹ سرینگر جیل میں سے سرنگ کھود کر فرار ہوئے اور 16 دن کے سفر کے بعد آزاد کشمیر پہنچ گئے لیکن انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مقبول احمد بٹ کی گرفتاری پر احتجاج کیا۔ بعض حلقے الزام لگا رہے تھے کہ مقبول احمد بٹ بھارتی ایجنٹ ہیں اور اس سلسلے میں صدر ایوب کو مختلف طریقوں سے باور کروایا جا رہا تھا کہ مقبول احمد بٹ پاکستان کے دشمن ہیں۔ 22/ مارچ 1969ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے 70 کلفٹن سے جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کے سیکرٹری امان اللہ خان کے نام خط لکھا جس میں کہا کہ مقبول احمد بٹ جیسے محب وطن شخص کے ساتھ حکومت پاکستان کی ناانصافی سے میں آگاہ ہوں اور لاہور کے ایک جلسے میں اس کے خلاف احتجاج کر چکا ہوں۔ یہ اس غیر عوامی حکومت کا شرمناک اقدام ہے جو مسئلہ کشمیر کو کمزور کر رہی ہے تاہم مجھے یقین ہے کہ مستقبل قریب میں اس تنازعہ کو صحیح طور پر دوبارہ اٹھایا جا سکے گا اور جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ انصاف ہوگا۔

1970ء کے انتخابات کے سلسلے میں اپنی مہم کے دوران مختلف جلسوں میں ذوالفقار علی بھٹو نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں انکشافات کئے۔ گیارہ جنوری 1970ء کو لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسے میں انہوں نے انکشاف کیا کہ جب 1962ء میں چین اور بھارت کے درمیان لڑائی شروع ہوئی تو ہم کشمیر کو

www.bhutto.org

آزاد کروا سکتے تھے کیونکہ بھارت اپنی تمام فوجیں کشمیر سے نکال چکا تھا۔ جب میں نے صدر کو مشورہ دیا کہ ہمیں کچھ کرنا چاہئے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس صورتحال سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔ بھٹو نے اس جلسے میں کہا کہ 1965ء کی جنگ میں ساری دنیا نے پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔ بھارت کے وزیراعظم کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ ہمارا ملک اکیلا رہ گیا ہے۔ صرف ملائشیا اور یوگوسلاویہ بھارت کے ساتھ تھے۔ میں ان دنوں وزیر خارجہ تھا لیکن ایوب خان مجھے سلامتی کونسل میں بھیجنے کے لئے تیار نہ تھے لہٰذا میرے دوست ایس ایم ظفر کو سلامتی کونسل میں بھیجا گیا لیکن انہوں نے نیویارک پہنچ کر ٹیلی فون کیا کہ یہاں بھٹو کو بھیجو۔ حالات خراب ہیں۔ میں ناواقف ہوں۔ بھٹو حالات کو بہتر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مجھے بھیجا گیا۔ جیسے ہی میں راولپنڈی سے روانہ ہوا تو ریڈیو پر میری روانگی کا اعلان کر دیا گیا کہ میں نیویارک جانے کے لئے کراچی کی طرف روانہ ہو گیا ہوں۔ میرے طیارے کے پائلٹ نے ریڈیو کے اس اعلان پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ بھارتی طیارے ہمارے پیچھے لگ سکتے ہیں تا کہ مجھے ختم کر سکیں۔ لہٰذا ہمیں اپنا طیارہ ٹیڑھے میڑھے راستوں سے لے جانا پڑا۔ جب میں نیویارک پہنچا تو امریکی اخبارات نے لکھا کہ ایوب خان نے تو امریکی سفیر کو یقین دلایا تھا کہ وہ سلامتی کونسل میں بھٹو کو نہیں بھیجے گا پھر یہ کیسے آ گیا..... 8/ مارچ 1970ء کو موچی دروازے لاہور میں بھٹو نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے دوران سلامتی کونسل میں بھارتی وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ نے امریکی نمائندے سے کہا تھا کہ جب تک بھٹو پاکستان کا وزیر خارجہ ہے' اس وقت تک پاکستان اور بھارت کے تعلقات ٹھیک نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مسئلہ کشمیر حل ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ اگر میں مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ میں رکاوٹ ہوں تو میں خودکشی کر لیتا ہوں' ہٹ جاتا ہوں۔ تم اس مسئلے کو حل تو کرو۔ میں تو ہٹ گیا لیکن مسئلہ کشمیر ابھی تک حل طلب ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے انکشاف کیا کہ جب یکم ستمبر 1965ء کو بھارتی فوجوں نے پاکستان کے خلاف اپنی جارحیت شروع کی تو ایوب خان سوات میں گالف کھیل رہا تھا۔ میں راولپنڈی سے بذریعہ طیارہ رسالپور گیا' وہاں سے ٹیکسی لے کر مردان پہنچا وہاں سے ایک اور ٹیکسی لے کر سوات پہنچا۔ سوات پہنچ کر پتہ چلا کہ صدر صاحب گالف کھیل رہے ہیں۔ میں نے صدر صاحب کو ہندوستان کی جارحانہ کارروائیوں سے آگاہ کیا۔ صدر صاحب نے کہا کہ ہاں کل موسیٰ میرے پاس آیا تھا میں نے اسے ہدایات دی ہیں۔ آپ اس سے بات کریں۔ میں نے جواب دیا کہ صدر صاحب وہ نکما آدمی ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں۔ میں نے ایوب خان سے کہا کہ اگر ہم نے بھارتی حملوں کا جواب نہ دیا تو وہ آزاد کشمیر پر قبضہ کر لیں گے اور

www.bhutto.org

پھر پاکستان کی باری ہوگی لہٰذا ہمیں جوابی کارروائی کرنی ہوگی۔ چنانچہ ایوب خان نے مجھے کہا تم جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ وہ جوابی کارروائی کرے۔ میں نے راولپنڈی پہنچ کر موسیٰ خان کو صدر کا پیغام دیا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں صدر سے خود بات کروں گا۔ بہر حال ہماری بہادر افواج نے جوابی کارروائی شروع کی اور اکھنور سے صرف چار میل دور رہ گئیں۔ میں نے اس محاذ کے کمانڈر یحییٰ خان سے کہا کہ ہمیں اکھنور پر ضرور قبضہ کر لینا چاہئے کیونکہ اس طرح جموں کو کاٹ کر چھ ڈویژن ہندوستانی فوج کو تباہ کیا جا سکتا ہے لیکن عین موقع پر ایوب خان نے حکم دیا کہ فوجیں واپس کرو اور لاہور سیالکوٹ کی سرحدوں کی حفاظت کرو جبکہ یحییٰ خان کا خیال تھا کہ جب تک بھارتی فوجیں لاہور اور سیالکوٹ کے محاذ پر پہنچیں گی ہم اکھنور پر قبضہ کر لیں گے لیکن ایوب خان نہ مانے۔ جنگ کے دوران میں موسیٰ خان کے پاس گیا تو وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور مجھے کہنے لگا کہاں ہے چین؟ کہاں ہے چین؟ اسے بلاؤ..... میں نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنی پتلون خراب نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بعد میں موسیٰ نے ایوب خان کو شکائت لگائی کہ وزیر خارجہ مجھے کہتا ہے کہ اپنی پتلون خراب نہ کرو۔ بہر حال میں نے اسی روز چینی سفیر کو بلایا اور مدد مانگی اور اس کے بعد چین نے بھارت کو الٹی میٹم دے دیا۔ اس الٹی میٹم سے ہندوستان کے ساتھ ساتھ امریکہ اور برطانیہ بھی کانپ اٹھے۔ امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں نے ایوب خان سے کہا کہ اگر چین نے پاک بھارت جنگ میں مداخلت کی تو ایٹمی جنگ چھڑ جائے گی۔ میں نے کہا ایٹمی جنگ تو ابھی ویت نام میں شروع نہیں ہوئی ویسے بھی ہم سیٹو اور سینٹو کے رکن ہیں کیا آپ ہم پر ایٹم بم پھینکیں گے لیکن ایوب خان گھبرا گئے اور مجھے کہا کہ چین سے کہو کہ اپنا الٹی میٹم واپس لے۔ بھٹو نے اپنی تقریر میں یہ انکشاف بھی کیا کہ جب وہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے نیویارک پہنچے تو وہاں مقیم پاکستانی سفیر امجد علی سمیت اقوام متحدہ میں پاکستان مندوب آغا شاہی کا موقف تھا کہ میں سلامتی کونسل میں تقریر نہ کروں لیکن میں نے تقریر کی اور دنیا بھر کو پاکستان کے عوام کی آواز پہنچائی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 1970ء میں اپنی انتخابی مہم کے دوران کئی بار پیش گوئی کی کہ پاکستانی حکومتوں کی نااہلی کے باوجود کشمیری عوام کی جدوجہد جاری رہے گی اور ایک دن وہ آزادی حاصل کریں گے۔ 15/مارچ 1972ء کو ٹائمز آف انڈیا میں ذوالفقار علی بھٹو کا انٹرویو شائع ہوا۔ یہ انٹرویو دلیپ مکرجی نے لیا تھا۔ اس انٹرویو میں بھٹو نے کہا تھا کہ کسی بھی قوم کے حق خودارادیت کی جدوجہد کو کوئی بیرونی طاقت نہیں چلا سکتی اور نہ ہی انقلاب کو درآمد کیا جا سکتا ہے۔ بھٹو نے اس انٹرویو میں پھر پیش گوئی کی کہ کشمیری عوام اپنے حقوق کے لئے خود اٹھیں گے کیونکہ صرف بیرونی

www.bhutto.org

حمائت ان کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کی افواج کے سربراہ گل حسن سے ملے کردہ بعض شرائط کے تحت اقتدار میں آئے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ بھٹو اقتدار میں آنے کے بعد اندرا گاندھی سے ملیں گے اور پاکستان کے جنگی قیدیوں کو رہا کروائیں گے۔ بھٹو خود بھی جنگی قیدیوں کی رہائی چاہتے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے شملہ معاہدے کے لئے راہ ہموار کی۔ 3/ جولائی 1972ء کو شملہ معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت 17/دسمبر 1971ء کی سیز فائر لائن تسلیم کی گئی اور بھارتی فوجیں مغربی پاکستان کے علاقوں سے نکل گئیں۔ بعدازاں جنگی قیدی بھی رہا ہو گئے۔ جب اندرا گاندھی کو محسوس ہوا کہ بھٹو نے شملہ معاہدے کے ذریعہ بہت فائدہ اٹھالیا ہے تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ بھارت نے کچھ عرصہ بعد شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو اپنا اندرونی معاملہ قرار دینا شروع کر دیا۔ اپریل 1973ء کے فارن افیئرز (کوارٹرلی) میں بھٹو کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا کہ شملہ معاہدے میں مسئلہ کشمیر کی متنازعہ حیثیت تسلیم کی گئی تھی لیکن بھارت اسے اپنا اندرونی معاملہ قرار دے کر شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اپنے اس مضمون میں بھٹو نے لکھا کہ اگر کشمیریوں کو صرف اور صرف حق خودارادیت دے دیا جائے تو پاکستان سمیت اقوام متحدہ اور جموں و کشمیر کے عوام کو یہ قبول ہوگا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کچھ عرصہ تک بھارت کی طرف سے مثبت ردعمل کا انتظار کیا لیکن جب وہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے 27/فروری 1975ء کو کشمیری عوام کے ساتھ یکجہتی کے لئے نا صرف پورے پاکستان میں بلکہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں بھی ہڑتال کی اپیل کی۔ بھٹو کی اپیل پر ایک زبردست ہڑتال ہوئی جس نے بھارت سمیت تمام دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ بعدازاں انہوں نے ریڈیو مظفر آباد آزاد کشمیر سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری بھائیوں کا حق خودارادیت پاکستانیوں کے یقینِ محکم کا حصہ ہے اور ہم اس سے کبھی انحراف نہیں کر سکتے۔ ذوالفقار علی بھٹو مقبوضہ جموں و کشمیر میں بہت مقبول ہو چکے تھے۔ سری نگر کے بعض چوراہوں میں ان کے مجسمے نصب کر دئے گئے تھے اور جب 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں گرفتار کر لیا گیا تو مقبوضہ جموں و کشمیر میں غلام سرور کی سربراہی کمیٹی میں ''بھٹو رہائی کمیٹی'' بنائی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد اس کمیٹی کو ''بھٹو میموریل کمیٹی'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد سری نگر سمیت دیگر مقبوضہ علاقوں میں کشمیری عوام نے احتجاجی مظاہرے کئے اور جماعت اسلامی کے متعدد دفاتر نذر آتش کر دئے۔ موت سے قبل لکھی جانے والی اپنی آخری کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں بھٹو نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جنرل ضیاء الحق

www.bhutto.org

کی حکمتِ عملی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ اگر ضیاالحق بھارت کی من مانیوں پر خاموش رہے تو پھر یہ مسئلہ کسی "رقص" کے ذریعہ حل نہیں ہوگا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں مسئلہ کشمیر سرد خانے میں پڑا رہا لیکن کشمیری رہنما مقبول بٹ کی شہادت کے بعد کشمیریوں میں تحریک آزادی نے ایک نئی انگڑائی لی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے پہلے دور حکومت اور پھر دوسرے دور حکومت میں مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر بھرپور انداز میں اُجاگر کیا۔ پچھلے بیس سالوں میں کشمیریوں نے جتنی قربانیاں دی ہیں وہ ایک مثال ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے الفاظ آہستہ آہستہ حقیقت بن رہے ہیں۔ کشمیری عوام آہستہ آہستہ قربانیوں کی نئی داستانیں رقم کرتے ہوئے آخری فتح کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ آج اُنکی تحریک پاکستان کی مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس تحریک کی شمع کو اپنے خون سے جلا رکھا ہے۔ کشمیری جب بھی آزادی حاصل کریں گے تو بھٹو کو نہیں بھولیں گے جنہوں نے فروری 1975ء میں کشمیریوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کیلئے ملک گیر ہڑتال کی روائت کا آغاز کیا۔ 25 اکتوبر 1965ء کو بھٹو صاحب نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کہا تھا کہ ہم بھارت کو کشمیریوں پر ظلم جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے اور کشمیری عوام کے ساتھ اپنے وعدوں کا پاس کریں گے۔ کئی سال کے بعد کشمیری لیڈر مقبول بٹ نے لاہور میں بھٹو کو اُنکی سلامتی کونسل میں تقریریں یاد کرائیں تو بھٹو نے کہا کہ بٹ صاحب مجھے اپنا ایک ایک لفظ یاد ہے میں پاکستان کی خاطر اور کشمیریوں کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دوں گا اور انشاءاللہ آپکو آزادی ضرور ملے گی۔ بھٹو اور مقبول بٹ اپنے نظریات کی خاطر پھانسی کے پھندے پر جھول گئے۔ یقیناً انکی قربانیاں رائیگاں نہ جائیں گی۔ ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہوگا۔

www.bhutto.org

تیسری عالمی جنگ اور مشرق وسطیٰ
میں تباہی کو آتا دیکھ رہا ہوں

ذوالفقار علی بھٹو نے جب اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی شروع کی تو انہیں بڑی طاقتوں کے مفادات کی سرد جنگ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وزارت خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ کے بعد انہوں نے متعدد مرتبہ یہ کہا کہ پاکستان کو روس اور امریکہ کے مفادات کی جنگ میں فریق بننے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ اس جنگ کی آگ برصغیر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ ''متھ آف انڈی پینڈینس'' کے دوسرے باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ اور روس کے درمیان مشرق وسطیٰ میں اجارہ داری کے مسئلے پر کشیدگی جاری رہے گی اور کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ بنے گی۔ ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں.....

ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین کے متناقض مفادات یورپ تک محدود نہیں۔ اہمیت کے اعتبار سے مشرق وسطیٰ کی حیثیت ثانوی ہے۔ یورپ کی طرح وہاں بھی ریاست ہائے متحدہ کی رقابت چین سے نہیں سوویت یونین سے ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لئے تیل کی دولت والا مشرق وسطیٰ' نہر سویز اور مسئلہ اسرائیل تائیوان کے مستقبل سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ قومی اغراض اور سیاسی تدبر دو اعتبار سے مشرق وسطیٰ' جو افریقہ' ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک چوراہے کی حیثیت رکھتا ہے' امریکہ کے عالمی مقاصد میں مشرق بعید پر فوقیت رکھتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ریاست ہائے متحدہ نے اس خطے میں برطانیہ اور فرانس کی جگہ سنبھال لی ہے۔ خلیج فارس کے گرد کا علاقہ دنیا بھر کے پٹرول کا 27 فیصد حصہ پیدا کرتا ہے' اور اس میں دنیا بھر کے پٹرول کے تصدیق شدہ ذخائر کا ساٹھ فیصد موجود ہے۔ امریکی کمپنیوں کا اس علاقے میں دو سو پچاس ڈالر کا مجموعی سرمایہ لگا ہوا ہے۔ اس قسم کے امریکی مفاد کی نظیر

www.bhutto.org

جنوب مشرقی ایشیا میں کہیں نہیں ہے۔ دوسری طرف سوویت یونین نے اس خطے میں اسرائیل کے خلاف عربوں کے مقصد کی حمایت کر کے اور' اسوان بند کی تعمیر میں ڈرامائی طور پر شریک ہونے کے بعد عرب ریاستوں کو مسلسل بڑی مقدار میں اقتصادی اور فوجی امداد دے کر اپنے اثر ورسوخ میں متواتر اضافہ کیا ہے۔

مشرق وسطی میں سوویت یونین اور ریاست ہائے متحدہ کی بہت بڑی بازی لگی ہوئی ہے' جو اہمیت کے اعتبار سے ان کے یورپی مفادات دوسرے درجہ پر ہے۔ جہاں تک ریاست ہائے متحدہ کا تعلق ہے اسرائیل ایک بین الاقوامی تشویش کا موضوع بھی ہے' اور ایک بے حد اہم داخلی مسئلہ بھی۔ اس خطے میں امریکی مفادات اتنے بڑے ہیں کہ روس نے ہر چند کہ اس کے مفادات بھی قابل لحاظ ہیں' اپنے اس موقف میں جو اس نے مشرق وسطی کے بحران کے آغاز میں اختیار کیا تھا اس خوف سے ترمیم کر لی کہ امریکہ اپنے مفادات کی ہر قیمت پر حفاظت کرے گا۔ جون 1967ء کی مخصوص جنگ میں امریکہ کی وقتی کامیابیوں کے باوجود روس اور امریکہ یورپ کی طرح مشرق وسطی میں بھی فوقیت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ سوویت یونین کو مشرق وسطی کے حالیہ تنازعہ میں پریشانی اٹھانی پڑی۔ اسے جو ناکامی ہوئی اس کا مداوا ضروری تھا..... لہٰذا وزیراعظم کوسیجن کا بعجلت جنرل اسمبلی کا رخ کرنا' صدر پوڈ گورنی کا قاہرہ' دمشق اور بغداد کے جلدی سے دورے کرنا' اور عرب ریاستوں کے جنگی ساز وسامان کا نقصان فوراً پورا کرنا' یہ سارے اقدامات سوویت یونین کی ان مصمم کوششوں کا حصہ تھے جو اس نے صرف عرب ریاستوں میں بلکہ تمام دنیا میں اپنا وقار بحال کرنے کے لئے کیں۔

یہ بات دعوے کے طور پر وثوق سے کہنا کہ ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین کی یورپ میں موجودہ باہمی' تفہیم اور مشرق وسطی میں روسی موقف کی ناکامی کی وجہ سے اب دونوں عالمی طاقتوں کے درمیان کشیدگی کی تخفیف بین الاقوامی زندگی کی ایک مستقل سیاسی حقیقت بن گئی ہے' ایک خطرناک قسم کی سیدھی سادھی توضیح ہے۔ اگر سوویت یونین اس قسم کا سمجھوتہ چاہے بھی تو بھی بین الاقوامی صورتحال کے تضادات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کتاب میں بھٹو مزید لکھتے ہیں کہ.....

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوامی جمہوریہ چین سے کوئی علاقائی تنازعات نہیں ہیں' جبکہ سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان علاقائی اختلافات موجود ہیں۔ ایک اور اہم بات جو موجودہ عالمی طاقتوں کی حیثیتوں پر اثر انداز ہو رہی ہے وہ یہ کڑی حقیقت ہے کہ حربی نقطۂ نظر سے اور صنعتی

www.bhutto.org

اور تکنیکی ترقی کے حوالے سے ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین ہی وہ دو بڑی طاقتیں ہیں جو ہم پلہ ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں نے اتنی خوفناک حربی قوت حاصل کر لی ہے کہ دونوں نہ صرف ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر سکتی ہیں بلکہ اپنے ساتھ باقی دنیا کو بھی ڈبو سکتی ہیں۔ چین نے ابھی تک اس درجہ کی جنرل صلاحیت حاصل نہیں کی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین کے مابین ''توازن دہشت'' (بیلنس آف ٹیرر) نے چین کو ایک ایسی حیثیت عطا کر دی ہے کہ وہ اس کا پلہ ایک یا دوسری طرف جھکا سکتا ہے۔ اگر چین ریاست ہائے متحدہ کے ہاتھوں تباہ ہو جائے تو ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو سوویت یونین کی سلامتی کو مخدوش کر دے گا۔ اس وجہ سے چین کے ساتھ سوویت یونین کے اختلافات کے باوجود' یہ بات سوویت یونین کے بنیادی قومی مفاد میں نہیں کہ وہ چین کے ساتھ اپنے تنازعات کو آخری انجام تک پہنچا دے۔ اسی طرح یورپ اور مشرق وسطیٰ میں روس کے ساتھ مصلحت پسندی اور چین کے ساتھ عناد کے باوجود یہ بات امریکہ کے قومی مفاد میں ہرگز نہیں ہے کہ وہ چین کے خلاف اپنی جدوجہد کو اس حد تک پہنچا دے جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ اس لئے یہ امر قابلِ فہم ہے کہ ان نہایت صریح اور بظاہر ناقابل مصالحت اختلافات کے باوجود جو امریکہ اور چین کے درمیاں ہیں اور مشرقِ وسطیٰ کے ان تمام حالیہ واقعات کے باوجود جن سے روسی امریکی کشیدگی میں تخفیف کا اظہار ہوتا ہے ایسی صورت پھر بھی رونما ہو سکتی ہے جس میں چین اور امریکہ اپنے درمیان موجود رکاوٹوں کو پھلانگ جائیں اور کسی ایسے عملی سمجھوتے تک پہنچ جائیں جو سوویت یونین کے ناموافق ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ امکان یہ بھی ہے کہ حالات اس خلیج پر پُل باندھ ڈالیں جس نے چین اور سوویت یونین کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے اور انہیں اینگلو امریکی طاقتوں کے خلاف متحد ہونے پر ان ہزیمتوں کے مدنظر مجبور کر دیں جن سے ان کا سامنا دوسری افرو ایشیائی کانفرنس نہ کر پانے کے واقعے سے لے کر مشرقِ وسطیٰ کی ابتری تک رہا ہے۔ یہ ناکامیاں اس اثر کی وجہ سے جو دیت نام کی طرف سے چین سوویت مفادات پر پڑ رہا ہے اور بھی سنگین ہو گئی ہیں۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ....

قوت کے مراکز کے بدل جانے اور مشرق و مغرب کی نظریاتی کشمکش کے جزوی طور پر شمالی جنوب کی باہمی تقطیب سے مغلوب ہونے کی وجہ سے' جو امیر اور غریب اقوام کے درمیان ہولناک عدم توازن کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے' بین الاقوامی سماجی حالت ایک متغیر کیفیت میں ہے۔ گزشتہ عشرے کی شدید تقطیب کی جگہ اب مرکزی قوت کی تفویض کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ اس تغیر کی رفتار ہمارے تصور سے کہیں زیادہ ہے

www.bhutto.org

اور تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ ہر جگہ عظیم تر تغیرات رونما ہو رہے ہیں اور ان میں سے عظیم ترین تغیرات کی جائے وقوع ایشیا ہے۔ ایسی سیال صورتحال میں بین الاقوامی واقعات کے آئندہ رُخ کے مطابق کوئی غیر عقلی اندازے قائم کرنا مہلک ہوگا۔ فی الوقت امریکہ چین کے ساتھ ایک ایسی مخاصمانہ کشمکش کی حالت میں ہے جو جنگ سے کچھ ہی کم ہے۔ اس قسم کی حالت ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ موجودہ رجحانات سے جو تصادم کی طرف اشارہ کرتے ہیں' اندازہ لگاتے ہوئے واقعاتی ہوا کے رُخ میں تبدیلی دُور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ بین الاقوامی سیاست کے متعلق ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا قانون نہیں جو اس قسم کے تغیر و تبدل کو خلاف قاعدہ قرار دے' جو معروضی اغراض کے باہمی عمل سے پیدا ہوتا ہے۔

اب اکثر لوگوں کو اس بات پر یقین ہوتا جارہا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین سرد جنگ کے خطرناک مرحلے کو ختم کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی چیز کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ تقابل کی حالت میں تخفیف زیادہ سخت مسائل کو تیزی سے سامنے لے آئے گی اور دنیا کے مختلف حصوں میں مسلح تصادمات کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ سرد جنگ قریباً بیس سال سے زیادہ عرصے سے اس لئے جاری ہے کہ ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین نے جنگ کو اپنے تنازعات حل کرنے کے ایک طریقے کے طور پر ضمناً مسترد کر دیا ہے۔ دنیا سرد جنگ کے روایتی طریقے اور اس کی کوتاہیوں سے بخوبی واقف ہو چکی ہے۔ لوگ اب اس علم کی بنا پر اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ یہ سرد جنگ یکا یک گرما کر کھلی جارحیت کے دھماکے کی صورت اختیار نہیں کرے گی۔ سرد جنگ میں تخفیف بعض ایک صورتوں میں واقع خطرناک حالات میں پیدا کر سکتی ہے۔ اس طرح پیدا ہونے والے خلاء میں کوئی ایسی بڑی طاقت داخل ہو سکتی ہے جو استحصال کے خاتمے کے لئے جنگ کو وسیلہ بنانے میں جدید طرز حرب کے نتائج سے نہ ڈرتی ہو۔ اس بات کی روک تھام کے لئے مسلمہ بڑی طاقتیں جو جنگ سے بیزار ہو چکی ہیں' شاید ایسے سمجھوتوں پر راضی ہو جائیں اور ایسی اصلاحی تدابیر کی اجازت دے دیں جن کا نتیجہ نہ تو نامنصفانہ "حالتِ موجودہ" کو قائم رکھنے کی صورت میں اور نہ حقیقی مفادات سے دست بردار ہونے کی صورت میں نمودار ہو۔ لیکن جس وقت تک قومیں ایک دوسرے کے استحصال کرتی رہیں گی۔ جب تک آمریت موجود اور شہری آزادیاں ساقط ہیں' جب تک عوام کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے اور غریبوں کو لوٹا جاتا ہے' تب تک سرد جنگ رہے گی اور شاید آخر کار بڑی طاقتوں کے درمیان دو نظریوں کی بنا پر حقیقی جنگ بھی بن جائے۔ مظلوم قومیں کبھی کسی نجات دہندہ کی تلاش ترک نہیں کریں گی اور اگر انہیں اس ذمہ داری کو قبول کرنے والا کوئی نہ ملا تو محکوم لوگ خود اپنے آپ کو نجات دلائیں گے

www.bhutto.org

اور ایک ایسا منصفانہ مساواتی نظام حاصل کرلیں گے' جو جبر و تسلط' غربت و افلاس اور ظلم و استحصال سے پاک ہو گا۔ بالآخر مگر سرد جنگ کی جانی پہچانی پرچھائیں کے تحت زندگی بسر کرنا نسلی جنگ کی مہیب بلا کا سامنا کرنے سے' جس کی طرف ہم قدم بہ قدم بڑھتے دکھائی دے رہے ہیں' کہیں بہتر ہے۔

ایک وقت تھا جب سوویت یونین اور ریاست ہائے متحدہ دنیا میں ایک دوسرے کے سب سے بڑے حریف تھے۔ دس سال پہلے تک شاید ہی کوئی شخص ان کے موجودہ تعلقات کے متعلق پیش بینی کر سکتا تھا۔ اسی طرح اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک وقت آئے گا جب ریاست ہائے متحدہ اور چین کو بقائے باہمی کا کوئی طریقہ نکالنا پڑے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس سے دنیا کی یا کم از کم ایشیا کی تباہی قریب تر آ جائے گی۔ دنیا میں مستقل دشمن کوئی نہیں ہوتے۔ امریکہ اور چین کی موجودہ مخاصمت کو ایک نہ ایک دن ہوش مندی کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ بیسویں صدی کے چوتھے عشرے کے وسط سے پانچویں عشرے کے وسط تک نازی فسطائیت خلفشار کا سبب رہی۔ پانچویں عشرے کے درمیانی حصے سے چھٹے عشرہ کے درمیان تک سوویت یونین اور ریاست ہائے متحدہ سرد جنگ میں گھتے ہوئے تھے۔ چھٹے عشرے کے وسط سے ہم نے امریکہ اور چین کے درمیان بڑھتی ہوئی مخالفت دیکھی ہے' مگر یہ مخالفت ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ پروفیسر ٹائن بی نے یہ پیش گوئی کرنے کی جرأت کی تھی کہ تاریخ ایک عدیم النظیر کروٹ بدلے گی۔ میں اس سے کچھ زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے کم از کم ایسی پیش گوئی کر سکتا ہوں کہ آٹھویں عشرے کے درمیان حالات پہلو بدلیں گے۔ اگر ماضی مستقبل کا کسی قدر بھی مظہر ہے تو تعجب ہو اگر امریکی چینی مجادلے کی شدت آٹھویں عشرے سے آگے قائم رہ جائے۔ جس طرح ریاست ہائے متحدہ اور سوویت یونین کے تقابل کے سلسلے میں ہوا۔ اس طرح چین اور امریکہ کے مجادلے کا نتیجہ بھی ہار جیت میں نہیں بلکہ تنازع کی تیز نوکوں کے گھس کر کند ہو جانے کی صورت میں برآمد ہو گا۔ اس پیش گوئی کے بعد بھٹو نے لکھا کہ.....

''اس سے ہم یہ سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ چھوٹی قوموں کو عالمی طاقتوں کے اختلافات کی رَو میں نہ بہہ جانا چاہئے اور ایک طاقت کی حمایت میں یا کسی دوسری طاقت کی مخالفت میں حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے کہ ان کے اپنے مستقبل کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے۔ بلکہ انہیں عالمی طاقتوں کے موقف سے متاثر ہوئے بغیر جارحیت کے خلاف سینہ سپر ہو کر استعماریت کو ختم کرنے کی کوشش کرنے کے لئے مبنی بر انصاف مقاصد کی حمایت کرنی چاہئے۔ چھوٹی قوموں کے لئے بہتر ہو گا کہ وہ عالمی طاقتوں کی حریفانہ کشمکش میں زیادہ سے زیادہ غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کریں۔ ان کے لئے کسی بڑی طاقت کے خلاف کسی

www.bhutto.org

دوسری بڑی طاقت کے ساتھ مکمل ایکا کر لینا کوتاہ اندیش ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے قومی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے کوئی چھوٹی قوم کوئی ایسا موقف اختیار نہ کرے جو دوسری بڑی طاقتوں کے مقابلے میں کسی ایک بڑی طاقت کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ چھوٹی ریاست کسی ایک بڑی طاقت کے خلاف کسی دوسری بڑی طاقت سے ایسا ایکا کرنے سے گریز کرے جس میں بین الاقوامی معاملات میں پہلے سے متعین شدہ موقف اختیار کرنا پڑے اور وہ بھی صرف ارضی مادی فوائد کی خاطر یا اس وجہ سے کہ اس کی برسر اقتدار حکومت کا خیال ہے کہ وہ اس طاقت کے سہارے کے بغیر اپنے ہی عوام کے ہاتھوں ختم ہو جائے گی۔"

اور جب ذوالفقار علی بھٹو صدر اور وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچے تو وہاں بھی انہوں نے عالمی طاقتوں کے رویے کو سامنے رکھتے ہوئے غور و فکر جاری رکھا اور اپنی سب سے پیاری بیٹی بے نظیر بھٹو کے نام جو خط لکھا اس میں آنے والی تباہی کی طرف واضح اشارہ کیا۔ بھٹو نے لکھا کہ.....

تم اپنی عمر کے موسم بہار میں ہو لیکن اس دنیا کے تاریک اور مایوس کن موسم میں رہ رہی ہو۔ ہر جگہ نامساعد حالات کے متعلق پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک گڑبڑ سے بھرپور اور فتنہ انگیز دنیا ہے۔ عدم اطمینان اور مایوسی کی کیفیت طاری ہے۔ کچھ علاقوں میں دوسرے علاقوں کی نسبت صورتحال زیادہ خراب ہے۔ کچھ ممالک میں تو بحران کا تدارک کیا جا سکتا ہے لیکن کچھ ممالک میں بحران نے اس قدر پیش رفت کر لی ہے کہ وہ تدارک کے مقام سے گزر گیا ہے۔ انسانیت بدترین بحران سے دوچار ہے۔ یہ وہ شدید اور نازک صورتحال ہے جس نے ینگ سیاؤ پنگ کو 9 رجون 1978ء کو دنیا کو خبردار کرنے کے لئے مجبور کیا کہ تیسری عالمی جنگ شروع ہونے والی ہے۔ میں بھی زیادہ پُر امید نہیں ہوں۔ میں تباہی کو آتا دیکھ رہا ہوں جو ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ جو لوگ اس عالمی تباہی میں بچ جائیں گے انہیں یہ دنیا از سر نو تعمیر کرنے کا شاندار موقع ملے گا۔ ساری ٹوٹی پھوٹی دنیا ان کے قدموں میں ہوگی۔ وہ ایک نئے نظام کے وضع کرنے والے ہوں گے۔ وہ بغیر کسی حد بندی کے قوم کی تقدیر کی حفاظت کریں گے۔ وہ راکھ اٹھائیں گے اور زیادہ بہتر خطوط پر تعمیر کا آغاز کریں گے۔ موجودہ عالمی ڈھانچہ جن پہیوں پر قائم ہے وہ پہیے چرچر کر رہے ہیں۔ یہ ڈھانچہ نیچے گرنے والا ہے۔ تیسری دنیا بوٹ والے فوجی ڈکٹیٹروں کے لئے فٹ بال کا میدان بن گئی ہے۔ فٹ بال کو اِدھر اُدھر لات ماری جا رہی ہے لیکن گول کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد بھٹو نے تیسری

www.bhutto.org

دنیا کے ان خطوں کی نشاندہی کی ہے جہاں آگ بھڑکنے اٹھنے کا امکان ہے۔

۱ مشرق وسطیٰ

۲ وسطی یورپ

۳ جنوب مشرقی بحیرۂ روم

۴ شمال مشرقی ایشیا

۵ افریقہ

ذوالفقار علی بھٹو پیش گوئی کرتے ہیں کہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھنے کے اس قدر زیادہ امکانات ہیں کہ تیسری عالمی جنگ کسی غیر اہم علاقے سے بھی شروع ہو سکتی ہے۔ چیمپئن پہلے ہی اکھاڑے میں پہنچ چکے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پہلا مکہ کون مارتا ہے۔ یہ باکسنگ ایک روایتی لڑائی کی شکل میں شروع ہو سکتی ہے۔ پھر یہ وسیع ہو کر ایٹمی جنگ میں تبدیل ہو سکتی ہے اور اس کا خاتمہ ایٹمی اسلحہ کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایٹمی اسلحہ کی گنجائش محدود ہے۔ اسی سبب سے بڑی طاقتیں ایٹمی اسلحہ کے بارے میں سمجھوتہ کرنے کی خواہش مند ہیں۔ تباہی یا تو قسطوں میں یا پھر ایک ہی جھٹکے میں آ رہی ہے..... اپنی بیٹی کے نام خط میں ذوالفقار علی بھٹو آنے والی تباہی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ..... ''تم اس کے لئے تیاری کیسے کر رہی ہو؟ تم اس کے لئے تیاری نہ تو سرمایہ دارانہ نظام اور نہ ہی کمیونزم کی طرفداری کر کے کر سکتی ہو اور نہ ہی دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خود کو وابستہ کر کے تیاری کر سکتی ہو۔ اس تیاری کے لئے تمہیں عوام کے ساتھ رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔ ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا ہوگا۔ تمہیں آخری دم تک بنی نوع انسان کے وقار، ذاتی احترام اور مساوات کے لئے جدوجہد کرنی ہوگی۔ تم ننگے پیر لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو۔ ایک غریب بچے کے بالوں میں موجود جوں تمہارا ہتھیار ہے۔ ایک کاشت کار کی مٹی کی جھونپڑی میں سے آنے والی بدبو تمہاری زہریلی گیس ہے۔ تم عوام کی طاقت کا اندازہ ہل کی بنائی ہوئی گہری لکیر سے اور کارخانہ کے نکلتے ہوئے دھوئیں سے لگا سکتی ہو۔ تمہارے نظریہ کا رسم الخط ایک فاقہ زدہ انسان کی چیخوں سے پیدا ہو گا۔ تم اپنے معاشرے کے تاریخی حالات کے حقائق سے سچائی تلاش کرو اور مسائل کی شناخت کرو۔ مسائل کی صحیح شناخت سے صحیح حل پیدا ہوگا اور ان بنیادی دستاویزات سے جو میں نے تحریر کی ہیں اور ان تقاریر سے جو میں نے وقتاً فوقتاً کی ہیں (خصوصاً پیپلز پارٹی کے قیام کے بعد)۔ ان سے جن خیالات و نظریات کا اظہار ہوتا ہے ہمارے ناقدین نے بھی ان کو ''بھٹوازم'' قرار دیا ہے۔ آگے چل کر بھٹو نے لکھا کہ جیل کی فضا نے بھی

www.bhutto.org

میری غیر جانبداری کو متاثر نہیں کیا۔ میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ چونکہ میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں لہٰذا ساری دنیا موت کی کوٹھڑی میں ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہائی کورٹ نے مجھے موت کی سزا سنادی ہے لہٰذا ساری دنیا کو موت کی سزا سنادی ہے۔ میں شیلے کے نظریہ وجودیت کی حمائت کرتا ہوں۔ حُسن ہر جگہ ہے۔ ایک مکمل تباہ کن جنگ کے بعد بھی حسن کو ملیامیٹ کر دینا ممکن نہیں ہوگا۔ حُسن اسقدر زیادہ ہے کہ وہ ختم نہیں ہوسکتا۔ بھٹو کہتے ہیں کہ زندگی محبتِ کاملہ ہے۔ فطرت کی ہر خوبصورتی کے ساتھ اظہارِ عشق کیا جاسکتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں کہ میرا سب سے زیادہ جذباتی عشق اور رومانس عوام کے ساتھ رہا ہے۔ میری سیاست اور عوام کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی شادی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی ایک سیاسی جانور ہے اور ریاست یا مملکت ایک سیاسی تھیٹر ہے۔ میں 20 سال سے زائد عرصہ تک اس سیاسی سٹیج پر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے اب بھی کوئی کردار ادا کرنا ہے۔ لوگ اب بھی چاہتے ہیں کہ میں سیاسی سٹیج پر رہوں۔ لیکن اگر مجبوراً مجھے سیاسی سٹیج سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں اپنے احساسات کا تحفہ تمہیں دیتا ہوں۔ میرے مقابلے میں تم زیادہ بہتر طور پر جنگ لڑ سکوگی۔ تمہاری تقاریر میری تقاریر کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ ہوں گی۔ عوام کے ساتھ تمہاری وابستگی مکمل ہوگی۔ تمہاری جدوجہد میں زیادہ توانائی اور جوانی کا جوش ہوگا۔ تمہارے اقدامات زیادہ جرأت مندانہ ہوں گے۔ میں اس انتہائی مقدس مشن کی برکتیں تمہیں منتقل کرتا ہوں۔

بھٹو نے لکھا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ اب بھی مجھے کوئی کردار ادا کرنا ہے۔ بھٹو نے یہ کردار اس صورت میں ادا کیا کہ اپنی بیٹی کو آنے والے حالات سے باخبر کر دیا اور اسے اپنا مشن جاری رکھنے کے لئے تیار کر لیا اور پھر بھٹو نے پھانسی کی سزا قبول کر کے اپنے کردار کو ہمیشہ کے لئے زندگی دے دی۔ آج بھی جب مشرق وسطیٰ میں عالمی طاقتوں کے مفادات ٹکرا رہے ہیں' تیل کے کنوؤں پر قبضے کی کشمکش جاری ہے اور افریقہ و ایشیا کے متعدد ممالک میں خانہ جنگی جاری ہے تو بھٹو کی کہی ہوئی باتیں یاد آتی ہیں کہ یہی عوامل ایک بہت بڑی تباہی کو لے کر آئیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی دُرست مستقبل بینی کا ثبوت اگست 1990ء میں سامنے آیا جب امریکہ نے عراق کو کویت پر حملے کیلئے اکسایا اور جب عراق نے حملہ کر دیا تو امریکا نے کویت کو بچانے کیلئے مشرق وسطیٰ میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ 1990ء مشرق وسطیٰ میں ایک نئے بحران کا آغاز تھا اور گیارہ ستمبر 2001ء کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر نیویارک پر حملوں کے بعد یہ بحران ایک بڑی جنگ میں بدل گیا جسے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کہا گیا۔ اس جنگ کے نام پر امریکا نے پہلے عراق اور پھر افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کیں۔

www.bhutto.org

پاکستان کو اپنا اتحادی بنایا اور یوں اس جنگ کی آگ کو پاکستان میں بھی پھیلا دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 1978ء میں جس بڑی تباہی کی خبر دی تھی وہ تباہی 2007ء تک خودکش حملوں اور بم دھماکوں کی صورت میں پاکستان کے ہر شہر میں پھیل گئی۔ یہ تباہی جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت کا تحفہ تھی اور 2008ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت اس تباہی کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ پیپلز پارٹی نے مشرف دور کی پالیسیاں بدلنے کے بجائے اُن پر اندھا دھند عمل شروع کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تعلیمات اور تحریروں کو فراموش کرنے کے نتیجے میں پیپلز پارٹی بھی اُس تباہی کا حصہ بننے لگی جس کی خبر پارٹی کے بانی چیئرمین نے 1978ء میں دی تھی۔

www.bhutto.org

بھارت کا اتحاد خطرے میں ہے

اس وقت بھارت میں جموں و کشمیر، مشرقی پنجاب، ناگالینڈ اور آسام سمیت متعدد علاقوں میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھارت کے وفاق کے لئے پیدا ہونے والے ان خطرات کی طرف 1978ء میں اشارہ کر دیا تھا۔ بے نظیر بھٹو کے نام لکھے جانے والے خط میں انہوں نے جہاں یہ لکھا کہ پاکستان کے وفاق کو کون سے خطرات درپیش ہیں وہاں انہوں نے یہ بھی لکھ دیا کہ بھارت کے اتحاد کو خطرات لاحق ہیں۔ بھٹو اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ بھارت میں جمہوری حکومت رہی ہے۔ جس میں عوام پوری طرح شریک رہے۔ مجموعی طور پر صوبائی خود مختاری کا احترام کیا گیا۔ بھارت میں فوج نے اپنے آپ کو ابھی تک سیاست میں ملوث نہیں کیا۔ بھارتی عوام خصوصاً ہندو علاقائی نیشنلزم کے لئے احترام کے جذبات رکھتے ہیں۔ گاندھی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر بھارت میں مسلمانوں کا وجود ختم ہو جائے تو پھر بھی اسلام دوسرے ممالک میں موجود رہے گا لیکن اگر بھارت سے ہندوؤں کا نام و نشان مٹ گیا تو ہندو مذہب تباہ ہو جائے گا۔ بھارت کا اتحاد ہندو مذہب اور خود مختاری کی بقاء کے ساتھ وابستہ ہے۔ بھٹو کے خیال میں ہندوستان کو متحد رکھنا ہندوؤں کا مذہبی فریضہ ہے۔ بھارت کے اتحاد کا انحصار بہت سے چھوٹے اور بڑے صوبوں کے وجود پر ہے۔ بھارت میں کسی ایک صوبے کا غلبہ نہیں ہے اور نہ ہی سول سروس، مسلح افواج یا معیشت پر کسی ایک صوبے کی اجارہ داری ہے۔ 1947ء سے 1971ء تک بھارت کے اتحاد کو مستحکم کرنے کے لئے پاکستان کے نام نہاد خطرے کو استعمال کیا گیا۔ 1962ء کے بعد چین کی جانب سے خطرہ کو بھی اس چیلنج میں شامل کر دیا گیا۔ جو بھارتی اتحاد کو درپیش تھا۔ 1977ء کے بعد بھارتی اتحاد کو مستحکم کرنے کا طریقہ بھارتی جنگجوانہ وطن پرستی ہے جس میں ایٹمی حیثیت کا دعویٰ اور برصغیر میں غالب قوت ہونے کا دعویٰ شامل ہے۔ لیکن میں اب بھی کہوں گا کہ بھارت کے اتحاد کو جو خطرہ لاحق ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ بھارت میں

www.bhutto.org

اندر ہی اندر تحلیل کا عمل جاری ہے۔ یہ تحلیلی عمل کامیاب ہوسکتا ہے اور ناکام بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کا انحصار بھارت کے عوام اور لیڈروں پر ہے۔ اس کا انحصار اس خطے میں ہونے والے واقعات اور بڑی طاقتوں کے رویہ پر ہے۔ انتشار کا رجحان موجود ہے۔ کچھ علاقوں میں ان رجحانات نے شدت اختیار کر لی ہے.....

ذوالفقار علی بھٹو نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ بھارت کو ٹوٹ جانا چاہئے۔ وہ جانتے تھے کہ بھارت کے ٹوٹنے سے پاکستان میں بھی ٹوٹ پھوٹ کا عمل تیز ہوگا کیونکہ غیر ملکی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور اندرونی سازشوں میں اضافہ ہوگا۔ ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ جن اصولوں کی بنیاد پر برصغیر تقسیم ہوا تھا ان اصولوں کے مطابق سب سے پہلے تو جموں و کشمیر کو آزاد کیا جائے۔ اسی کوشش کے گرداں کی سیاست زیادہ تر گھومتی رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ جموں و کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ہے اور بھارت نے اس پر زبردستی قبضہ برقرار رکھا تو ایک دن جموں و کشمیر کے مسلمان خود ہی علمِ بغاوت بلند کر دیں گے اور جموں و کشمیر میں بغاوت کے بعد بھارت کے دوسرے حصوں میں بھی علیحدگی پسند تحریکوں کو تقویت حاصل ہوگی۔ بھٹو نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا آج وہ سچ ثابت ہو رہا ہے۔ بھارت کا اتحاد واقعی خطرے میں ہے۔

www.bhutto.org

''چودھری ولی خان''

جب تک بھٹو ازم ہے ولی خان بے لگام نہیں ہوگا

جنرل محمد ضیاالحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد حیدر آباد ٹریبونل کیس میں ملوث خان عبدالولی خان اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا تھا۔ ولی خان نے رہائی کے بعد بیان دیا تھا کہ وہ محب الوطن پاکستانی ہیں۔ دوسری طرف مارشل لاء حکومت کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کو غدار اور پاکستان دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے 6/مارچ 1978ء کو لاہور ہائی کورٹ میں اپنی ناجائز حراست کے خلاف جو طویل آئینی عذرداری داخل کی گئی اس میں بھٹو نے ولی خان کا ماضی' حال اور مستقبل پیش کیا۔ بھٹو کو یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ ولی خان رہائی کے بعد مسلسل بھٹو خاندان پر الزام تراشی میں مصروف تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی آئینی عذرداری میں لکھا کہ قرارداد پاکستان 23/ مارچ 1940ء کو لاہور میں منظور ہوئی اور اسی دن سے غفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کی طرف سے پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے والے لیڈروں کے خلاف مہم شروع ہوگئی۔ اس مہم میں ولی خان بھی شامل تھا۔ جو قائداعظمؒ اور دوقومی نظریے کے خلاف صف آراء ہوگیا۔ پاکستان کی کہانی میں چارسدہ کے اس خاندان کا کردار شرمناک ہے۔ خان برادران کئی سال تک بڑی مستعدی کے ساتھ پاکستان کے خلاف لوگوں کو منظم کرنے کے لئے اکھنڈ بھارت کا پرچار کرتے رہے اور گاؤں گاؤں گلی گلی میں گاندھی کا پیغام پہنچاتے رہے۔ کانگریس کے لئے ان کی خدمات اس قدر عیاں تھیں کہ جب ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور پٹیل کو تقسیم کے اصول پر راضی کرلیا تو اس موقع پر گاندھی کی ہچکچاہٹ صرف اس لئے تھی کہ وہ سرحدی گاندھی کو کیا منہ دکھائے گا اور جب کانگریس نے متفقہ طور پر تقسیم کو قبول کرلیا تو غفار خان سیخ پا ہوگیا اور اس نے کہا کہ

www.bhutto.org

اسے بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا گیا ہے۔ بھیڑیوں سے اس کی مراد پاکستانی مسلمان تھے۔ جب نوشتۂ دیوار واضح ہو گیا تو غفار خان نے متحدہ بھارت کی بجائے پاکستان کو قبول نہ کیا اور جگہ جگہ پختونستان کا شوشہ کھڑا کر دیا۔ اسے پاکستان سے بے انتہا نفرت تھی لہٰذا وہ گاندھی کے مذہب، نسل اور ذات سے مبرا مشترکہ قومیت کے تصور سے منکر ہو کر نسلی امتیاز کی لائن پر اتر آیا۔ جب تحریکِ پاکستان عروج پر تھی تو غفار خان اور ولی خان کیلئے مسلمان اور پختون ہونے کی بجائے بھارتی کہلانا زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ جب پاکستان کا قیام ناگزیر ہو گیا تو ان کے نزدیک پختون ہونا زیادہ اہم قرار پایا..... یہ حقائق بیان کرنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے نیشنل عوامی پارٹی کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ نیپ کے بارے میں مواد کو پاکستان کی سپریم کورٹ نے ترازو میں تولا ہے اور سپریم کورٹ کے انکشافات ولی خان اور غفار خان کے کردار پر روشنی ڈالنے کیلئے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بھٹو اپنی آئینی عذرداری میں بتاتے ہیں کہ یحییٰ خان نے نیپ پر پابندی لگائی تھی اور اس کے لیڈروں کو قید کر دیا لیکن جب دسمبر 1971ء میں پاکستان کا صدر میں بنا تو میں نے نیپ پر پابندی ختم کر دی اور نیک امیدوں کے ساتھ ولی خان سے بات چیت شروع کی۔ ولی خان نے میرے ساتھ دو سمجھوتے کئے۔ ایک سمجھوتے میں اس نے مارشل لاء 14/اگست 1972ء تک جاری رکھنے پر رضامندی کا اظہار کیا جبکہ میں نے مارشل لاء اپریل 1972ء میں ہی اٹھا لیا تھا۔ پھر میں نے ملک کو آئین بھی دیا۔ بھٹو کہتے ہیں کہ آج کل ولی خان 1973ء کے آئین کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس سہرے کو اپنی حب الوطنی کے نشان کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس نے 1973ء کے آئین کی شدید مخالفت کی تھی لیکن آخر کار اسے یہ کڑوی گولی نگلنی پڑ گئی تھی کیونکہ میں نے اس کی تمام چالیں ناکام بنا دی تھیں اور اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ میں نے اس کے لئے کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا اور اس نے نا چاہتے ہوئے بھی آئین پر دستخط کر دیئے تھے۔ بھٹو مارشل لاء حکومت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے ولی خان کو مجھے گالیاں دینے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ہے۔ وہ مجھے گالیاں دے کر مزے لیتا ہے اور میں جیل میں ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے سکندر مرزا اور ایوب خان کی تعریف کی۔ یحییٰ خان کے مارشل لاء کی تعریف بھی کی اور اسے دھوکہ دینے کی کوشش بھی کی۔ وہ ہر غاصب کی تعریف کرتا ہے لیکن جب غاصب کو اس کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے تو وہ اسے اٹھا کر باہر پھینکتا ہے۔ بھٹو کہتے ہیں ضیاالحق کے مارشل لاء کے ساتھ ولی خان کا نئی مون پہلے کے مقابلے میں طویل ہو گیا ہے کیونکہ یہ مارشل لاء اس کی مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ بھٹو سوالیہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ پاکستان کے خلاف اس کی کتابوں اور دستاویزات کے بارے میں

www.bhutto.org

کیا خیال ہے؟ اس کی اپنی آواز میں چار یا پانچ ٹیپ شدہ تقریریں پاکستان کی سپریم کورٹ کو سنوائی گئی تھیں جن میں ولی خان نے کہا تھا کہ وہ طورخم کی سرحد سے زنجیر اٹھا کر مارگلہ میں اور چمن کی سرحد سے جیکب آباد میں لگا دے گا اور پھر پختونستان کے انگور اور افغانستان کے خربوزے مزے مزے سے کھائے گا۔ بھٹو نے لکھا کہ ولی خان اور غفار خان پاکستان کو پنجاب کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں پاکستان کا مطلب پنجاب کی بالادستی ہے۔ ولی خان یہ بات مجھ سے بھی کہتے رہے ہیں اور سپریم کورٹ میں ولی خان نے اپنی درخواست میں بھی یہی کہا تھا کہ پاکستان میں اصل مقابلہ دو یونٹوں کے درمیان ہے۔ بڑا یونٹ وفاق کے چھوٹے یونٹوں کو نگلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بعض موقعوں پر ولی خان نے پنجابیوں کو اتنی غلیظ گالیاں دی ہیں کہ انہیں بیان کرنا ناممکن ہے۔ حال ہی میں ولی خان نے ارباب سکندر خان خلیل کو جی ایم سید کے پاس بھیجا تھا اور مارشل لاء حکومت کے ساتھ تعاون کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہلوایا تھا کہ وہ پنجابیوں کو محبت کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے ختم کر رہا ہے۔ ولی خان کے ایلچی نے جی ایم سید کو یہ بھی کہا تھا کہ ولی خان کا دوسرا مقصد پنجابیوں کو پنجابی فوج سے لڑوانا ہے۔ بھٹو نے ولی خان کا ماضی بیان کیا اور بتایا کہ یہ شخص پنجابیوں کے بارے میں اور پاکستان کے بارے میں کیا خیالات رکھتا تھا لیکن آج یہ پنجابیوں کا دوست بھی بن گیا ہے اور پاکستان نواز بھی بن گیا ہے۔ جس پاکستان کو یہ شخص صرف پنجاب سمجھتا ہے اسی پاکستان کو آج قبول کرنے پر تیار ہے۔ لہٰذا بھٹو آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ولی خان پچاس سال سے پنجاب اور پنجابیوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے لیکن وہ اچانک عبدالولی خان سے میاں ولی خان اور چودھری ولی خان کیسے بن گیا؟ وہ کیا بات ہے جس نے اسے محمد زئی سے جٹ بنا دیا ہے۔ وہ سیکولرازم' جمہوریت اور خودمختاری کو ترک کر کے آمریت اور مُلّا ازم کی حمایت کیوں کر رہا ہے؟ بھٹو اور بھٹوازم کے خوف کے علاوہ اس کی اور کوئی وجہ نہیں ہے' ولی خان بھٹو اور بھٹوازم سے اس قدر خوفزدہ ہے کہ وہ مارشل لاء کی لونڈی بننے اور اپنا تھوکا چاٹنے کے لئے بھی تیار ہے۔

1972ء میں ولی خان نے کہا تھا کہ وہ کبھی تھوک کر نہیں چاٹے گا لیکن آج وہ اپنا تھوکا چاٹ رہا ہے۔ میں نے اس کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں اور اسے مسلمان اور پاکستانی بنا دیا ہے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ جب تک بھٹو اور بھٹوازم کا دور دورہ ہے ولی خان بے لگام ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو اور بھٹوازم کی بات کرتے ہوئے وہ پاگل ہو جاتا ہے اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ بھٹو نے آگے چل کر ضیاء الحق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس حکومت نے ولی خان کا چہرہ میرے چہرے پر اور میرا چہرہ ولی خان پر لگا دیا ہے۔ اب ولی خان پاکستانی بن گیا ہے اور میں صوبائیت پسند بن گیا ہوں۔ ولی خان

www.bhutto.org

محب وطن ہو گیا اور میں غدار۔ یعنی کالے کو گورا اور گورے کو کالا بنا دیا گیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے خان عبدالولی کے بارے میں جو کچھ اور لکھا اسے وقت صحیح ثابت کر چکا ہے۔ پاکستان بننے سے قبل ولی خان کے قائداعظمؒ اور ان کی جدوجہد کے بارے میں جو خیالات تھے وہ ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں ولی خان نے پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا اعلان کیا جس پر ان کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا اور اس کی سماعت شروع ہوئی۔ عدالت میں ولی خان کی تقریروں کے ٹیپ سنے گئے۔ جن میں ولی خان نے پاکستان کے ساتھ ساتھ پنجاب کو بھی برا بھلا کہا تھا لیکن جنرل ضیاء الحق نے برسرِ اقتدار آ کر ولی خان کو رہا کر دیا۔ چنانچہ بھٹو نے ایک پنجابی جرنیل کی ''ولی خان نوازی'' اور ولی خان کی طرف سے ''پنجاب نوازی'' کے بعد کہا کہ ولی خان تو چودھری ولی خان بن گیا ہے۔ ولی خان پہلے یہ کہتے تھے کہ پاکستان کا مطلب پنجاب کی بالادستی ہے لیکن ضیاء دور میں جب انہوں نے کہا کہ میں پاکستان کے خلاف نہیں ہوں اور محب وطن ہوں تو بھٹو کے نزدیک اس کا مطلب یہ تھا کہ ولی خان پنجاب کے خلاف نہیں ہے اور ''محب پنجاب'' ہے۔ لہٰذا انہوں نے ''محب پنجاب'' کو چودھری ولی خان کہہ کر پکارا اور کہا کہ جب تک بھٹو اور بھٹوازم کا دور دورہ ہے ولی خان بے لگام نہیں ہوگا۔ 1990ء کے حالات کچھ یوں ہیں کہ ولی خان ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بے نظیر کو غدار قرار دیتے ہیں اپنے آپ کو محب وطن کہہ رہے ہیں حالانکہ 1986ء تک غفار خان، ولی خان اور جی ایم سید ''سن'' میں کمرہ بند ملاقاتیں کر رہے تھے۔ انہی ولی خان صاحب نے بھٹو کی بیٹی کے خلاف قومی اسمبلی میں پنجابی اراکین کے ساتھ اتحاد کیا اور پنجاب کے وزیراعلیٰ نواز شریف کے ہمراہ مشترکہ جلسوں سے خطاب کیا۔ یعنی ویسے تو ولی خان شروع سے پنجابیوں کے خلاف ہیں لیکن بھٹو خاندان کے باعث ولی خان کو ہمیشہ پنجابیوں کے بالادست طبقے سے اتحاد کرنا پڑتا ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں تو محب وطن ہوں۔ پنجاب کا بالادست طبقہ ولی خان کا دوست ہے کیونکہ اس طبقے کا سرحد، سندھ اور بلوچستان کے بالادست طبقے کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے۔ ولی خان کی اصل نفرت پنجاب کے غریب اور مظلوم طبقے سے ہے کیونکہ یہ طبقہ کل بھی ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار میں لانے کا باعث بنا تھا اور آج بھی بے نظیر بھٹو کو سر آنکھوں پر بٹھا رہا ہے۔ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے غریب اور مظلوم طبقے نے ولی خان اور ان کے دوست بالادست طبقے کو ٹھکرا کر ہمیشہ پاکستان کی سلامتی اور استحکام پر یقین رکھنے والوں کو ترجیح دی ہے اور بقول ذوالفقار علی بھٹو کے جب تک بھٹوازم ہے ولی خان بے لگام نہیں ہوگا۔ یعنی پاکستان کو سرعام گالی دینے کی جرأت نہیں کرے گا۔

www.bhutto.org

اگر پاکستان پھر ٹوٹ گیا تو.....!

ذوالفقار علی بھٹو نے مشرقی پاکستان کے بارے میں بہت قبل از وقت کہہ دیا تھا کہ اگر وہاں استحصال جاری رہا اور معاملات کے حل کے لئے دانشمندی سے کام نہ لیا گیا تو پاکستان کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پاکستان کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد انہوں نے اس کے مزید ٹکڑے کرنے کی خواہش رکھنے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اگر بچا کھچا پاکستان بھی ٹوٹ گیا تو ہم سب کا بُرا حشر ہوگا۔ انہوں نے سندھو دیش' آزاد بلوچستان اور پختونستان کا نعرہ لگانے والوں کا سیاسی انداز میں مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ علیحدگی پسند قوتیں آج بھی پاکستان میں موجود ہیں اور ان کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں عوام کی زیادہ حمائت حاصل نہیں ہے۔ لیکن ہمیں اس چیز کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ شروع شروع میں شیخ مجیب الرحمٰن کو بھی مشرقی پاکستان میں زیادہ حمائت حاصل نہ تھی' لیکن فوجی حکومتوں کی غلط حکمتِ عملی کے باعث شیخ مجیب الرحمٰن بابائے بنگلہ دیش بن گیا اور اگر پاکستان کی بعد کی حکومتیں ایسی ہی غلطیاں کرتی رہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ علیحدگی پسندوں کی مقبولیت میں اضافہ نہ ہو۔ لہٰذا پاکستان کے عوام کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر پاکستان ٹوٹ گیا تو پھر کیا ہوگا؟ ذوالفقار علی بھٹو نے متعدد دفعہ اپنی تقریروں' تحریروں اور انٹرویوز میں بتایا تھا کہ اگر پاکستان ٹوٹ گیا تو پھر کیا ہوگا؟ سب سے پہلے ہم ذوالفقار علی بھٹو کی ایک ایسی تحریر کا ذکر کریں گے جس میں انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں نسلی و لسانی تعصب اور علیحدگی کے رجحانات کیوں پیدا ہوئے؟ ستمبر 1968ء میں بھٹو نے حیدر آباد میں پیپلز پارٹی کا بہت بڑا کنونشن کیا۔ اس کنونشن میں بھٹو نے حکومتِ وقت کی پالیسیوں پر تنقید کی تھی۔ چنانچہ مغربی پاکستان کے گورنر محمد موسیٰ خان نے گیارہ اکتوبر 1968ء کو ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ایک چارج شیٹ

www.bhutto.org

اخبارات کو جاری کی۔ گورنر موسیٰ خان نے بھٹو پر الزام لگایا کہ وہ شوقِ تنقید میں ملک کے بعض انتہائی اہم دفاعی رازوں کو طشت از بام کر رہے ہیں۔ لہٰذا دفاعی رازوں کا اظہار سنگین قومی جرم اور غداری ہے۔ موسیٰ خان کے نزدیک جن دفاعی رازوں کو بھٹو نے طشت از بام کیا تھا وہ یہ تھا کہ بھٹو تقریروں میں کہتے تھے کہ میں ستمبر 1965ء کی جنگ جاری رکھنے کا حامی تھا کیونکہ ہمارا پلڑا بھاری تھا' لیکن صدر نے جنگ بندی قبول کر لی۔ موسیٰ خان کے الزامات کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے گورنر مغربی پاکستان کے الزامات کے جواب میں ایک خط لکھا اور یہ خط اخبارات کو جاری کیا' اس خط میں بھٹو نے لکھا کہ ایوب خان کی حکومت مجھے غدار کہتی ہے' لیکن خود انہوں نے قبائلی منافرت کو ہوا دی۔ انہوں نے زبان کے مسئلے کو پھر چھیڑ دیا۔ حالانکہ یہ مسئلہ کل تک طے شدہ تھا' لیکن اب اس مسئلہ نے دوبارہ سر اٹھا لیا ہے۔ بھٹو نے الزام لگایا کہ حکومت جس طرزِ نگاہ سے معاملات کا جائزہ لیتی ہے وہ نسلی تعصبات کا حامل ہے کیونکہ حکومت میں ایسے لوگ شامل ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ حکمرانی ان کا مقدر ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو علاقائی عصبیت کو ہوا دے کر دونوں بازوؤں کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکا کر قومی اتحاد کو کمزور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل چھ نکات کے مطالبے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا' نہ ہی کسی نے جئے سندھ کا نعرہ سنا تھا۔ ان کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل عظیم تر بلوچستان کی بات بھی نہ چلی تھی اور پختونستان کے مطالبے کا دوبارہ احیاء نہ ہوا تھا۔ ان کا دس سالہ دورِ اقتدار پنجاب کے لئے مایوسی اور کراچی کے لئے نامرادی لایا ہے۔ سندھ اور بلوچستان مضطرب ہیں۔ بنگال کشیدۂ خاطر ہے اور سرحد میں حکمرانوں کے مٹھی بھر جواریوں نے لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ بھٹو نے اپنے خط میں حکومتِ وقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ ان کے جبر نے اندرونی منافرتیں پیدا کر کے لوگوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ حکومت چونکہ مساویانہ شرکت میں ایمان نہیں رکھتی' بلکہ مراعات کی قائل ہے' اس لئے وہ ایک ایسی قوم میں افہام اور ہم آہنگی نہیں ابھار سکتی جس کے باشندے مختلف زبانیں بولتے ہیں' مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور علاقائی روایات اور رسوم سے وابستہ ہیں۔ موسیٰ خان کو دیئے جانے والے جواب میں بھٹو نے وہ تمام وجوہات بیان کر دیں جن کے باعث پاکستان ٹوٹ پھوٹ کے عمل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ٹوٹے ہوئے پاکستان میں اقتدار سنبھالنے کے بعد اسے مضبوط بنانے کے لئے ایٹمی توانائی کے حصول پر توجہ دی اور ساتھ ہی ساتھ علیحدگی پسندی کے رجحانات کے خاتمے کے لئے اقدامات کیے۔ اُن سے اکثر اوقات غیر ملکی اخبار نویس یہ پوچھتے تھے کہ باقی بچ رہنے والے پاکستان میں صوبائیت کے رجحانات کی کیا وجہ ہے۔

www.bhutto.org

24 دسمبر 1975ء کو انہوں نے لاڑکانہ میں ایشیا آبزرور (لندن) کے نمائندے امتیاز احمد کو ایک انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو میں ان سے سوال کیا گیا کہ پاکستان ٹوٹنے کے بعد' پختونستان' پھر جئے سندھ پر بلوچستان اور پنجاب میں شورش جیسے مسائل کیوں ہیں؟ ذوالفقار علی بھٹو نے اس سوال کا جواب بڑی تفصیل سے دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر پاکستان کا آئین قائداعظمؒ کی زندگی میں بن جاتا تو صوبائی مسائل میں سے بعض حل ہو جاتے' لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ بعض مفاد پرستوں نے بعض صوبائی مسائل کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ قومی یکجہتی یا سالمیت کا لحاظ کئے بغیر اپنے لئے ایک سیاسی بنیاد فراہم کریں۔ اس سے بے شک کچھ مسائل پیدا ہوئے ہیں لیکن ہماری حکومت چوکنا اور سرگرم ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ان پر قابو پالے گی۔ میں پاکستان کے چاروں صوبوں کا مستقبل پاکستان میں دیکھتا ہوں۔ بھٹو نے کہا کہ اس میں شک نہیں ہے کہ ہمیں بلوچستان میں کچھ مشکلیں پیش آئیں۔ اس سلسلے میں ہم بے چین کر دینے والے لمحات سے گزرے ہیں اور اب بھی ہم وہاں اپنے ترقیاتی پروگرام سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرحد کے معاملات میں بھی ہم بے چین کر دینے والے لمحات سے گزرے ہیں لیکن میرے خیال میں ہمارا سب سے مشکل مرحلہ گزر چکا ہے اور ہم حقیقی مسائل کا پائیدار حل تلاش کرتے رہیں گے۔ بھٹو نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ یہ مسائل ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان ملک میں بھی موجود ہیں لیکن وہ اپنے مسائل کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ سری لنکا جیسے چھوٹے ملکوں میں بھی یہ مسائل موجود ہیں۔ سری لنکا 28 سال سے آزاد ہے لیکن ابھی پچھلے دنوں وزیراعظم مسز بندرانائیکے نے کہا کہ اُن کی حکومت علیحدگی پسندی گوارا نہیں کرے گی اور سری لنکا میں تامل لینڈ نہیں بننے دے گی اور انہوں نے اپنے ملک میں رہنے والے تامل باشندوں کو خبردار کیا کہ وہ ہندوستان سے رابطہ نہ رکھیں۔ بھٹو صاحب نے اپنے مذکورہ انٹرویو میں شمالی آئرلینڈ، ویلز اور سکاٹ لینڈ میں علاقائی مسائل کی مثال دی۔ انہوں نے کہا کہ سپین اور فرانس میں باسکوں نے یہی مسائل اٹھائے۔ لبنان میں المناک خانہ جنگی جاری رہی انگولا کا سابق پرتگالی علاقہ میدانِ جنگ بنا ہوا ہے ایسے مسائل ملائشیا' انڈونیشیا' فلپائن اور بہت سے دیگر ملکوں میں موجود ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ پاکستان میں حزبِ اختلاف سندھ کے مسائل کے بارے میں مبالغہ آرائی کرنے کی کوشش کرتی ہے اور سخت رویہ اختیار نہ کرنے پر حکومت کو ملعون کرتی ہے۔ لیکن اگر ہم نے حد سے زیادہ کارروائی کی تو وہ لوگ بھی ہمارے خلاف ہو جائیں گے جو اس کارروائی سے غیر ضروری طور پر متاثر ہونگے۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ایسے معاملات پر وہاں ہنگامہ بپا کر سکتا

www.bhutto.org

ہے۔ پنجاب اکثریتی صوبہ ہے اور وہاں صرف چھوٹے سیاستدان اور موقع پرست عناصر ہی علاقائی تعصب کی راہ اختیار کرنے کوشش کریں گے۔ لیکن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ ممکن ہے وہ یہ سوچیں کہ یہ راہ بالکل کھلی ہے لیکن جوں ہی وہ اس سیاسی سفر کا آغاز کریں گے وہ یہ دیکھیں گے کہ عوام کی عقلِ عام نے ان کی راہیں مضبوط کر دی ہیں۔ صورتحال ایسی ہے کہ اکثریتی صوبے میں اس احساس کو اُکسانے کی کوشش کرنا ممکن نہیں ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ میری حکومت نے چاروں صوبوں کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ ترجیحات کا تعین کرتے وقت بھی میں اکثریتی صوبہ کی ضروریات کے متعلق بہت حساس رہا ہوں۔ انہوں نے مثال دی کہ ہم پہلی مرتبہ قابلِ شراکت ٹیکسوں اور محاصل کی تقسیم صوبوں میں اُن کی آبادی کے مطابق کر رہے ہیں۔ ماضی میں رقوم کی یہ تخصیص کبھی آبادی کی بنیاد پر نہیں کی گئی۔ ہم نے وہ طریقہ ختم کر دیا ہے اور اب بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں بھول سکتا کہ پنجاب کے عوام نے زبردست اکثریت سے مجھے مینڈیٹ دیا گیا' مجھے اُن سے گہرا تعلق ہے' لیکن اسی کے ساتھ مجھے پورے ملک کے مفادات کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اپنے انٹرویو میں ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ اگر خدانخواستہ بلوچستان' پاکستان سے علیحدہ ہو جائے تو بلوچستان کا کیا مستقبل ہوگا؟ اگر سرحد علیحدہ ہو جائے یا کسی اور ملک میں شامل کر لیا جائے تو شمال مغربی سرحدی صوبے کا کیا مستقبل ہوگا؟ اور اگر پنجاب علیحدہ ہو جائے یا مشرقی پنجاب میں ضم کر دیا جائے تو اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ اگر یہ صوبے علیحدہ ہو جائیں اور پاکستان کے مضبوط وجود کے ساتھ نہ رہیں تو ان کی حیثیت چھوٹی میونسپلٹیوں سے بہتر نہ ہوگی۔ وہ بڑے ہمسایوں کی میونسپلٹیوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور ان کا وہی حشر ہوگا جو ''سکم'' کا ہوا اور میں یہ بات دہراتا ہوں کہ پاکستان کے کسی صوبہ کے عوام ایک آزاد پاکستان' مسلم پاکستان' ایک ترقی پسند پاکستان کے اندر صوبائی خود مختاری سے نکل کر میونسپلٹی کے سائز کی مملکتوں کی نازک پوزیشن میں نہیں جانا چاہتے۔

8 اپریل 1976ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے وزیر اعظم کی حیثیت سے کوئٹہ میں ایک کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے سرداری نظام کے خاتمے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو نے '' آزاد بلوچستان'' کے علمبرداروں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ آزاد بلوچستان کا نعرہ لگا رہے ہیں وہ دراصل اپنے نظام کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور بلوچستان کے عوام کو غلام رکھنا چاہتے ہیں جیسے انگریزوں کے وقت میں غلام رکھا گیا تھا۔ میں بلوچستان میں غریب کی آزادی چاہتا ہوں لیکن وہ آزاد بلوچستان چاہتے ہیں جس میں جابر سرداروں کی بالادستی ہوگی۔ میں غریب بلوچ کو استحصالی اور رجعت پسند نظام سے آزادی دلوانا چاہتا

www.bhutto.org

ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پورا پاکستان آزاد ہو۔ سرداروں اور جاگیرداروں کی زنجیریں ٹوٹ جائیں۔ میں چاہتا ہوں عوام آزاد ہوں لیکن وہ نعرہ لگاتے ہیں کہ علاقہ آزاد ہو۔ علاقے آزاد نہیں ہوا کرتے لوگ آزاد ہوا کرتے ہیں۔ میں آپ کی آزادی کے لئے لڑ رہا ہوں وہ آپ کی غلامی برقرار رکھنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ میں پاکستان کا نام لے رہا ہوں' وہ آزاد بلوچستان کا نام لے رہے ہیں۔ بھٹو نے اس کنونشن میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سرداری نظام کو انگریزوں نے تحفظ دیا تھا۔ انگریزوں نے سرداروں میں علاقے بانٹ دیئے تھے اور ان علاقوں میں رہنے والوں کو سرداروں نے غلام بنالیا تھا لیکن میں اس سرداری نظام کے خاتمے کا اعلان کرتا ہوں اور اپنی حکومت کے خاتمے کے بعد جیل میں بیٹھ کر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی بیٹی کے نام جو طویل خط لکھا اُس میں بھی انہوں نے علیحدگی پسندی کے رجحانات کے متعلق ذکر کیا۔ انہوں نے لکھا کہ جب میں پاکستان کا صدر بنا تو سندھو دیش کی تحریک عروج پر تھی۔ پاکستان میں اپنے ساڑھے پانچ سالہ دور کے دوران میں نے آہستہ آہستہ علیحدگی کے جذبے کو غیر موثر کر دیا اور نوجوانوں کے خیالات کو پاکستانی قومیت کے دھارے میں سمو دیا۔ 1970ء کے انتخابات میں میری پارٹی میں سندھو دیش کی تحریک کے دیوتا کو 30 ہزار سے زائد ووٹوں سے اُس کے اپنے حلقے میں شکست دی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد اُن کی بیٹی نے بھی علیحدگی پسند عناصر اور قومیت پرستوں کا برابر مقابلہ کیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی جماعت پی پی پی آج بھی وفاقِ پاکستان کی بات کرتی ہے اور جو لوگ اندرونِ سندھ کے حالات سے واقف ہیں وہ اس حقیقت کو کبھی نہیں جھٹلائیں گے صرف پاکستان پیپلز پارٹی کی وجہ سے سندھ میں علیحدگی پسند آج تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ علیحدگی پسندوں کو بعض بیٹروں کی اشیر باد آج بھی حاصل ہے جبکہ پی پی پی کو غریبوں کی اشیر باد حاصل ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے وڈیروں' سرداروں اور جاگیرداروں کے شکنجے میں پھنسے ہوئے غریبوں کی آزادی کا نعرہ لگایا تھا۔ یقیناً غریبوں کو بھی یہ بات سمجھ آچکی ہے کہ چاروں صوبوں کے عوام رواداری اور انصاف کے ساتھ ایک وفاق میں رہ کر بھی ترقی کر سکتے ہیں۔ دوسری صورت میں اگر پاکستان پھر ٹوٹ گیا تو ذوالفقار علی بھٹو کی پیش گوئی کے مطابق ایسی صورت میں پاکستان کے صوبے ہمسایہ طاقتوں کی میونسپلٹیوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

www.bhutto.org

پرانا نظام دم توڑ رہا ہے

ایوب خان کے دورِ حکومت میں وزیر خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دینے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے تصنیف و تالیف کی طرف خاص توجہ دی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو اپنے سیاسی مستقبل کا فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ اُنہیں مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے شمولیت کی دعوت دی جا رہی تھی اور اِن ہی جماعتوں میں اُن کی شمولیت کی مخالفت بھی کی جا رہی تھی۔ لہٰذا ذوالفقار علی بھٹو تحریر کے ذریعے اپنے سیاسی نظریات عوام تک پہنچانے کی طرف زیادہ توجہ دے رہے تھے۔ یحییٰ بختیار بتاتے ہیں کہ ایوبی حکومت سے علیحدگی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو محترمہ فاطمہ جناح کے پاس جایا کرتے تھے۔ فاطمہ جناح اُنہیں بہت پسند کرتی تھیں۔ فاطمہ جناح نے یحییٰ بختیار سے کہا کہ آپ بھٹو کو کونسل لیگ میں لے آئیں۔ بھٹو کونسل لیگ میں آ جاتے لیکن ممتاز دولتانہ اُنہیں صرف سندھ تک محدود کرنا چاہتے تھے اور بھٹو کو یہ قبول نہیں تھا۔ جب تک فاطمہ جناح زندہ رہیں بھٹو نے نئی پارٹی نہیں بنائی بلکہ اپنے نظریات کو تحریری شکل دینے پر توجہ دیتے رہے۔ 12 جنوری 1967ء کو ڈھاکہ سے نکلنے والے انگریزی اخبار ''دی پاکستان آوبزرور'' میں ذوالفقار علی بھٹو کا مضمون (میری صحافت کی شروعات) ''My debut in journalism'' شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے پاکستانی صحافت کا یورپ، امریکہ اور افریقہ کے علاوہ فرانس کی صحافت سے موازنہ کیا۔ اپنے اِس مضمون میں انہوں نے لکھا کہ صحافت اور سیاست کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے اور ان دونوں میں بہت سی چیزیں مشترک بھی ہیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ مثالی سیاسی نظام کی موجودگی میں مثالی صحافت جنم لیتی ہے۔ اُنہوں نے اپنے اس طویل مضمون میں لکھا کہ سیاست صاف ستھری ہونی چاہیے۔ لیکن افسوس کہ ہم سیاست کے ساتھ سیاست کھیلتے رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے

www.bhutto.org

لکھا کہ پاکستان کی سیاسی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ پاکستان کے سیاستدانوں کو نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہی ایک نئے امتحان کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ ایک نئی لہر اُبھرنے والی ہے۔ پرانی باتیں لوگوں کے لئے دلچسپی کا باعث نہیں رہیں۔ لہٰذا سیاست میں ایک نئی ''آل راؤنڈ'' اپروچ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اب عوام صرف ''زندہ باد'' کے نعرے لگوانے والوں اور ڈرائنگ روم کی سیاست کرنے والوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ لوگ بہتر زندگی اور عزتِ نفس چاہتے ہیں اور سیاستدان عوام کو یہ سب کچھ نہ دلا سکے تو وہ کہیں کے نہ رہیں گے۔ لیڈروں کو جیلوں میں ڈال کر اور دہشت و خوف کی فضاء قائم کر کے سیاسی مسائل حل نہیں کیے جا سکتے۔ مستقبل میں ایسے طریقے مزید پیچیدگیاں پیدا کرنے کا باعث بنیں گے۔ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان نفرت کی دیوار کے بجائے اصولی اختلافات ہونے چاہئیں۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ قانون، سیاست اور صحافت میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ سیاست ایک مکمل موضوع ہے لیکن سیاستدان کو صرف سیاست کے بارے میں نہیں بلکہ بہت سے موضوعات کے بارے میں پتا ہونا چاہیے۔ سیاستدان کو ہمیشہ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنا چاہیے۔ اُسے عوام کے موڈ اور خواہشات کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اُسے ایک معمار، عوامی رویوں کا حکیم اور ثقافتی اقدار کا علمبردار ہونا چاہیے۔ اسے پتا ہونا چاہیے کہ تکلیف کیا ہے۔ عوام کی تکلیفوں پر کیسے چیخا جائے، اُن کے زخموں کے لئے آنسو کیسے بہائے جائیں، اسے درد اور مسرت کے معنی پتا ہونا چاہئیں، اگر وہ عوام کے مسائل کی گہرائی میں چلا جائے تو عوام کے دلوں کی گہرائی میں بھی اتر سکتا ہے۔ اسے اقتصادی و عسکری امور کا پتا ہونا چاہیے۔ اچھا سیاستدان وہ ہے جو ہنگامی حالات میں بہترین اور فیصلہ کُن اقدامات کرے۔ اسے پتا ہو کہ دن کے اجالے میں کیسے کام کرنا ہے اور گھُپ اندھیروں میں کیسے چلنا ہے۔ سیاستدان کو صابر بھی ہونا چاہیے اور جرأت مند بھی ہونا چاہیے۔ صحافت کی طرح سیاست بھی ایک فن ہے۔ جس طرح صحافت جمہوریت کے بغیر فروغ نہیں پا سکتی اُسی طرح سیاست بھی جمہوریت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ایک سیاستدان اور آرکیٹیکچر میں بھی بہت گہرا تعلق ہے۔ آرکیٹیکٹ کوئی چیز تعمیر کرنا شروع کرتا ہے تو اُس کے پاس وقت متعین ہوتا ہے۔ وہ موسم اور مٹی کے مطابق تعمیراتی کام کرتا ہے۔ وہ آنے والے موسموں پر بھی نظر رکھتا ہے اور اُسی انداز میں مکان یا عمارت بناتا ہے۔ اُس کی عمارت نہ صرف عمارت کے مکینوں کے لئے قابلِ قبول ہونی چاہیے بلکہ عمارت باہر سے دیکھنے والوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہونی چاہیے۔ ایک آرکیٹیکچر کی طرح سیاستدان قوموں کی تعمیر کرتے ہیں اور انہیں بھی دور اندیش ہونا چاہیے۔ ذوالفقار علی

www.bhutto.org

بھٹو کے سیاست سے متعلق یہ خیالات پاکستانی عوام کے لئے نئے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی تحریروں اور تقریروں کی خاص بات یہی تھی کہ وہ لوگوں کو آنے والے وقت کا پتا دے رہے تھے۔

اپریل 1968ء میں انہوں نے ایک کتابچہ تحریر کیا جس کا نام تھا (پاکستان میں سیاسی صورتحال) ''Political Situation in Pakistan'' اس کتابچے میں چھ مضامین شامل تھے۔ بنیادی حقوق کے حوالے سے اس کتابچے میں شامل پہلے مضمون میں بھٹو نے لکھا کہ انتشار کے گرد و غبار میں ایک راستے کے نشانات واضح ہو رہے ہیں۔ نئی نسل اس نتیجے تک پہنچ گئی ہے کہ پاکستان کے مسائل حل کرنے کے لئے پرانے طور طریقے ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہر عہد کی اپنی سیاسی معنویت ہوتی ہے۔ اپنے مدّ و جزر ہوتے ہیں۔ آج کے دور کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے عوام کی اُمنگوں کے مطابق معاشرے کی تعمیر کے لئے نئی راہ تلاش کی جائے۔ ہم ماضی کی طرف پلٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اعلان کیا ہے کہ طاقت کے مالک عوام ہیں۔ اس کتابچے میں اسلامی سوشلزم اور آزادانہ خارجہ پالیسی کے متعلق بھٹو کے خیالات کے باعث سنسنی پھیل گئی۔ وہ پیپلز پارٹی قائم کر چکے تھے اور آمریت کے خلاف تحریک چلانے میں مصروف تھے۔ وہ عوام کو نئے اندازِ سیاست میں ایک نئے نظام کی طرف بڑھانے میں مصروف تھے۔

21 ستمبر 1968ء کو حیدر آباد میں پیپلز پارٹی کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ آج حکومت مجھ پر بدعنوانیوں کے الزامات لگا رہی ہے۔ صدر صاحب! آیئے میں اور آپ اِس سلسلے میں پہل کریں اور قوم کے سامنے اپنا حساب کتاب صاف کر لیں۔ فرمایئے! صدارت سے پہلے آپ کے پاس کیا کچھ تھا اور وزارت سے پہلے میرے پاس کیا کچھ نہ تھا۔ صدارت کے دوران آپ نے کیا پایا ہے اور وزارت کے دوران میں نے کیا کھویا ہے۔ میں عوام کے سامنے اپنی تمام جائیداد اور دولت کا حساب پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آج درّہ خیبر سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر چٹاگانگ تک ہر سمت سے بھوکے کسانوں، ننگے مزدوروں، قلاش طالب علموں اور مجبور و محکوم عوام کی فریادوں کی آواز آ رہی ہے لیکن ملک میں کوئی دادرسی کرنے والا نہیں ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو ایک نہ ایک دن عوام اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ضرور علمِ بغاوت بلند کریں گے اور اس ملک میں شدید خانہ جنگی اور خون خرابہ ہوگا۔ بھٹو نے کہا کہ یہ میری پیش گوئی نہیں یہ تو عام عقل کی بات ہے۔ کہا جائے گا کہ میں بغاوت پھیلا رہا ہوں اگر ضرورت پڑی تو میں یہ بھی کر گزروں گا۔ ہم انقلاب لائیں گے۔

www.bhutto.org

بھٹو نے صدر پاکستان کو للکارتے ہوئے کہا..... .....خان صاحب! میں بزدل نہیں کہ دفعہ 144 ءاور ڈیفنس آف پاکستان رولز سے ڈر جاؤں۔ میں تمہاری بندوقوں سے نہیں ڈرتا، لے آؤ اپنی بندوقیں، میرے ساتھ پاکستان کے عوام ہیں جو ایٹم بم سے بھی بڑی طاقت ہیں۔ دیکھ لینا میں جمہوریت اور سوشلزم کے قیام کے لئے اپنی عوام کے ساتھ سر پر کفن باندھ کر نکلوں گا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں تو اپنی کشتیاں جلا چکا ہوں آپ کا بھی آرام اور چین جائے گا۔ حکومت نے بیس خاندانوں کی خوشنودی کی خاطر گیارہ کروڑ عوام کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ سودا حکومت کو بہت مہنگا پڑے گا۔ یہ قوم بزدل نہیں ہے۔ یہ قوم ہر ظلم و ستم سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہے۔ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ میری پارٹی ماضی کی پارٹیوں جیسی نہیں ہے۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کی فوج نہیں ہے۔ یہ ایک انقلابی پارٹی ہے جو عوامی پروگرام سے مسلح ہے۔ یہ ہاتھ عوام کے ہیں جو بڑے بڑے ڈکٹیٹروں کو گدی سے اتار پھینکتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ میں دولت مند اور سرمایہ دار ہوں لیکن میں مساوات کا قائل ہوں اسلئے اپنے طبقے کو چھوڑ کر مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور غریبوں میں چلا آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ فرانسیسی انقلاب کے دوران بہت سے امیر لوگوں نے غریبوں کے ساتھ مل کر ظالم آقاؤں کے خلاف جنگ لڑی۔ ایسے لوگ روس کے انقلاب میں بھی موجود تھے، ایسے ہی لوگ چین کے انقلاب میں تھے۔ بھٹو نے کہا کہ میں ان اہل قریش کی طرح ہوں جنہوں نے دولت اور امارت کو ٹھکرا کر رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا اور اسلامی انقلاب برپا کیا۔ میں نے انسانیت کو آزادی، مساوات اور امن کا پیغام دیا ہے اور ایسا ہی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کنونشن میں ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر نے زبردست شہرت حاصل کی۔ ایوب خان کے خلاف تحریک زور پکڑ گئی اور آخرِ کار اُسے اقتدار چھوڑنا پڑا لیکن مارشل لاء کی جگہ ایک اور مارشل لاء آ گیا۔ مشرقی پاکستان کے حالات ٹھیک نہ ہوئے۔ بھٹو کی پیش گوئی کے مطابق پاکستان خانہ جنگی کا شکار ہوا اور دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ بھٹو نے مغربی پاکستان میں اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنے انقلابی پروگرام پر عمل درآمد شروع کیا۔ پرانے نظام کی جگہ نئے نظام کے لئے راہیں ہموار کیں۔ پاکستان کو مضبوط بنانے کے لئے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کے حصول کا معاہدہ کیا۔ یہی معاہدہ ان کی حکومت کے خاتمے کا بھی باعث بنا اور انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ 6 مارچ 1978ء کو انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں جو آئینی عذرداری داخل کی اُس میں لکھا کہ میں غلاموں اور نوکروں کا نمائندہ ہوں۔ میری رائے کے مطابق صرف عوام ہی مملکت کو مناسب سلامتی فراہم کر سکتے ہیں۔ میں مفلوک الحال اور بے گھر

www.bhutto.org

عوام کی نمائندگی کرتا ہوں۔ بھٹو نے وقت کے حکمرانوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ تم امیروں کی نمائندگی کرنا چاہتے ہو۔ میں ٹیکنالوجی پر یقین رکھتا ہوں، تمہارا ایمان ریاکاری پر ہے۔ میرا دستور پر یقین ہے تم دستور کو کاغذ کا ایک پرزہ سمجھتے ہو۔ میں خواتین کی آزادی چاہتا ہوں تم انہیں اندھیروں میں چھپا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تم نے تو ہمارے مقدس مذہب کی تبلیغ کو بھی پراگندہ کر دیا ہے۔ تم پاکستان کو غرناطہ بنانا چاہتے ہو یا کربلا؟ بھٹو نے لکھا کہ مجھ پر طبقاتی منافرت پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جب ایک لیڈر کچلے ہوئے مظلوم عوام کی بات کرتا ہے اور ان کے استحصال کے خاتمے کی بات کرتا ہے تو اس پر طبقاتی منافرت پھیلانے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ جب ایک منتخب حکومت ملک کے بھوکے ننگے اور بے گھر عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ میں نے طبقاتی منافرت نہیں پھیلائی البتہ مظلوم عوام کا علم ضرور بلند رکھا ہے۔ میں اس مقصد کے حصول تک آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ اگر میری زندگی میں ایسا نہ ہو سکا تو مرتے وقت آخری الفاظ میں اپنے بچوں سے وعدہ لوں گا کہ وہ میرے مقصد کی تکمیل کریں۔ میں نے اس ملک کی ہر غریب ماں اور باپ کے محروم ہاتھوں میں جنم لیا ہے۔ میں صدیوں سے روتی ہوئی آنکھوں سے آنسو پونچھنے کے لئے ملک کے سیاسی اُفق پر شہابِ ثاقب کی طرح اُبھرا۔ میں غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لئے علیؓ کی تلوار لے کر آیا۔ مجھے کوئی لالچ اور کوئی دھمکی عوام کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ بھٹو نے لکھا کہ جب تک طبقاتی تضادات کا تاریخی مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ انقلاب کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ انقلاب ایک خوبصورت لفظ ہے۔ انقلاب تاریخ کی قوسِ قزح ہے۔ انقلاب کا مطلب ہے ناانصافی اور عدمِ مساوات کا خاتمہ، استحصال اور آمریت کا خاتمہ، خواتین کی نجات اور نوعِ انسانی کی آزادی، انقلاب کا مطلب ہے جمہوریت پسند عوام کا حقِ خودارادیت، جنوبی افریقہ میں نسل پرستوں کا خاتمہ، فلسطینی ریاست کا قیام اور تیسری دنیا کی مجبور قوموں کے لئے انصاف کے اصولوں پر مبنی نئے عالمی اقتصادی نظام کے قیام کا نام انقلاب ہے۔ بھٹو نے لکھا کہ پرانا نظام دم توڑ رہا ہے۔ پرانا نظام آخری سانسیں لے رہا ہے۔ انقلاب کا مطلب ہے تغیر اور تغیر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا ہے..... ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔

www.bhutto.org

مہنگائی اور افراطِ زر بڑھتی رہے گی

گیارہ نومبر 1959ء کو ذوالفقار علی بھٹو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی دوسری کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر بھٹو نے تیسری دنیا کے ممالک میں غربت کے مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ غریب ممالک میں بنیادی ضروریاتِ زندگی مہنگی کیوں ہیں اور اس میں استحصالی اقوام کا کیا کردار ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھٹو کی تقریر کے بعد حکومتِ پاکستان کو احساس ہوا کہ بھٹو کو نا صرف اقوام متحدہ میں پاکستان کے ''وکیل'' کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے بلکہ اقتصادی امور میں بھی ان سے رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حکومت پاکستان کی خواہش پر بھٹو نے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے متعلق اپنی تجاویز تیار کر کے دیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مضمون کراچی کے انگریزی اخبار ''ڈان'' کی 23 مارچ 1960ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے لکھا کہ پاکستان کی معیشت کی بنیاد زراعت کی ترقی پر رکھی جانی چاہیے اور پاکستان کو ایشیا کا ڈنمارک بنانا چاہیے نا کہ پاکستان ایشیا کا جرمنی بن جائے۔ جس زمانے میں بھٹو نے یہ مضمون لکھا اس زمانے میں جرمنی زبردست اقتصادی بحران سے دوچار تھا۔ بھٹو نے برآمدات میں اضافے کی ضرورت پر زور دیا تا کہ ملک کو زرمبادلہ حاصل ہو۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ عام آدمی کی قوتِ خرید میں اضافہ بہت ضروری ہے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ ایک مؤثر اور مضبوط بجٹ کے بغیر افراطِ زر کی بڑھتی ہوئی شرح پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان میں قدرتی وسائل کی تلاش اور پیداوار کے سلسلے میں پالیسی کو تبدیل کیا اور بعض اہم اقدامات کیے۔ انہوں نے تیل کی تلاش کے سلسلے میں روس کے ساتھ معاہدہ کر کے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ 23 مارچ 1961ء کو ''دی پاکستان ٹائمز'' لاہور میں شائع ہونے والے اپنے

www.bhutto.org

مضمون میں ذوالفقار علی بھٹو نے روس کے ساتھ ہونے والے معاہدے کے متعلق لکھا کہ آج کے دور میں ہمیں تمام تر تعصبات کو پس پشت ڈال کر بین الاقوامی تعاون اور رابطے کو فروغ دینا چاہیے تاکہ نسل انسانی کی فلاح کے لئے مشترکہ کوششیں کی جا سکیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نا صرف ایک سیاستدان بلکہ ''ماہر اقتصادیات'' کے طور پر بھی اپنی پہچان کروا چکے تھے۔ اقتصادی مسائل پر غور کرنے کے باعث ہی ان کے سیاسی نظریات بھی تشکیل پا رہے تھے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ پاکستان کا اقتصادی ڈھانچہ تبدیل کئے بغیر ترقی ممکن نہیں ہے اور اقتصادی ڈھانچے کی تبدیلی پورے سماجی نظام کی تبدیلی سے مشروط ہے۔ اپریل 68 میں پاکستان کی سیاسی صورتحال کے حوالے سے شائع ہونے والے کتابچے میں بھٹو کا ایک مضمون ''جمہوریت اور سوشلزم'' تھا۔ اس مضمون میں بھٹو نے لکھا کہ ہم اقتصادی تباہی کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ سرمایہ دار نوابوں کا ایک مختصر سا طبقہ قومی دولت کو بے دردی سے لوٹ رہا ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ اس فرق کو کم کرنے کے لئے کچھ نہیں ہو رہا یہاں تک کہ موجودہ نظام کو انسانیت نواز سرمایہ داری کی شکل دینے کی بات بھی کوئی نہیں کرتا۔ پاکستان میں کھلی لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ نجی سرمایہ کاری کو سہولتیں دینے کے بہانے ناجائز مراعات دی جا رہی ہیں جن سے استحصال میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک نے ابھی تک اپنی صنعتی بنیاد مستحکم نہیں کی۔ بیرونی امداد کے بغیر پاکستانی صنعتیں بند ہو جاتی ہیں۔ جو تھوڑا بہت زرمبادلہ حاصل ہوتا اس کی خاطر حکومت اپنے خزانے سے مالی امداد دے دیتی ہے اور اس کا اثر زراعت پر پڑتا ہے۔ بیرونی امداد سے قوم کی نجات نہیں ہوتی کیونکہ امداد کے نام پر دیئے جانے والے قرضوں کی واپسی کے لئے قوم کا خون نچوڑ لیا جاتا ہے۔ قرضوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فوجی سامان کی درآمد پر زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے لہٰذا مستقبل قریب میں حالات سدھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ بیرونی امداد کم ہو گئی تو افراط زر کو ہوا ملے گی اور قیمتوں میں اضافہ ہو گا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سیاستدان کی حیثیت سے پہلی مرتبہ عوام کے معاشی مسائل کے حل کی طرف زور دیا۔ لہٰذا 1970ء کے انتخابات میں ان کے معاشی نعرے ''روٹی' کپڑا اور مکان'' کو مقبولیت حاصل ہوئی اور مغربی پاکستان میں ان کی پارٹی نے اکثریت حاصل کی۔ 20 دسمبر 1970ء کو بھٹو نے پنجاب اسمبلی کے باہر چبوترے پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگ تعلیم یافتہ کیوں نہیں ہیں! اس لئے کہ پاکستان میں نظام غلط تھا۔ اس نظام میں بنیادی اقتصادی مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ جب تک یہ نظام ختم

www.bhutto.org

نہیں ہوگا تکالیف بڑھتی جائیں گی۔ کپڑا اور دودھ مہنگا ہو گیا' آٹا مہنگا' گھی مہنگا' ہر چیز مہنگی غریب کہاں جائے۔ اگر یہ نظام تبدیل نہ ہوا تو عوام تباہ ہو جائیں گے۔ ملک تباہ ہوگا۔ جب تک سرمایہ داری نظام ہے مہنگائی بڑھتی رہے گی۔ میں غریبوں کی لوٹ کھسوٹ بند کروانا چاہتا ہوں میرے لئے وہ دن مسرت کا ہوگا جس دن غریبوں کے گھر خوشی کے دیپ جلیں گے۔ جب ہر غریب کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ہم اپنے رومالوں سے پونچھ سکیں گے۔ بھٹو نے برسر اقتدار آنے کے بعد سب سے پہلے مہنگائی پر قابو پانے کی کوشش کی' سرمایہ داری نظام کی قباحتوں کو دور کرنے کے لئے بڑے بینک اور صنعتی ادارے قومیا لئے تا کہ ان اداروں کی اجارہ داری ٹوٹے اور چھوٹی صنعتوں کو بھی فروغ حاصل ہو۔ انہوں نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا اور اپنی زمینیں بھی بانٹ دیں۔ بھٹو نے غیر ملکی امداد پر انحصار کم کرنے کی کوشش کی اور برآمدات کو فروغ دیا۔ مزدوروں' کسانوں اور چھوٹے درجہ کے سرکاری ملازمین کی اجرتوں اور تنخواہوں میں اضافہ کروایا لیکن اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے انہیں صرف چند سال مل سکے۔ ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد مہنگائی اور افراط زر کو لگام دینے والا کوئی نہ تھا اور بھٹو کی پیش گوئی کے مطابق مہنگائی اور افراط زر بڑھتی رہی کیونکہ جس ''غریب دشمن'' اقتصادی نظام کو تبدیل کرنے کا آغاز بھٹو نے کیا تھا وہ آغاز اپنے انجام تک نہ پہنچ سکا۔

www.bhutto.org

مونگ کی دال، دو چپاتیاں اور پُر اَسرار بڑھیا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے قدرت کی طرف سے اشارے کئے جاتے ہیں اور جن لوگوں کی سچائی کے ثبوت قدرت کی طرف سے مہیا ہوں ایسے لوگوں کو قدرت کی طرف سے اتنی بصیرت بھی عنائت کی جاتی ہے کہ وہ چشمِ تصور سے آنے والے حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے تقریباً تین ماہ بعد کی بات ہے۔ بھٹو کو دوبارہ گرفتار کر کے کراچی لایا گیا۔ کراچی جیل کے اندر واقع ریسٹ ہاؤس کو سب جیل قرار دیا گیا اور ریسٹ ہاؤس کی نگرانی کے فرائض اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل راشد سعید کو سونپے گئے۔ راشد سعید بیان کرتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کو یہاں سخت پہرے اور پابندیوں میں رکھا گیا تھا۔ بھٹو جتنا عرصہ یہاں رہے اطمینان سے رہے۔ البتہ ایک دن جب کسی ''اہم'' شخصیت نے ٹیلی فون پر ان سے بات کرنی تھی تو خصوصی طور پر ریسٹ ہاؤس تک ٹیلی فون کے تار بچھائے گئے اور کھمبے لگائے گئے۔ اس ''ٹیلی فون ٹاک'' کے بعد کافی دیر تک بھٹو صاحب غصے میں ٹہلتے رہے اور بڑبڑاتے رہے۔ راشد سعید کہتے ہیں کہ میں بھٹو صاحب کے لئے روزانہ تین چار قسم کے کھانے پکوالیتا تھا۔ ایک دن بھٹو صاحب نے بلایا اور کہا کہ راشد تم میرے لئے روزانہ تین چار قسم کی چیزیں پکوا لیتے ہو کبھی مجھ سے بھی پوچھا کہ میں کیا کھانا چاہتا ہوں۔ راشد سعید نے کہا کہ سر آپ حکم کریں' آپ جو کہیں گے میں پکوا دوں گا۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ اچھا ٹھیک ہے پھر آج میرے لئے مونگ کی دال پکواؤ۔ بھٹو صاحب کی فرمائش سن کر راشد سعید حیران ہو گئے۔ بہر حال راشد سعید نے ان کے لئے مونگ کی دال پکوائی۔ بھٹو صاحب نے مونگ کی دال

www.bhutto.org

تقریباً دو چپاتیوں کے ساتھ کھائی۔ کھانے کے بعد بھٹو صاحب راشد سعید کے پاس آ بیٹھے اور پوچھا کہ تم نے دیکھا کہ میں کتنی روٹیاں کھاتا ہوں راشد سعید یہ سوال سن کر گھبرا گئے لیکن پھر سنبھل کر کہا کہ آپ تو بہت کم خور ہیں۔ راشد سعید نے اتنا ہی کہا تھا کہ بھٹو صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ راشد! گواہ رہنا کہ بھٹو صرف ڈیڑھ دو چپاتی کھاتا ہے۔ یہ پی این اے والے کہتے ہیں کہ بھٹو سارے ملک کو بیچ کر کھا گیا ہے۔ ارے بھائی بھٹو غریب کیا کھاتا وہ تو صرف ڈیڑھ دو چپاتی کھاتا ہے۔ بھٹو نے تو اس ملک کے غرب عوام کی بہتری کے لئے دن رات کام کیا۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کیا اور اپنی صحت کا خیال بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد بھٹو چپ ہو گئے۔ راشد سعید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک بڑھیا نجانے کیسے ریسٹ ہاؤس تک پہنچ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پوٹلی تھی۔ میں نے اسے دروازے پر ہی روک لیا اور پوچھا کہ مائی کہاں جا رہی ہو۔ اس نے کہا کہ تم نے میرے بیٹے کو یہاں قید کر رکھا ہے میں اس کے لئے کھانا لائی ہوں۔ وہ بھوکا ہوگا۔ تم ظالم لوگ تو اس غریب کو کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں دیتے ہو گے..... راشد سعید کے بقول میں سمجھا کہ اس بڑھیا کا کوئی بیٹا جیل میں ہے لیکن یہ غلطی سے ریسٹ ہاؤس کی طرف آ گئی ہے۔ اتنے میں دیگر افسران بھی اکٹھے ہو گئے۔ میں نے مائی سے کہا کہ یہ جیل نہیں ہے تم ادھر جا کر اپنے بیٹے سے مل لو اور اسے کھانا دو لیکن بڑھیا رونے لگی اور کہنے لگی۔

مجھے پتہ ہے جیل کہاں ہے

میں تو اپنے بیٹے بھٹو کی بات کر رہی ہوں۔ جسے تم ظالموں نے یہاں قید کر رکھا ہے۔

یہ سن کر سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ تمام افسران کے سر ندامت سے جھک گئے۔ راشد سعید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن انہوں نے ضبط کرتے ہوئے کہا کہ اماں تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہارے بیٹے کو کھانا دے رہے ہیں۔ تمہارا بیٹا جلد ہی تم سے آن ملے گا۔ لیکن بڑھیا نہ مانی اور کہنے لگی کہ اچھا اگر ایک ماں کو اس کے بیٹے کی شکل نہیں دکھا سکتے تو روٹی ہی اس کو دے دو۔ وہ بھوکا ہوگا۔ راشد سعید کی ذات بڑھیا کے جذبات میں بہہ گئی۔ انہوں نے بڑھیا سے پوٹلی لے لی اور کھول کر دیکھی ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پوٹلی میں تھوڑی سی مونگ کی دال اور دو روٹیاں تھیں۔

راشد سعید کو آج تک اس سوال کا جواب نہیں ملا کہ اس بڑھیا کو کس نے بتایا کہ

www.bhutto.org

ریسٹ ہاؤس میں ذوالفقار علی بھٹو بند ہے اور اسے مونگ کی دال پسند ہے اور وہ دو سے زیادہ چپاتیاں نہیں کھاتا؟ شائد قدرت راشد سعید کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ بھٹو جو کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ بھٹو ایک غریب ماں کا بیٹا تھا اسی لئے اس کے دل میں غریبوں کا درد تھا اور اسی لئے وہ غریبوں کے دلوں میں بھی رہتا تھا۔ لہٰذا ایک ''غریب'' ماں کے لئے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس کا بیٹا بھٹو کہاں نظر بند ہے اور اسے کھانے میں کیا پسند ہے۔ اس واقعے سے بھٹو کے اس قول کی صداقت ثابت ہوتی ہے کہ میں غریبوں کو اور غریب مجھے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

www.bhutto.org

جوہر شناسی اور جوہری توانائی

1974ء کے وسط میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ہالینڈ سے ایک پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا خط موصول ہوا۔ ڈاکٹر قدیر نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ انہوں نے میٹالرجی میں ڈاکٹریٹ کر رکھی ہے۔ نیز وہ یورینیم کی افزودگی جیسے پیچیدہ اور مشکل ترین کام میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر خان نے فلزیات کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھ رکھی تھی۔ ڈاکٹر خان نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے وطن کی خدمت کے جذبہ سے کراچی سٹیل مل میں حصولِ ملازمت کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔ لیکن سٹیل مل کے افسران میری خدمات سے استفادہ نہیں کر رہے اور نہ ہی انہوں نے مجھے کوئی جواب دیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا خط پڑھنے کے بعد فلزیات کے موضوع پر ان کی کتاب منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا۔ دریں اثناء انہوں نے اپنے سفارتی ذرائع اور خفیہ اداروں کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ بھٹو نے ڈاکٹر خان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر جے بی خرامن کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پیغام بھجوایا کہ وہ پاکستان آ کر میرے ساتھ ملاقات کریں۔ دسمبر 1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کراچی آئے اور انہوں نے وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر امتیاز سے رابطہ قائم کیا۔ بریگیڈیئر امتیاز نے وزیراعظم بھٹو کو ڈاکٹر خان کی آمد سے مطلع کر دیا۔ وزیراعظم نے ڈاکٹر قدیر کو فوراً اسلام آباد طلب کر لیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر قدیر سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں یقین دلایا کہ صرف سات سال میں وہ اپنا "مقصد" حاصل کر سکتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی صورت میں اپنے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر نظر آ رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو اکتوبر 1958ء سے پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے وابستہ تھے جب

www.bhutto.org

انہیں دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ایٹمی توانائی کمیشن کا بھی انچارج بنایا گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو اکثر اوقات اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے کہ پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانا بہت ضروری ہے اسی میں ہماری قوم کی بقاء ہے ورنہ اس خطے میں طاقت کا توازن برابر نہ ہوا تو جنگ کے بادل ہمیشہ ہمارے سروں پر منڈلاتے رہیں گے۔ چنانچہ جب بھٹو کی ملاقات ڈاکٹر قدیر سے ہوئی تو انہوں نے ہر قسم کا اطمینان کر لینے کے بعد ڈاکٹر قدیر کو یقین دلایا کہ حکومتِ پاکستان ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرے گی۔ بعد ازاں ڈاکٹر قدیر کو ایٹمی توانائی کمیشن کے متعلق تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ ڈاکٹر قدیر کچھ دنوں کے بعد واپس ہالینڈ چلے گئے اور وہاں سے ایک سال تک ہدایات بھجواتے رہے۔ دسمبر 1975ء میں انہوں نے وطن واپس آ کر اپنے کام کے متعلق پیش رفت کا جائزہ لیا تو انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ ڈاکٹر قدیر نے جس منصوبے پر کام شروع کروایا تھا وہ ایک ایسے الیکٹریکل انجینئر کے سپرد کیا گیا تھا جو یورینیم کی افزودگی کے منصوبے کو سمجھنے کی صلاحیت سے عاری تھا۔ ڈاکٹر قدیر نے بھٹو سے دوبارہ ملاقات کی اور منصوبے سے وابستہ افراد کی نااہلی کا صاف صاف بتا دیا۔ ڈاکٹر قدیر نے مایوسی کے عالم میں بھٹو سے کہا کہ وہ اب پاکستان چھوڑ دیں گے لیکن بھٹو کسی قیمت پر ڈاکٹر قدیر کو نہیں کھونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ڈاکٹر قدیر پاکستان میں رہ کر کام کریں۔ آخر کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر قدیر نے بھٹو کی بات مان لی اور مئی 1976ء میں حکومتِ پاکستان نے ڈاکٹر قدیر کی خدمات بطور مشیر ایٹمی توانائی کمیشن حاصل کر لیں لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ڈاکٹر قدیر نے محسوس کیا کہ ایٹمی توانائی کمیشن میں کاغذی کارروائیاں زیادہ ہوتی ہیں تو انہوں نے مایوسی کا اظہار شروع کر دیا۔ بھٹو صاحب کو پتہ چلا کہ ڈاکٹر قدیر مطمئن نہیں ہیں اور واپس بیرون ملک جانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ بھٹو نے ڈاکٹر قدیر کو دوبارہ بلایا اور ان کی دلجوئی کی۔ ڈاکٹر قدیر نے بھٹو کو بتایا کہ وہ اپنے مقاصد کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ 31 رجولائی 1976ء کو بھٹو کے حکم پر وزارت دفاع میں ڈاکٹر قدیر کی براہ راست نگرانی میں کہوٹہ پراجیکٹ پر کام شروع کیا گیا۔ مارچ 1977ء میں اس پراجیکٹ پر تعمیراتی کام شروع ہوا لیکن چند ہی مہینوں کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نئے آنے والے فوجی حکمران ڈاکٹر قدیر کی صلاحیتوں سے واقف تھے لہٰذا انہوں نے ڈاکٹر قدیر کو ان کے کام میں مگن رہنے دیا۔ ڈاکٹر قدیر بھی اپنے منصوبے پر تیزی سے کام کر رہے تھے۔ مئی 1979ء میں جب ہر کسی کو یقین ہونے لگا کہ بھٹو کو پھانسی دے دی جائے گی تو ڈاکٹر عبدالقدیر پریشان رہنے لگے۔ ڈاکٹر قدیر نے اپنے کچھ دوستوں سے مشورہ کیا اور کہا کہ وہ صدر ضیاء سے بھٹو کی جاں بخشی کی اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ انہی دنوں

www.bhutto.org

ان کی صدر سے ملاقات بھی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر قدیر نے دس صفحات پر مشتمل ایک دستاویز تیار کی جس میں بھٹو کو پھانسی کی سزا نہ دینے پر زور دیا گیا۔ زاہد ملک نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم'' میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو یقین تھا کہ اگر صدر نے میری معروضات پڑھ لیں تو بھٹو پھانسی سے بچ جائیں گے لیکن 4/اپریل 1979ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی کے تقریباً ایک ماہ کے بعد ڈاکٹر قدیر کی جنرل ضیاء سے ملاقات ہوئی تو جنرل صاحب نے کہا کہ میں نے آپ کی معروضات پڑھ لی تھیں۔ آپ ایٹمی سائنس دان کے علاوہ ایک اچھے وکیل بھی ہیں۔ دراصل ڈاکٹر قدیر یہ جانتے تھے کہ اگر بھٹو صاحب انہیں مجبور نہ کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تو وہ اس وقت پاکستان میں نہ ہوتے۔ ڈاکٹر قدیر یہ بھی جانتے تھے کہ ذوالفقار علی بھٹو ایٹمی توانائی کے حصول کی کتنی خواہش رکھتے تھے۔ انہیں فرانس سے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ حاصل کرنے کے لئے بھٹو کی تگ و دو کا بھی پتہ تھا اور بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد اس پلانٹ کے حصول کے معاہدے کی منسوخی پر بھی افسوس تھا۔ ڈاکٹر قدیر کو ایٹمی پروگرام سے متعلق بھٹو کے بہت سے منصوبوں اور ارادوں کا پتہ تھا۔ بھٹو بعض اسلامی ممالک کے تعاون سے اپنے پروگرام کو مزید فروغ دینا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر قدیر جانتے تھے کہ بھٹو جس کام کو کرنے کا ارادہ کر لیں اسے ضرور کرتے ہیں لہٰذا انہیں یقین تھا کہ بھٹو اگر زندہ رہے تو پاکستان سمیت تمام عالم اسلام ایٹمی توانائی حاصل کرنے کے قابل ہو جائے گا..... لیکن افسوس کہ بھٹو کو زندہ نہ رہنے دیا گیا..... لیکن ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بعد کے سالوں میں آہستہ آہستہ وہ کچھ کر دکھایا جو ذوالفقار علی بھٹو چاہتے تھے۔ بھٹو کو ڈاکٹر قدیر سے جو امیدیں وابستہ تھیں وہ پوری ہوئیں..... تاریخ نے ثابت کر دیا کہ ذوالفقار علی بھٹو اپنی فہم و فراست سے نا صرف آنے والے حالات کے بارے میں اندازہ لگا لیتے تھے بلکہ ان میں ''جوہر شناسی'' کی صلاحیت بھی تھی۔ انہیں یہ بھی پتہ ہوتا تھا کہ کون سا آدمی ان کے ارادوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان بلاشبہ دورِ حاضر کے عظیم سائنس دان ہیں اور اس عظیم سائنس دان کی پاکستان کے لئے دریافت کا سہرا ذوالفقار علی بھٹو کے سر ہے۔ ان کی جوہر شناسی کے باعث پاکستان جوہری توانائی کے حصول کی منزل کے قریب پہنچ گیا۔

پھر 28 مئی 1998ء کو وہ دن بھی آیا جب پاکستان ایک ایٹمی قوت بن گیا۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ذریعہ شروع کیا اور ایٹمی دھماکوں کا اعزاز نواز شریف کو حاصل ہوا۔ یہاں بہت افسوس کے ساتھ اس تاریخی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذوالفقار علی

www.bhutto.org

بھٹو، ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور نواز شریف نے پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنانے کیلئے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں لیکن یہ تینوں مختلف ادوار میں فوجی ڈکٹیٹروں کے عتاب کا نشانہ بنے۔ بھٹو صاحب کو جنرل ضیاء الحق نے عدالتوں کے ذریعہ قتل کر دیا، نواز شریف کو امریکی دباؤ مسترد کر کے ایٹمی دھماکے کرنے کا صلہ یہ دیا گیا کہ اکتوبر 1999ء میں اُنکا تخت اُلٹ کر ہتھکڑیاں لگا کر جیل بھیج دیا گیا اور بعدازاں جلاوطن کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو 2004ء میں جنرل پرویز مشرف نے قربانی کا بکرا بناتے ہوئے اُن سے ٹیلی ویژن پر کچھ اعترافات کروائے اور پھر اُنہیں اُنکے گھر پر نظر بند کر دیا۔ پرویز مشرف کی کوشش تھی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو امریکا کے حوالے کر دیا جائے لیکن 2004ء میں وزیراعظم ظفراللہ جمالی نے ڈاکٹر قدیر کو امریکا کے حوالے کرنے کے فیصلے کی تائید سے انکار کر دیا جس کے بعد جمالی صاحب کی چھٹی کروا دی گئی۔ وہ جوہر جسے بھٹو بیرون ملک سے ڈھونڈ کر لائے تھے بھٹو کی پھانسی کے بعد فوجی حکمرانوں کے ہاتھوں اُس جوہر پر اپنوں نے کیچڑ اُچھال کر دنیا بھر میں پاکستان کو ایک تماشا بنا دیا۔

www.bhutto.org

پاکستان، ایران اور ترکی کا اتحاد

ذوالفقار علی بھٹو کی 1948ء سے یہ خواہش تھی کہ اسلامی ممالک کے درمیان کنفیڈریشن قائم کی جائے۔ یکم اپریل 1948ء کو یونیورسٹی ساؤتھرن کیلیفورنیا میں انہوں نے ''اسلام کی تہذیبی میراث'' پر لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ آنے والے سالوں میں اسلامی ممالک کو جمہوریت اور سوشلزم کے اصول اپنانے ہوں گے اور اگر ایسا ہو گیا تو ان میں کنفیڈریشن قائم ہو سکتی ہے۔ 1974ء میں منعقد ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسلامی ممالک کو قریب لایا جائے۔ بھٹو نے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے محدود سطح پر اسلامی ممالک کے اتحاد اور پھر ایک بڑے اتحاد کی کوششیں کیں۔ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان اپنے ہمسایہ اسلامی ممالک ایران اور ترکی سے اتحاد کر لے۔ ان کا خیال تھا کہ مستقبل قریب میں یہ اتحاد ناگزیر ہے۔ 19/اپریل 1976ء کو انہوں نے اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا۔ یہ مضمون ان کے نظریات کا مکمل آئینہ پیش کرتا ہے۔ مضمون کا متن درج ذیل ہے۔

ایران' پاکستان اور ترکی کی تہذیب ایک ہے۔ ان کی ثقافتوں پر ایک مشترکہ مذہب کی چھاپ ہے۔ ان کا تاریخی پس منظر ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ ان کی زبانیں گواہ ہیں کہ ان کے خیالات بھی یکساں ہیں۔ ان کے آرٹ اور ادب ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ان کے معاشرے کی قدریں ایک جیسی ہیں دراصل ان کے تہذیب و تمدن کی ہم آہنگی' اس ہم آہنگی سے کہیں زیادہ ہے جن کا مغربی قومیں اپنے بارے میں فخریہ دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ ثقافتی بھائی چارہ بعض تاریخی' معاشی اور سیاسی اسباب کی بنا پر اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ مغربی یورپ کے ملکوں کے برعکس ہم سے کسی بھی دو ملکوں نے کبھی بھی ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کی۔ ماضی قریب کی ایسی کوئی تلخ یادیں نہیں جنہیں بھولنے کی ضرورت ہو اور نہ ہی ہماری ترقی پذیر معیشتوں پر کوئی رقابت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی ایسی چپقلش جو صنعتی ترقی یافتہ

www.bhutto.org

ملکوں میں ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے تحفظ کے مسائل اور سلامتی کی ضرورتیں یکساں ہیں کیونکہ ہمیں ایک ہی قسم کے حقیقی یا ممکنہ چیلنج کا سامنا ہے اور آخری بات یہ کہ آج بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا کہ تینوں ملک جارحیت کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ ترکی پر پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں حملہ ہوا۔ اس کے بڑے حصے پر قبضہ کیا گیا اور 1974ء میں ناقابل برداشت حد تک دباؤ ڈالا گیا۔ ایران پر بھی دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے بعد حملہ ہوا اور اس کے کئے علاقوں پر غیر ملکی قبضہ ہوا۔

پاکستان کو 1947ء سے تین بار جنگوں میں گھسیٹا گیا جس کی امداد غیر ملکی حلقوں نے کی اور آخر کار اس کا مشرقی بازو اس سے کٹ گیا۔ ان تمام عوامل نے ان تینوں ملکوں میں عوامی سطح پر ایک برادرانہ جذبہ پیدا کر دیا ہے اور یہ ہم آہنگی آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کی ایک سمت خود بخود طے ہوگئی ہے کیا اب یہ تینوں ملکوں کی قیادت کا اخلاقی فرض نہیں ہے کہ وہ عوام کے برادرانہ جذبات کو اتنا مربوط کر دیں کہ وہ آج کے دور کے ہر دباؤ کا مل کر مقابلہ کر سکیں؟ سوال یہ ہے کہ آج کی دنیا اور علاقائی اتحادوں کی بدلتی نوعیت میں ہمارا کیا مقام ہے؟۔

اب ہم ایسے عہد میں داخل ہو گئے ہیں جبکہ 1950ء اور 1960ء سے مختلف اصطلاحیں استعمال ہونے لگی ہیں۔ بھرپور ایٹمی جنگ کے امکانات پیدا ہوتے ہی (SUPER POWERS) سپر پاورز کے تعلقات 1950ء کی دہائی میں سرد جنگ کے بجائے بقائے باہمی کی طرف لوٹے اور اب 70ء کی دہائی میں اس کو DETENTE یعنی باہمی مفاہمت اور صلح جوئی کا نام دیا گیا ہے۔ DETENTE خاصا ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ سپر پاورز کے معاملے میں تین عناصر نمایاں ہیں تعاون' مسابقت اور تصادم۔ مستقل یا عارضی ہر عنصر بدلتی ہوئی صورتحال میں سامنے آتا ہے لیکن بین الاقوامی امور کے وسیع تر میدان میں DETENTE دنیا کے بیشتر ملکوں کے کسی کام کا نہیں۔ اگر اس کا مقصد صرف فوجی شعبے میں مسابقت کو کنٹرول کرنا ہو اور سیاسی طور پر محتاط رہا جائے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کرے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں بحران نہ پیدا کئے جا سکیں اور پھر ان ''سپر پاورز'' کے حق میں کام لیا جائے اور نہ ہی سپر پاورز کے حلقہ بگوشوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ چھوٹے ملکوں کو اپنی ہم نوائی پر مجبور نہ کیا جائے لیکن چونکہ اب تک ایسا نہیں ہوا ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس پر آشوب دور میں کسی کا پلہ بھاری ہے اور کسی کا کمزور۔ کہیں علیحدگی ہے کہیں کسی پر مکمل انحصار' کہیں بقائے باہمی ہے تو کہیں محاذ آرائی۔ اس نئے DETENTE کو ہر قسم کے معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے بین الاقوامی تعلقات پر طاقت کے مراکز کا اچھا اثر پڑے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے بعض ان علاقائی طاقتوں کو بھی

www.bhutto.org

دوسروں پر اقتدار جمانے کا شوق چرائے جوایٹمی طاقتوں اور سپر پاورز جیسی احتیاط کی پابند نہیں۔ نتیجہ یہ کہ استحکام اور انتشار میں بال برابر کا ہی فرق رہ جاتا ہے۔ اس لائن کو پار کر کے کوئی بھی فوج گردی کی شوقین علاقائی طاقت جس کو یقین ہو کہ اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی' توازن کو تباہ کر سکتی ہے۔ ایک دفعہ کسی نے نہ پوچھا تو یہ طاقت جب چاہے گی ہمسایہ ممالک پر چڑھ دوڑے گی خود اپنی مرضی سے یا کسی کے کہنے پر۔

آج کے دور کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ امن وسکون کی بہت پتلی سی سطح کے نیچے کشیدگی اور کشمکش دکھائی دے رہی ہے۔ (ہلسنکی) HELSINIKI کانفرنس نے یورپ میں ان علاقوں کی نشاندہی کر دی ہے جن پر سب متفق ہیں لیکن اس کانفرنس کے فوراً بعد ہی اس کی مختلف حلقوں میں مختلف تاویلات شروع کر دیں ہر کوئی اپنے لئے زیادہ سے زیادہ زیر اثر علاقوں کی باتیں کرنے لگا۔ بہر حال دوسرے علاقوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ان میں تصادم ہو یا جوابی حملے یا باہمی افہام وتفہیم ہو یا سپر پاورز کا متوازی اقتدار واثر۔

خود یورپ کی صورتحال بھی بالکل واضح نہیں جہاں کسی وقت پر نامعلوم جگہ پر بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ طے یہ ہے کہ روس اور مشرقی یورپ کے تعلقات قدرتی یعنی دوستانہ ہوں گے مگر یہاں بھی اختلافات ابھرتے رہتے ہیں۔ مغربی حلقہ اثر کے نیٹو ممالک میں بعض میں کمیونسٹ برابر اپنے حصے کی طاقت حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ ایک امریکن مدبر سابق نائب وزیر خارجہ نے کہا کہ یہ تحریک جاری رہے گی۔ دوسری طرف امریکی وزیر خارجہ نے اس صورتحال کو ناقابل برداشت قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح نیٹو کے استحکام اور ممبر ملکوں کے مشترکہ دفاع پر برا اثر پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ یورپ میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کا امریکی وعدہ گو اصول اور جغرافیائی حقائق پر تھا لیکن نئی صورت میں وہ اخلاقی جواز ختم ہو جائے گا جو تیس سال سے موجود رہا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ نے کہا کہ اس طرح ''میثاق اوقیانوس'' میں نقطہ انقلاب کا آغاز ہو جائے گا۔ اس میثاق پر بحیرہ روم کے خطے میں جو اثرات پڑ رہے ہیں انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے خطوں کی تو کیا بات ہو خود یورپ' جو سب سے پختہ کار اور بالغ نظر خطہ ارض سمجھا جاتا ہے وہاں ایسے سوالات پیدا ہو گئے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں سوجھتا۔ مشرق وسطیٰ بد دستور دنیا کی شدید ترین کشیدگی کا علاقہ بنا ہوا ہے۔ اس کا تجزیہ کرنے کے لئے یہی کہہ دینا کافی نہیں کہ وہاں قیامِ امن کی کوششیں سست پڑ گئی ہیں بلکہ وہاں پر دوسرے بھی بہت سے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں مصر کی صورتحال پر مغرب کا ردِ عمل' لبنان کی طویل خانہ جنگی' صحرا کا جھگڑا' اسرائیل کی طرف سے ایٹمی خطرہ اور

www.bhutto.org

- خود عربوں سے نا اتفاقی شامل ہیں۔ عرب اتحاد میں جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے اس پر بھی تشویش کے ساتھ بات کر رہا ہوں۔ اگر اسرائیل خطرے کے باوجود عرب متحد نہ ہوئے تو پوری تیسری دنیا کا مستقبل تاریک ہو گا۔ امن کے توازن کو شدید ترین نقصان پہنچے گا' تاریکی چھا جائے گی لہٰذا مشرق وسطیٰ ایسا مسئلہ ہے جس پر پوری سنجیدگی اور حقیقت پسندی سے غور کر کے اس سے نمٹنا ہو گا۔ ویت نام کی جنگ کے بعد شرقی ایشیا ایسا خطہ ہے جہاں بعض طاقتیں مکمل تبدیلی جلد یا بدیر لا سکتی ہیں۔ وہاں ایک تیسری کمیونسٹ طاقت اُبھرنے کے علاوہ کچھ ایسے عوامل بھی ہیں جنہیں ایک خطے تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ خطہ چین اور جاپان کے جنوب کا علاقہ ہے اور جنوبی ایشیا برِ صغیر تک پھیلا ہوا ہے۔

افریقہ میں بھی ابھی تک حالت ڈانواڈول ہے۔ جنوبی افریقہ میں سفید فاموں کے بچے کھچے حکمران اب تک موجود ہیں۔ وہ ایٹمی طاقت بننا چاہتے ہیں قوم پرست اور تحریکِ آزادی کے افریقیوں کے وسائل محدود ہیں۔ اس لئے انگولا کی طرح غیر ملکی مداخلت کی ضرورت پڑی۔ افریقی ممالک مشترکہ مقاصد پر باہم متفق نہیں ہو سکے۔ افریقی ادارہ آپس کے اختلافات ختم نہیں کرا سکتا بالکل ایسے جس طرح عرب ادارہ عربوں کے اختلافات ختم نہیں کرا سکا۔ واضح رہے کہ افریقہ کی صورتحال میں بہت گڑبڑ پائی جاتی ہے۔ لاطینی امریکہ پر نظر ڈالیں تو وہاں بعض لوگوں کے کہنے پر حکومتیں مسلط کی جاتی ہیں اور برسرِ اقتدار لائی جاتی ہیں۔ ایسے علاقے میں دوسروں کے ساتھ تعلقات بھلا کیسے متعین کئے جا سکتے ہیں؟ یہ دور ایسا نہیں کہ جس میں کالے اور سفید کی صرف باتیں کی جائیں۔ اس میں اخلاقیات کی خانہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اس میں لچک کی ضرورت ہے یہ تبدیلیوں کا دور ہے روز مرہ تبدیلیوں کی رعایت سے متحرک قومیں اپنی پالیسیاں بدلتی رہتی ہیں تاکہ وہ وقت کے پیچھے نہ رہ جائیں۔ حرکت میں برکت ہے ایک ریاست دوسری کے ساتھ اپنی دوستی ختم نہیں کرتی بشرطیکہ یہ تیسری مملکت کے ساتھ تعلقات میں لچک رکھتی ہو۔

ایران' پاکستان اور ترکی کی بدلتی ہوئی سیاسی اور فوجی حقیقتوں کے پیشِ نظر بہت ضرورت محسوس ہو گی کہ ہم ان پالیسیوں پر نظرِ ثانی کریں جن پر ہم اب تک عمل پیرا رہے ہیں۔ وقت ہمیشہ ہمارے لئے سازگار اور ٹھہرا ہوا نہیں رہے گا اگر ہم نے آنے والے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے وسائل کو زیادہ سے زیادہ یکجا کرنے کی کوشش کا وقت ضائع کر دیا تو وقت ہمارے قومی ورثوں اور اُمنگوں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا اگر ہمارے وسائل منتشر رہے تو پھر ہم ایک خیال کو ٹھوس حقیقت نہیں بنا سکتے' شاعری کو سیاست میں نہیں بدل سکتے اور رومانس کو حقیقت میں تبدیل نہیں کر سکیں گے۔ میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ ایک عظیم نقصان ہو گا

www.bhutto.org

ناقابل تلافی نقصان۔ یہ نقصان ہمارے اور دوسری قوموں کے لئے ہی نہیں ہوگا بلکہ ساری دنیا میں امن و ترقی کی طاقتوں کا نقصان ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ کرنا ہوگا کہ ہر ملک کو انفرادی سطح پر عالمی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے تعلقات کو از سرِ نو متعین کرنا ہوگا۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہی نہیں بلکہ وسیع تر سطح پر۔

ہم سینٹو (CENTO) اور آر سی ڈی میں شامل رہے ہیں ہم ایسی رتھ پر سوار رہے ہیں جسے تین گھوڑے کھینچتے رہے ہیں لیکن چلتے رہے وہ پہیوں پر۔ گذشتہ ربع صدی کی سیاسی' معاشی اور فوجی زمین پر دونوں پہیوں میں سے کوئی بھی پوری طرح حرکت میں نہیں آیا۔ ان اداروں کی قدرتی صلاحیت کا جائزہ لے کر بات کھل کر سامنے آجائے گی۔ یہ کہنا کسی پر حرف گیری کرنا نہیں ہے کہ سینٹو کا ادارہ کبھی ایران' ترکی اور پاکستان کا اجماع ثابت نہ تھا گو اس سے ہمارے تین ملکوں کو باہمی رابطہ قائم کرنے کا اچھا موقع ملا تاہم اس کی بنیادیں ان عالمی حالات میں پیوست تھیں جو یکسر بدل چکے تھے اس لئے اس کی ناکارکردگی بھی ظاہر ہے۔ ایک علاقائی ممبر پر دو مرتبہ حملے ہوئے مگر یہ ادارہ کوئی مدد نہ کر سکا اور جیسا کہ ہز میجسٹی شہنشاہ ایران نے کہا کہ غیر ملکی فوجوں نے بین الاقوامی سرحدیں پار کر لیں اور سینٹو کا ادارہ محض دیکھتا رہا۔ اس ادارے کی سب سے بڑی خرابی یہ رہی ہے کہ اس کے غیر علاقائی ممبروں کی پالیسی علاقائی ممبر ممالک کی ضروریات کو سمجھنے سے یکسر ناکام رہی۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے جس پر جھگڑنا بیکار ہے۔ علاقائی اور غیر علاقائی ممبروں کے اندازِ فکر کے فرق کو مشاورتی ذریعے سے دُور کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ متعلقہ مشینری بہت سُست گام ہے اور اس کے تحت کسی ہنگامی حالت میں کوئی فوری کارروائی نہیں ہو سکتی۔ سینٹو کی ساخت کے اس نقص کے علاوہ' حقیقت اور بھی اہم ہے جبکہ فوجی صورتحال بہت بدل چکی ہے' اس قسم کا ادارہ اور بے اثر ہو گیا ہے۔

تینوں ملکوں کے درمیان دوسرا ادارہ جاتی رابطہ آر سی ڈی ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ ادارہ بھی توقعات پر پورا نہیں اترا۔ گزشتہ بارہ سال سے یعنی جب سے آر سی ڈی کا ادارہ قائم ہوا ہے اس کے مقاصد اور پروگراموں میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ یہ ادارہ آگے بڑھنے کے بجائے ابھی تک اپنے خول ہی میں ہے۔ ذمے دار لوگوں کو اگر بتایا جائے کہ آر سی ڈی کے مقاصد کیا تھے' امکانات کیا تھے اور کام کیا ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ اس ناکامی کا باعث کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہم اس کے سیکرٹریٹ کو دوش نہیں دے سکتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم سنجیدگی کے ساتھ علاقائی تعاون اور ترقی پر یقین رکھتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر کیا ہم سیاسی عزم کے ساتھ اس کو بلندیوں تک پہنچا سکتے ہیں؟

ہمارے دَور کی زبردست تاریخی تبدیلیوں کا تقاضا ہے کہ سینٹو اور آر سی ڈی کے لئے نیا اندازِ فکر

www.bhutto.org

پیدا کریں۔ بہت سے مسائل کا آج یا کل سامنا کرنا ہوگا۔ سیٹو اور سینٹو کو ڈاکٹر کسنجر نے 1962ء میں وقتی قرار دیا تھا اس کے بعد عالمی حالات نے دو قومی اداروں کے ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ نئے دور کے نئے تقاضوں کو سامنے رکھ کر سوچنا ہوگا عالمی صورتحال فعالیت ہے۔ DETENTE کے الٹ پھیر' نیٹو کی اپنی داخلی صورتحال' غرضیکہ تمام تبدیلیاں نئے انداز فکر کی متقاضی ہیں۔ اس نقطۂ نظر کو پہلے سے کئے گئے دو طرفہ معاہدات کو نقصان پہنچائے بغیر اپنایا جا سکتا ہے۔ ان کو ختم کرنے سے انتشار پھیلے گا جبکہ ضرورت اتفاق اور اتحاد کی ہے۔ اپنے فائدے کے لئے اور دنیا کے اپنے بہتر عزائم ثابت کرنے کے لئے پاکستان' ایران اور ترکی کو مؤثر اتحاد اور مضبوط نظام تعاون قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا ان ہمسایہ ملکوں پر بھی اچھا اثر پڑے گا جو ہمارے ہم مذہب ہیں۔ ان کے مقاصد اور ان کی امنگیں ہمارے ہی جیسی ہیں اس سے حلقے میں شک وشبہ پیدا نہیں ہوگا اگر ہوگا تو وہ پہلے بھی تھا۔ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ میں اس بارے میں جو شکوک تھے وہ پہلے ہی دور ہو چکے ہیں۔ اب تبدیل شدہ حالات میں آر سی ڈی بہت بڑے پیمانے پر تعمیری' تخلیقی کام کر سکتی ہے۔ ان تینوں ملکوں کو اب کسی نئے میثاق کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ایسے ادارے کی ہے جو وقت کے تقاضوں کا جواب ثابت ہو اور علاقے کی سلامتی اور استحکام کا ضامن ہو۔ ترقی کی رفتار کو تیز تر کر سکے۔ یہاں انتشار پھیلا تو ایک سے زیادہ براعظم اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ اپنے آپ پر خود بھروسہ کرنا اور خود صلاحیت اس کام کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہمیں دوسری طاقتوں پر انحصار کرنے کی پرانی عادت بھی ترک کرنی ہوگی۔ اپنی ضرورتیں خود پورا کرنے کے قابل بننے کی ضرورت ہے۔ غیر ممالک نے نازک وقت پر ضروری اشیاء کی فراہمی بند کر کے ہمیں بہت مصائب میں گرفتار کیا ہے ہمیں ان تجربات سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہمارے وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ ''سپر پاورز'' تک جن کے وسائل لامحدود' باہمی سلامتی اور معاشی انتظامات کے سمجھوتے کرتی ہیں اس خطے کے لئے تو یہ ضروری ہے جس کے دفاع کو حصوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ دوست ملک ایک دوسرے کی صنعتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ چودہ کروڑ آبادی کا ہمارا خطہ جو تین ملکوں پر مشتمل ہے ایک دوسرے کے ہاں سرمایہ لگا کر' فنی سہولتیں بہم پہنچا کر' مشترکہ صنعتی منصوبوں کے ذریعے ایک انقلاب لا سکتا ہے۔ ہر ملک کی ضرورت اس باہمی تعاون سے پوری ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مغربی یورپ دو سپر پاورز کے درمیان توازن رکھنے کے لئے طاقت کا مرکز بننا چاہتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ معیشت کے اعتبار سے مغربی یورپ کے ممالک ایک سطح پر ہیں لیکن ترقی کے اس فرق نے انہیں معاشی طور پر مربوط ہونے اور سیاست میں اپنی پالیسیوں کو ہم آہنگ کرنے سے نہیں روکا۔

www.bhutto.org

ایک اور اہم نکتہ ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے اس وقت غیر وابستہ ملکوں کی تعداد بیاسی ہے اس میں ہر طرح کے ملک ہیں اپنے اختلافات کے باوجود یہ ممالک عالمی سطح پر جمع ہو کر ہم آہنگی کے ساتھ اپنا تشخص اور مسائل پیش کرتے ہیں۔ اب اس گروپ نے سلامتی' سیاسی اور فوجی تعاون اور ہر ملک میں آزادی اور ہر جگہ آزادی کی تحریکوں کا موقف اختیار کیا ہے۔ اگر غیر وابستہ ملکوں یعنی بھان متی کے کنبے جیسے گروپ نے سیاسی اور نیم فوجی تعاون کی باتیں شروع کر دی ہیں تو اس سے بڑا المیہ کیا ہوگا کہ ہم تینوں ملک جو ایک لائن میں ہیں' سرحدیں ملتی ہیں' کوئی باہمی جھگڑے نہیں' ہم مل کر وقت کے بحرانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں؟ ہم کل از میر جا رہے ہیں۔ غیر وابستہ ملکوں کا جلسہ کولمبو میں یکم اگست سے ہوگا۔ وہ کوئی دنیا کو ہلا کر نہیں رکھ دیں گے لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ پہلے اسی گروپ نے فوجی معاہدوں اور فوجی مہموں کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ اس نے دنیا کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ وہ امن کا پیغامبر ہے اور بین الاقوامی کشیدگیاں ختم کرنا چاہتا ہے لیکن اب ان میں سے بعض ایک دوسرے کو فوجی امداد دینا چاہتے ہیں یعنی عدم وابستگی کے بالکل برعکس اور دنیا کے کسی بھی حصے میں آزادی دلوانے کے لئے جانے کو تیار ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس میں اقوام متحدہ کا منشور آڑے نہیں آتا' عالمی قانون اور اقوام متحدہ کے منشور کے خلاف یہ ممالک دنیا کے پولیس مین Police man بننا چاہتے ہیں جو ملک بڑی طاقتوں کی مداخلت کے خلاف تھے۔ وہ خود مداخلت کر کے بڑی طاقت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کولمبو میں انہی خطوط پر ایک منشور منظور کر لیا جائے گا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایسا ہوا تو یہ صرف غیر وابستہ ملکوں کے مفاد کے خلاف ہوگا بلکہ عدم وابستگی کے اصول کی دھجیاں بکھیر کر اس کا مذاق اڑائے گا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں کچھ خدشات یا عزائم ہیں دیکھئے وہ ان کا جواب کس طرح دیتے ہیں؟

ہمارے تینوں ملکوں کے وسائل ایسے ہیں کہ تینوں ایک دوسرے کے وسائل کو کام میں لا سکتے ہیں۔ ایسا شاید ہی دنیا کے کسی اور خطے میں ہو۔ اگر ہم فوجی معاملات سے ہٹ کر اپنے معاشی وسائل کو ساتھ ملا کر اپنے کام میں لائیں تو کسی کو مشتعل نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ ڈلس DULLES کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ ہم عہد کریں کہ اپنی مشترکہ ثقافت کا دفاع کریں گے۔ معاشی' سیاسی' نظریاتی اور فوجی سطح پر ہر قسم کے چیلنج کا جواب دیں گے تو اس میں کیا جرم ہے؟ یہی نہیں ہمارے دوست اس قسم کے انتظام کا خیر مقدم کریں گے۔ یہ ہمارے عوام کا عزم ہوگا قابل احترام عزم و عہد۔ میں اس ادارے یا انجمن کے مستقبل کے بارے میں جو تصور رکھتا ہوں وہ فوجی اعتبار کی سوچ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کا تعلق آج کی دنیا کے تقاضوں اور ضرورتوں سے ہے۔

www.bhutto.org

اگر بین الاقوامی بساطِ سیاست پر سیاسی، سماجی اور نفسیاتی عناصر کو ان کے مناسب مقام پر نہ رکھا جائے تو فوجی اسلحہ کا اصول بھی اس چیلنج کا صحیح جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہمارے دَور کے خطرات کو دُور کر سکتا ہے۔ ''اتحادِ ثلاثہ'' کو نئی وسعتیں اور گہرائی بخشنے کے لئے ہمارے حقائق کو سامنے رکھ کر ان کا حقیقت پسندانہ اور موثر جواب تلاش کرنا ہوگا۔ میرا یقین ہے کہ نفسیاتی، سیاسی ضروریات کی تکمیل کے بغیر اسلحہ کی فراوانی بھی وہ توان قائم نہ کر سکے گی جو قوموں کو زندہ اور طاقتور رکھنے کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ ہم پاکستان میں اس وسیع تر مسلم قومیت کے والا وشیدا ہیں جس کا علامہ اقبالؒ نے بارہا اپنے کلام میں ذکر کیا ہے یہ مسلم قومیت عام قوم پرستی کے منافی نہیں ہے۔ آزاد و خود مختار مملکت کے تصور کے بھی خلاف نہیں بلکہ یہ ان کو اور زیادہ تقویت پہنچاتی ہے۔ آج کی دنیا میں کوئی ملک ہر اعتبار سے خود کو خود کفیل نہیں کہہ سکتا اور مسلمان ملکوں کو تو ایک دوسرے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انہوں نے گزشتہ دو تین صدیوں میں زبردست مصائب برداشت کئے ہیں اور کیونکہ ان کے مستقبل اور ان کی نجات کا راز ہی ان کے اتحاد میں مُضمر ہے اس اتحاد کی طرف ان تینوں ملکوں کے اتحادِ ثلاثہ سے اچھی ابتدا ہو سکتی ہے۔ اس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی اتحاد کا وہ وسیع تر تصور ہے جو میری سوچ اور دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے۔

مذکورہ بالا مضمون ذوالفقار علی بھٹو نے 1976ء میں لکھا تھا۔ اُس وقت پاکستان، ایران اور ترکی کے اتحاد کی بات کرنا اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی۔

1977ء میں بھٹو حکومت ختم ہونے کے کچھ عرصے بعد ایران میں شہنشائیت ختم ہو گئی اور پھر ترکی میں جمہوریت ختم ہو گئی۔ وقت و حالات نے پاکستان، ایران اور ترکی میں کئی حکومتوں کو تبدیل کیا لیکن کئی دہائیاں گزرنے کے بعد ان تینوں ممالک کے اتحاد کی تجویز پہلے سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ ترکی کے عوام ڈکٹیٹرشپ کو شکست دیکر ایک دفعہ پھر جمہوریت حاصل کر چکے ہیں۔ ترکی عالم اسلام کی ایک اہم جمہوری قوت بن چکا ہے جبکہ ایران نے مغرب کی پابندیوں کے باوجود اقتصادی ترقی کی کئی منازل طے کر لی ہیں۔ وقت پاکستان، ایران اور ترکی کو ''اتحادِ ثلاثہ'' یعنی ایک تکون بننے کی طرف دھکیل رہا ہے۔ ان تینوں ممالک کا اقتصادی اتحاد ذوالفقار علی بھٹو کی مستقبل بینی کا ایک عظیم شاہکار بنے گا اور یہ اتحاد نا صرف افغانستان بلکہ وسط ایشیائی ریاستوں کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ پاکستان اور ایران مل کر افغانستان میں امن قائم کروا دیں تو ان دونوں ممالک کے راستے سے ایک ایسا سنہرا دور شروع ہو سکتا ہے جس کی چمک کو بھٹو کی آنکھوں نے کئی دہائیاں پہلے دیکھ لیا تھا۔

www.bhutto.org

ترکی کی مثال، نیشنل سکیورٹی کونسل اور بھٹو

5/جولائی 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد فوجی حکمرانوں کی طرف سے کہا گیا تھا کہ ہم نے ایک سول حکومت کو معزول کر کے کوئی غیر معمولی کام نہیں کیا بلکہ ترکی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ 6/اگست 1990ء کو بے نظیر بھٹو کی معزولی کے بعد اکثر صحافتی و سیاسی حلقوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں ترکی جیسا نظام حکومت ہونا چاہیے لہٰذا ترکی کی طرز پر نیشنل سکیورٹی کونسل قائم کی جائے۔ ماضی میں بھی ترکی کی مثال دینے والے اکثر حضرات ترکی کے آئین سے ناواقف ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی کتاب "اگر مجھے قتل کیا گیا" کے بارہویں باب میں لکھا ہے کہ ہمارے جرنیلوں کو ترکی کی تاریخ سے پوری طرح ناواقف ہونے کے باوجود ترکی کی مثال دینے کا بڑا شوق ہے۔ ترکی کی مسلح افواج چند چھوٹے چھوٹے واقعات کے علاوہ کبھی ناکام نہیں ہوئیں۔ سلجوقیوں کے دور سے لے کر عثمانیوں کے دور تک ترکی کی افواج کی فتوحات صدیوں پر مشتمل ہیں۔ انگریزوں کے دور میں بھی ترک افواج اور رہنماؤں نے ایک عظیم سلطنت قائم رکھی۔ اگر کبھی ترک فوج کو شکست ہوئی تو سب سپاہی اور افسران جنگ میں مارے گئے اور کسی نے جنگی قیدی بننا گوارا نہ کیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں برطانیہ کو جو تباہ کن شکست ہوئی وہ درہ دانیال پر ہوئی اور اسے چرچل مرتے دم تک نہ بھلا سکا۔ بعدازاں مغربی طاقتوں کی ڈپلومیٹک سازشوں کے باعث ترکی یورپ کا مردِ بیمار بن گیا۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ ترکی کے حکمرانوں نے غیر ملکیوں کے ساتھ مراعات اور اطاعت کے جو معاہدے کئے ان کے خلاف ترکی کی محب وطن طاقتوں میں ردِعمل ہوا۔

نوجوان ترکوں کی تحریک نے جنم لیا جس میں سیاسی و عسکری شخصیات شامل تھیں۔ مصطفیٰ کمال پاشا، انور پاشا، عصمت پاشا، رؤف پاشا جیسے لوگ صدیوں سے سپاہی اور سیاستدان چلے آ رہے تھے کیونکہ ترکی ہمیشہ برسرِ پیکار رہتا تھا۔ یعنی ذوالفقار علی بھٹو کے خیال میں فوجی کو سیاستدان اور قومی رہنما کا

www.bhutto.org

کردار دورانِ جنگ ادا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس وقت قوم کی نظریں فوج پر ہوتی ہیں۔ بھٹو آگے چل کر لکھتے ہیں کہ پہلی جنگِ عظیم میں ترکی نے بظاہر شکست کھائی لیکن مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی بے خوف قیادت میں یونان، فرانس اور برطانیہ کے اتحاد کو بعد میں شکست دے کر قوم میں جرأت پیدا کی۔ ترکی سے غیر ملکیوں کو نکالنے کے بعد مصطفیٰ کمال نے اپنی فوجی وردی اُتار دی۔ اتاترک نے ترکی کو ایک پارلیمنٹ اور دستور دیا۔ اس نے ترکی کو ماڈرن بنایا۔ عورتوں کو آزادی دی۔ جمہوریت کو مضبوط بنانے کے لئے اپوزیشن کی حوصلہ افزائی کی۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ اگر مصطفیٰ کمال پاشا کچھ عرصہ مزید زندہ رہتے تو فوجی اثرات کو ترکی کی سیاست سے بالکل نکال دیتے۔ بھٹو کے مطابق جب 1960ء میں ترکی کے وزیراعظم عدنان میندریس کا فوج نے تختہ الٹا اور ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈروں کو پاسیدہ نامی جزیرے میں بند کر دیا اور بعد میں وزیر اعظم کو موت کی سزا سنادی تو میں انقرہ گیا۔ میں نے ترکی کے فوجی صدر سے ملاقات کی اور انہیں کہا کہ وہ سزاؤں پر عمل درآمد نہ کریں لیکن فوجی صدر کا موقف تھا کہ سزاؤں پر عملدرآمد کے بعد ترکی کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ میں نے بڑے ادب سے انہیں کہا کہ جناب صدر! ان سزاؤں کے ساتھ ترکی کے مسائل شروع ہو جائیں گے۔ فوجی صدر نے بھٹو کی بات نہ مانی اور عدنان میندریس کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن بھٹو کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ موت کی سزا پر عملدرآمد کے بعد ترکی کے لئے سیاسی و معاشی مسائل کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ 1970ء میں فوج نے دوبارہ ایک جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ ترکی میں علاقائی مسائل نے جنم لینا شروع کر دیا۔ بھٹو کا کہا مسلسل سچ ثابت ہوتا رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو نظر بند کرنے کے بعد ترکی میں کام کرنے والے وزارتِ خارجہ کے ایک سابق افسر الطاف شیخ کو اگست 1977ء میں حکم دیا کہ وہ ترکی کے آئین میں فوج کے کردار کے متعلق معلومات مہیا کریں۔ الطاف شیخ کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کو ترکی کے آئین میں فوج کے سیاسی کردار کے متعلق ایک سمری بھجوادی گئی۔ جنرل ضیاء الحق اس سمری سے مطمئن نہ ہوئے کیونکہ ان کے اندازے کے برعکس ترک آئین میں فوج کو زیادہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بعدازاں انہوں نے اپنے دیگر آئینی ماہرین کو حکم دیا کہ وہ فرانس کے آئین کا مطالعہ کریں اور اس میں فوج کے کردار کا جائزہ لیں۔ جنرل ضیاء الحق کو فرانس کے آئین میں سے بھی فوجی مداخلت کے جواز کے متعلق کوئی ''سہارا'' نہ مل سکا۔ ترکی کے آئین کے آرٹیکل 68 میں درج ہے کہ کوئی ایسی سیاسی جماعت قائم نہیں کی جا سکتی جس کا مقصد آمریت کی حمایت یا آمریت کا قیام ہو۔ ترکی کے آئین کے آرٹیکل 117 کے مطابق فوج کے سربراہ کا

www.bhutto.org

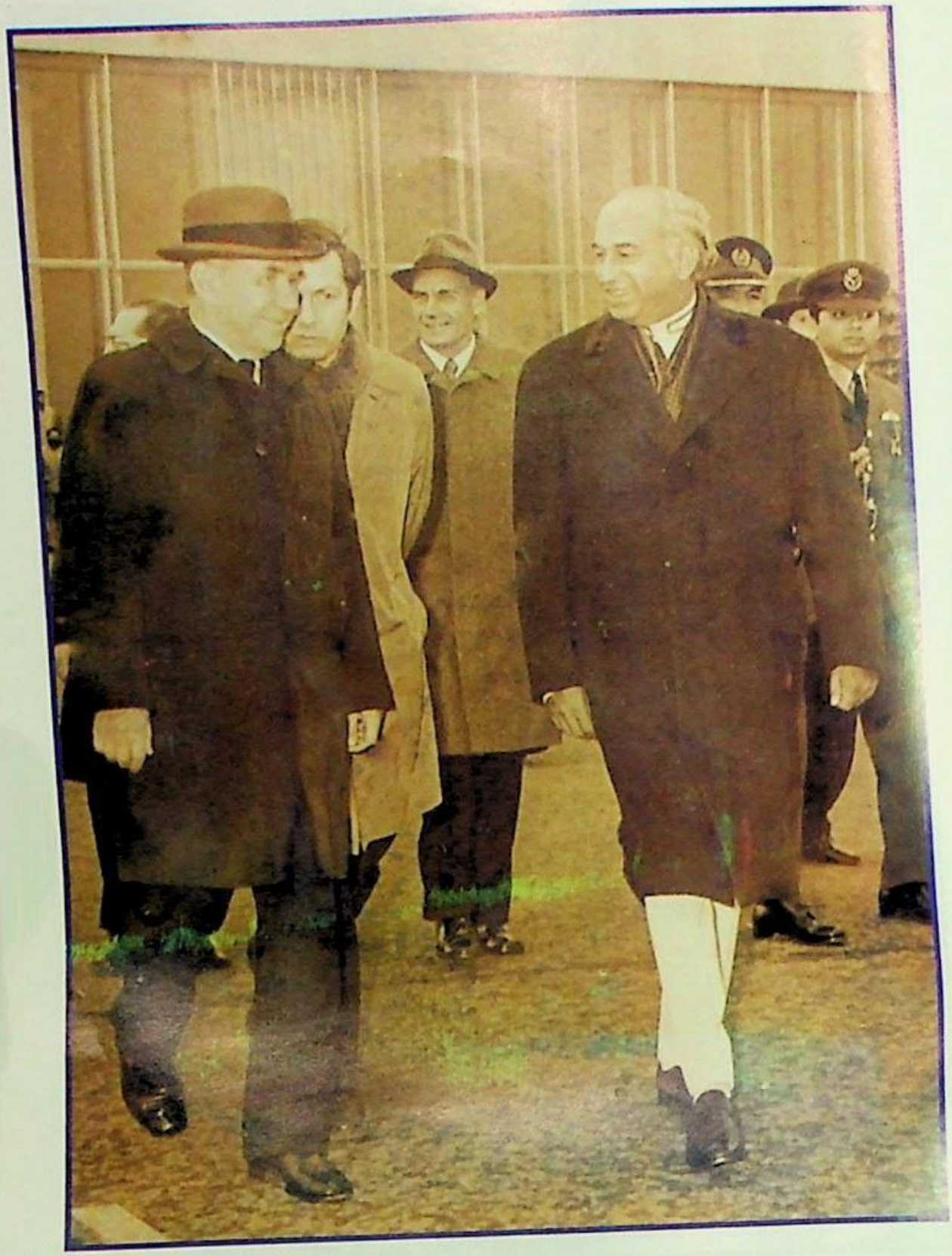

1974ء 26 اکتوبر ماسکو۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو، وزیراعظم سوویت یونین کوسیگن کے ہمراہ

www.bhutto.org

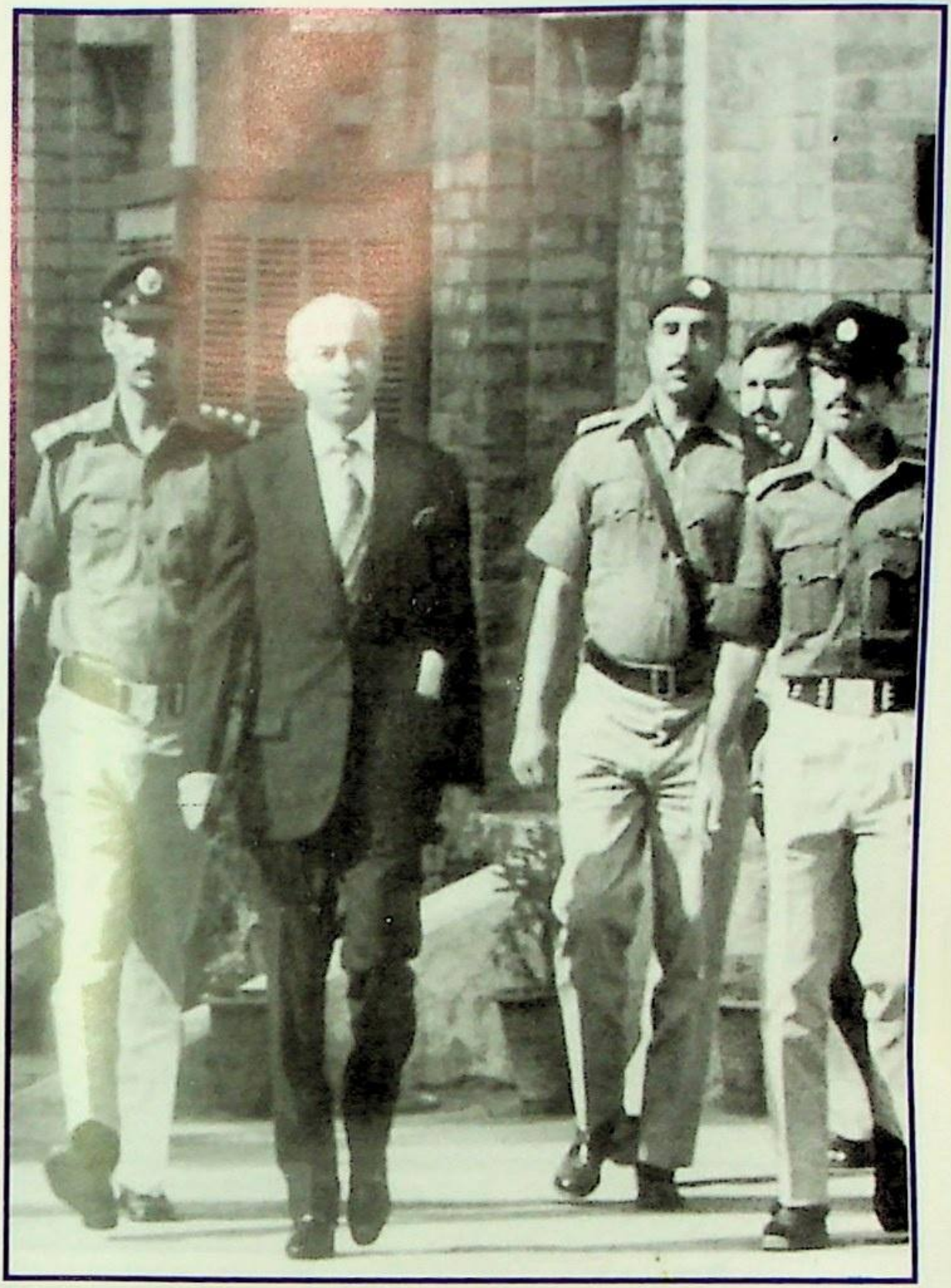

لاہور ہائی کورٹ مقدمہ کی کارروائی سے واپس آتے ہوئے

www.bhutto.org

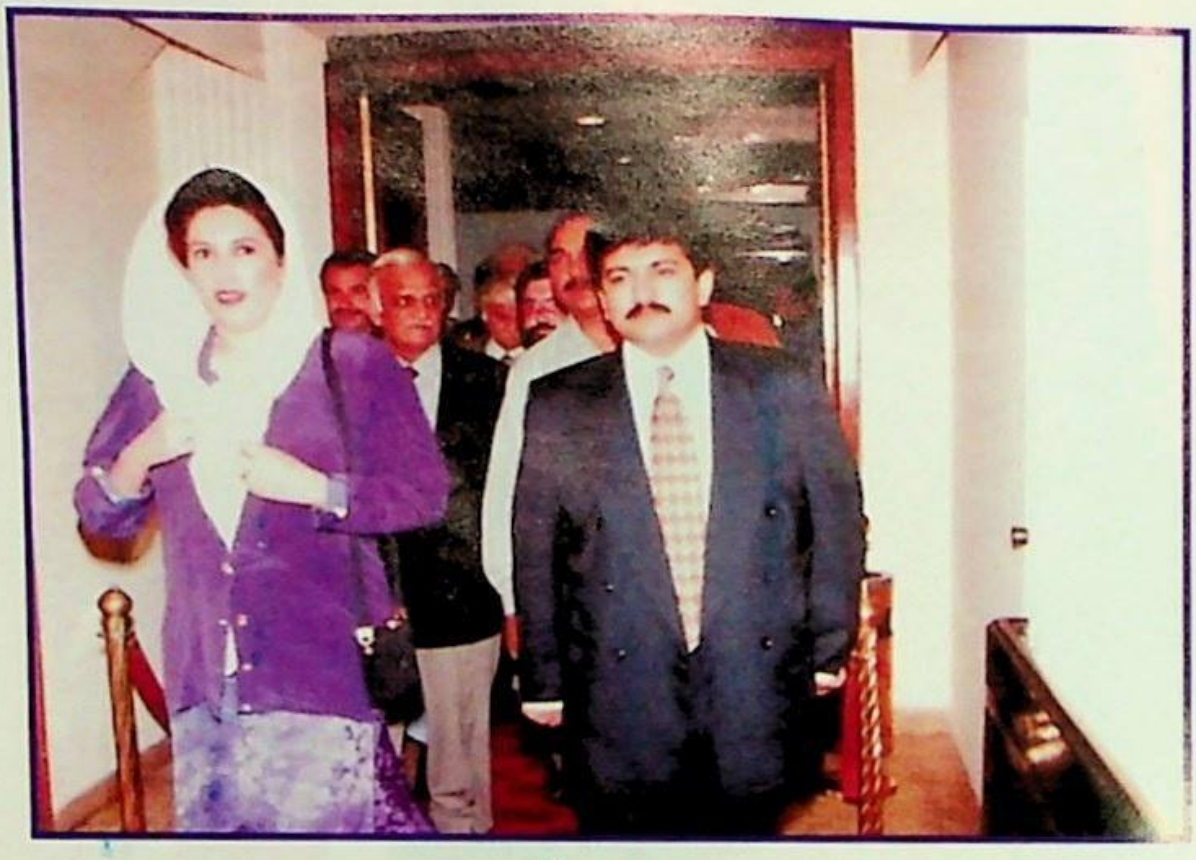

ایک تقریب میں حامد میر محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے ہمراہ

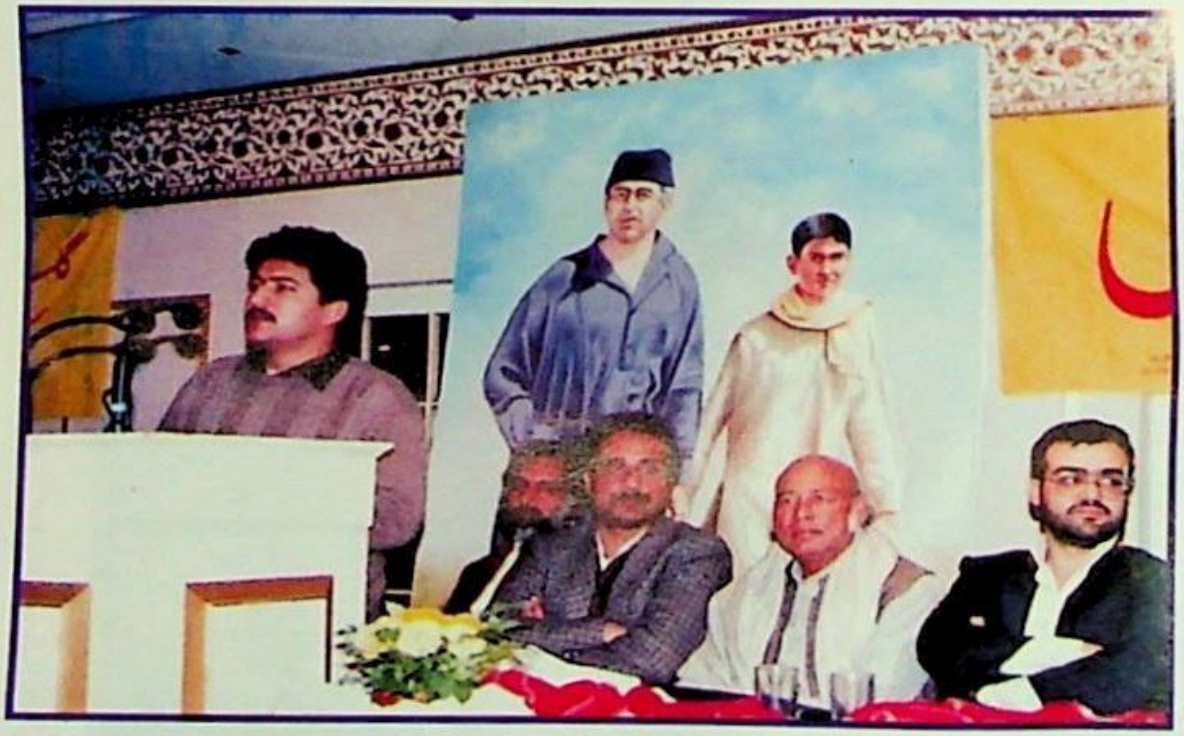

1990ء لاہور۔ تقریب رونمائی ''بھٹو کی سیاسی پیشگوئیاں'' میں حامد میر خطاب کرتے ہوئے
سٹیج پر فرخ سہیل گوئندی، حبیب جالب اور صادق گنجی

www.bhutto.org

1990ء لاہور تقریب رونمائی۔ ''بھٹو کی سیاسی پیشگوئیاں'' میں مشاہد حسین خطاب کر رہے ہیں۔ اسٹیج پر فرخ سہیل گوئندی، حبیب جالب، صادق گنجی، حامد میر اور ملک معراج خالد

www.bhutto.org

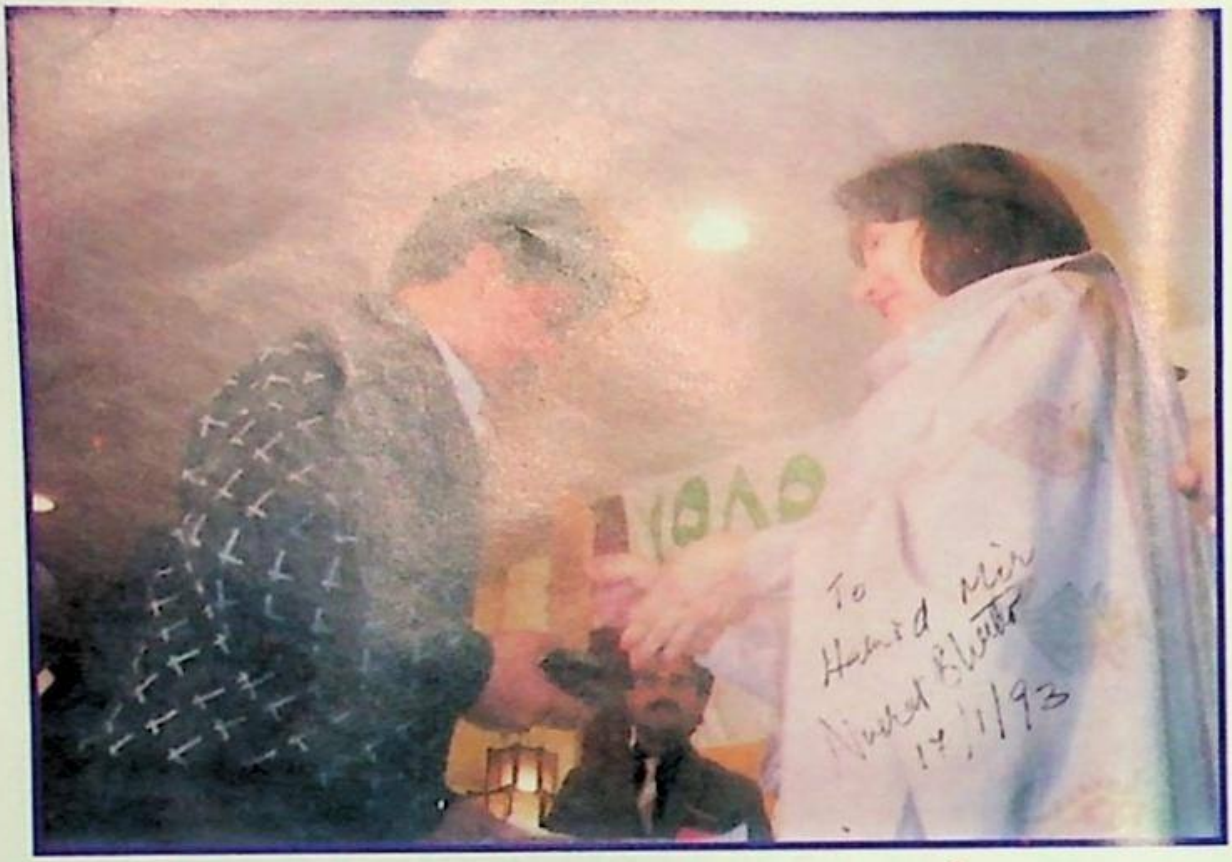

1984 لاہور۔ حامد میر، بیگم نصرت بھٹو سے اپنے والد وارث میر مرحوم کا ایوارڈ برائے جمہوریت وصول کرتے ہوئے

حامد میر، جناب آصف علی زرداری کے ساتھ اپوزیشن لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کے اسمبلی چیمبر میں انٹرویو لیتے ہوئے

www.bhutto.org

1996ء۔ آواری ہوٹل لاہور حامد میر اور بے نظیر بھٹو شہید

1992ء لاہور۔ پی پی پی کی ایک تقریب، جناب آصف علی زرداری، محترمہ بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو

www.bhutto.org

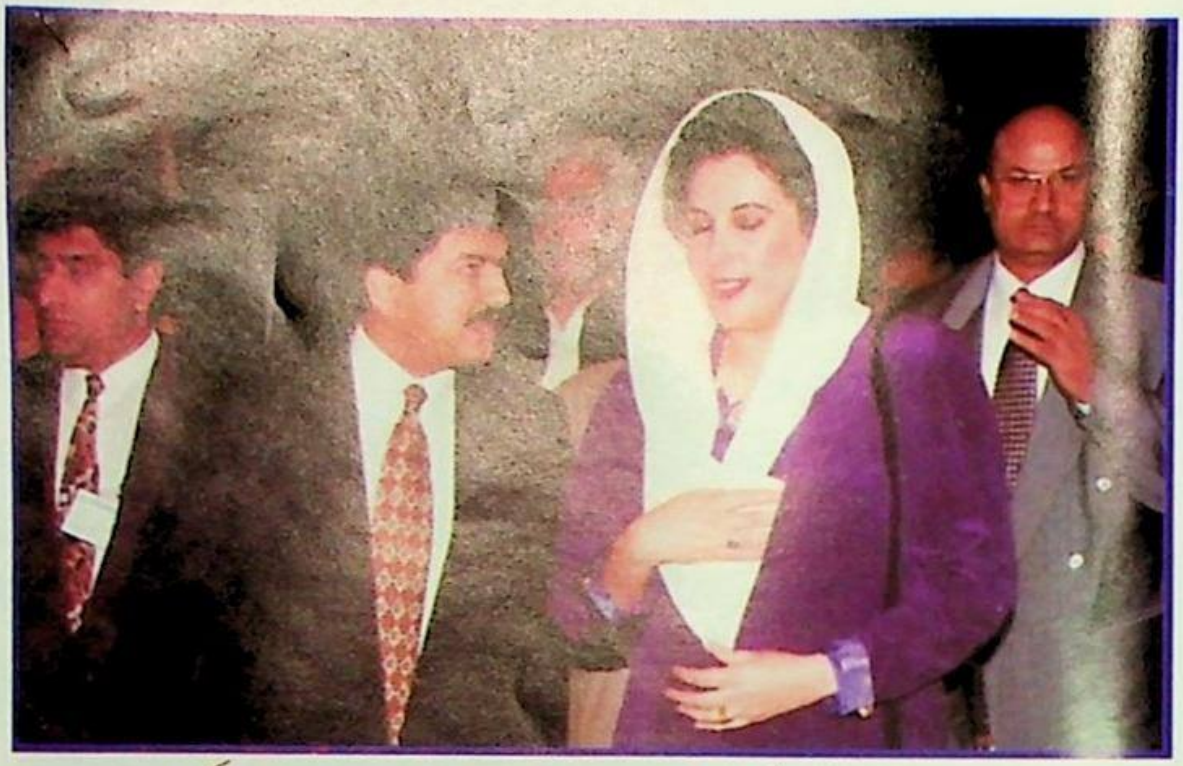

1996ء لاہور۔ بے نظیر بھٹو شہید، حامد میر، ملک مشتاق اعوان، سردار عارف نکئی

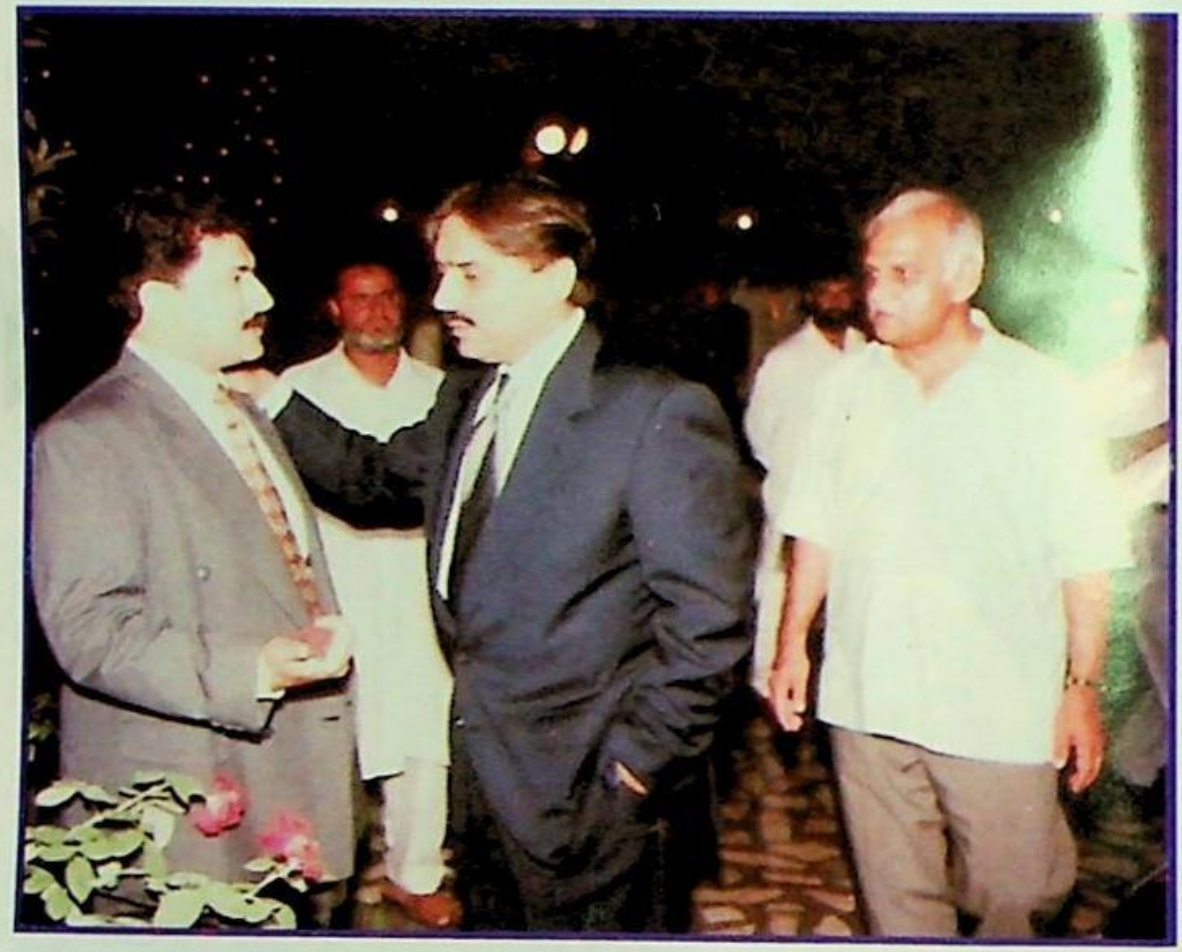

1996ء اسلام آباد۔ جناب آصف علی زرداری کی طرف سے حامد میر کے اعزاز میں عشائیہ کے دوران

www.bhutto.org

2007ء۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید، واپسی کا سفر

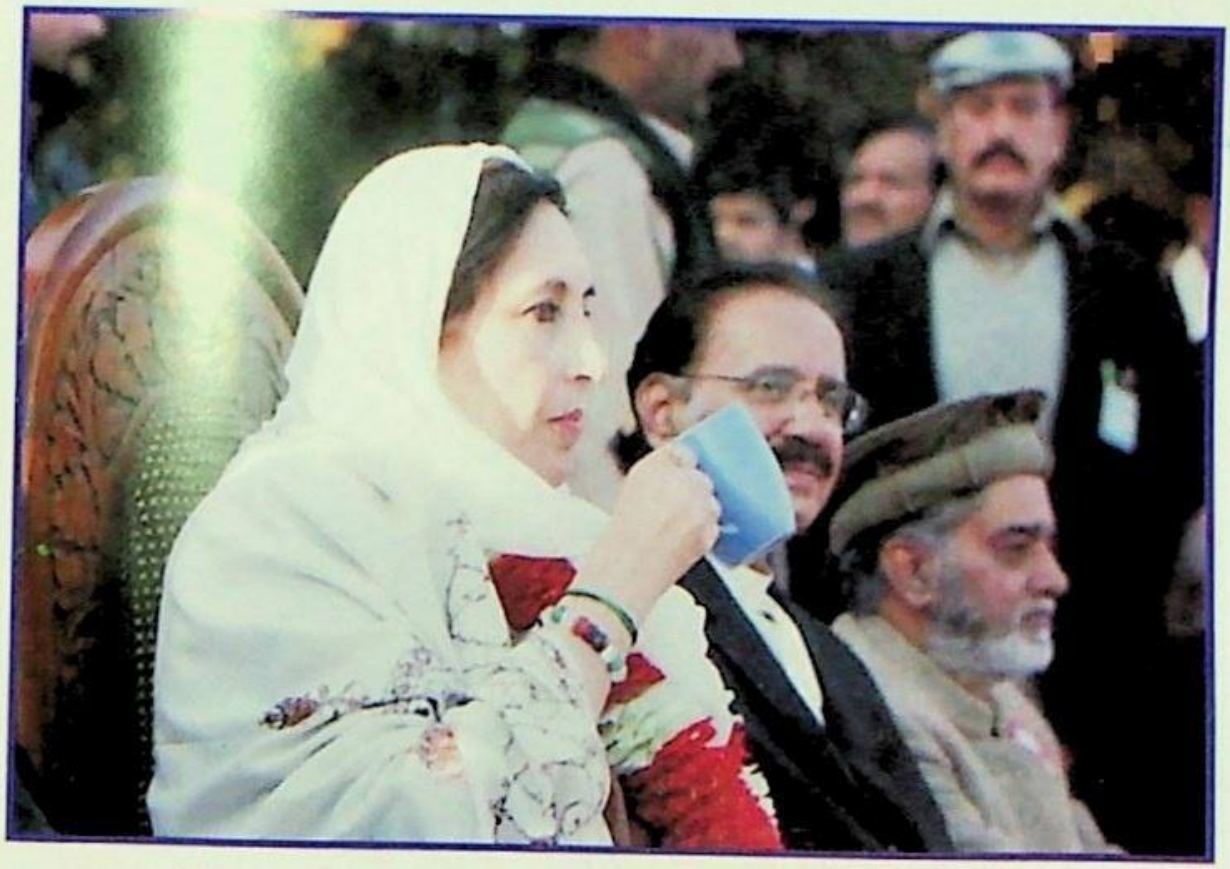

2007ء، 27 دسمبر، لیاقت باغ راولپنڈی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید چائے کا آخری کپ نوش کرتے ہوئے

www.bhutto.org

تقرر صدر کرتا ہے اور فوج کے سربراہ کا نام وزراء کی کونسل تجویز کرتی ہے اور فوج کا سربراہ وزیراعظم کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ آرٹیکل 118 کے مطابق ایک نیشنل سکیورٹی کونسل تشکیل دی جاتی ہے جس کا سربراہ صدر ہوتا ہے جبکہ اس کونسل میں وزیراعظم' فوج کا سربراہ' تری' بحری اور فضائی افواج کے سربراہان' وزیر دفاع' وزیر خارجہ اور وزیر داخلہ شامل ہوتے ہیں۔ نیشنل سکیورٹی کونسل دفاعی پالیسی کے متعلق اپنی سفارشات وزراء کی کونسل کو بھجواتی ہے۔ آرٹیکل 118 میں نیشنل سکیورٹی کونسل یا فوج کے مزید اختیارات کے بارے میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے 1973ء کے آئین میں نیشنل سیکیورٹی کونسل کے قیام کی گنجائش تو نہ رکھی لیکن وزیراعظم بننے کے بعد انہوں نے دفاعی پالیسی پر غور وفکر کرنے کے لئے نیشنل سکیورٹی کونسل کی طرز پر ایک خصوصی کمیٹی قائم کر دی تھی۔ بھٹو کی پھانسی کی سزا معاف کروانے کے لئے ترکی کے وزیراعظم بلند ایجوت نے بھرپور اپیلیں کیں۔ کیسا اتفاق تھا کہ جس ذوالفقار علی بھٹو نے ترکی کے وزیراعظم کو سزا سے بچانے کے لئے کوشش کی اسی کو ترکی کا وزیراعظم موت کی سزا سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بھٹو نے عدنان مینڈریس کو پھانسی دینے والے ترکی کے فوجی جرنیل کو جو کچھ کہا تھا وہ بار بار سچ ثابت ہو رہا تھا۔ 1980ء میں چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل کنعان ایورن نے تیسری دفعہ جمہوری حکومت کا تختہ الٹا دیا لیکن کنعان ایورن نے دو سال بعد 1982ء میں الیکشن کروا دیئے اور آئین کے مطابق سات سال بعد 1989ء میں دوبارہ الیکشن ہوئے۔ یوں 1960ء میں عدنان مینڈریس کو پھانسی دینے سے ترکی جن مسائل میں گھرا تھا وہ کسی حد تک 1989ء میں ختم ہوئے۔ آج پھر کچھ لوگ ترکی کی مثال دے رہے ہیں۔ انہیں ذوالفقار علی بھٹو کے یہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں کہ..... ''کسی طرح کی بھی براہ راست یا استفادہ کرنے والی مداخلت' جو سیاست سے نہیں بلکہ باہر سے آئے گی' وہ صورتحال کو مزید ابتر کر دے گی۔ مسلح افواج کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بحران کو بہانہ بنا کر اقتدار پر قبضہ کر لیں۔ جہاں کہیں بھی ایسا ہوا ہے بحران بدتر اور شدید ہوا اور حل نہیں ہو سکا''۔

جس وقت بھٹو راولپنڈی جیل میں بیٹھے اپنی زندگی کی آخری کتاب میں ترکی کا ذکر کر رہے تھے تو ترکی میں ایک جمہوری حکومت تھی۔ بھٹو کی پھانسی کے بعد امریکا کو اس خطے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کیلئے مزید فوجی ڈکٹیٹروں کی ضرورت تھی لہٰذا ترکی میں دوبارہ مارشل لاء کا راستہ ہموار کیا گیا۔ ترک فوجی ڈکٹیٹروں نے ترکی کے آئین کا حلیہ بگاڑ دیا اور بحران کا بہانہ بنا کر اقتدار پر کئی سال تک قابض رہے لیکن فوجی جرنیل بحران ختم نہ کر سکے۔ آخر کار ترکی میں جمہوریت واپس آئی اور صاف ستھری

www.bhutto.org

جمہوری قیادت نے عوام کی مدد سے ترک جرنیلوں کی سیاست میں مداخلت کو محدود کر دیا۔ 2010ء میں ایک ریفرنڈم کے ذریعہ ترک عوام نے فوج کی طرف سے آئین میں کی جانے والی تبدیلیوں کو مسترد کر دیا۔ ترکی کی مثال اہل پاکستان کیلئے روشنی کا ایک مینار ہے۔ بھٹو صاحب نے یہ مثال 1978ء میں دیتے ہوئے کہا تھا کہ فوج کسی سیاسی مسئلے کا حل نہیں۔ سیاسی مسئلے سیاستدان حل کر سکتے ہیں لیکن ان سیاستدانوں کے پاس بھٹو جیسی سیاسی بصارت بھی ہونی چاہئے۔ پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت اپنے بانی چیئرمین کی تحریروں کی روشنی میں ترکی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنالے تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔

www.bhutto.org

نئے محور کی تمنا، نئے قلعے کی تلاش

ذوالفقار علی بھٹو نے جہاں اسلامی دنیا کے اتحاد کے لئے کوششیں کیں وہاں تیسری دنیا کے اتحاد کے لئے بھی کوششیں شروع کیں۔ ان کا خیال تھا کہ آنے والے وقت میں تیسری دنیا کی مظلوم قومیں غربت اور استحصال سے نجات کے لئے کسی "سپر پاور" کی طرف دیکھنے کی بجائے آپس میں اتحاد قائم کر لیں گی۔ بھٹو نے پیش گوئی کی کہ تیسری دنیا کی مظلوم اقوام ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہونے والی ہیں۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے بعد وہ ایک ایسی کانفرنس کے انعقاد کا منصوبہ تیار کر چکے تھے جس میں ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کی تمام مظلوم اقوام کے سربراہان شریک ہوں۔ 4 ستمبر 1976ء کو انہوں نے اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا۔ جسے حکومت پاکستان نے انگریزی کتابچے کی صورت میں چھاپ کر تیسری دنیا کے تمام ممالک میں بھجوایا۔ یہ مضمون تیسری دنیا کے مستقبل کے بارے میں بھٹو کی پیش گوئیوں سے بھرپور ہے۔ ذیل میں اس مضمون کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

1

آج بین الاقوامی سطح پر انسانی امور میں اصل مسئلہ غریبوں اور امیروں کے درمیان تقسیم کا ہے۔ ایک طرف تو لکڑیاں کاٹنے اور مشکوں کے ذریعے پانی پہنچانے والے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہیں اس سیارے کے وسائل پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ اس تقسیم کی حقیقت کو جسے بعض اوقات شمال اور جنوب کی باہم صف آرائی کہا جاتا ہے' پچھلے تین سال کی تبدیلیوں نے مزید اُجاگر کر دیا ہے۔ اس تقسیم کا ایک ناقابلِ عبور خلیج ہونا ضروری نہیں۔ یہ ایک انوکھی صورتحال ہے جس کے ہم شاہد ہیں اور یہ اس کے سوا اور کسی بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ قوموں کے ان دو طبقوں کے درمیان ایک تعمیری گفت وشنید ہو۔ اس صورتحال کا تقاضا ہے کہ منصفانہ اقتصادی نظاموں کی تعمیر کے اس عمل کو بین الاقوامی اصطلاحات کا

www.bhutto.org

جامہ پہنایا جائے اور ان طبقاتی جھگڑوں کو طے کیا جائے جن میں شمال یا جنوب' مشرق یا مغرب کی بہت سی قوموں کی قیادتیں اس وقت اپنے ملکوں میں اُلجھی ہوئی ہیں۔

مخالف سمت میں بہت سی علامتوں کے باوجود اس مکالمہ کو ابھی اس طریقے اور اس قسم کے پلیٹ فارم سے شروع کرنا باقی ہے جو کسی قطعی نتیجے تک پہنچ سکے۔ اسے گڈمڈ اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔ چونکہ ضابطہ سازیوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گیا ہے اس لئے اب اسے یہ خطرہ لاحق ہے کہ لفاظی میں کہیں اس کا گلا گھونٹ نہ دیا جائے۔ اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ اسے طاقت کی سیاست کی بساط میں ایک مہرہ' عسکری چال کا ایک اڈہ' یا ایسے انتظامات کرنے کے لئے ایک آڑ بنایا جا سکتا ہے جو بذاتِ خود ذلیل نہ ہوں۔ لیکن جو تاریخی مسئلے کی مرکزیت کو مسخ کرتے ہیں۔

اس مکالمے کو گڈمڈ کرنے کے کیا اسباب ہیں؟ انہیں منظرِ عام پر لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس حیرت انگیز کام کی خوبی سے انکار کیا جائے جو 77 ممالک کے گروپ کے زیرِ اہتمام کیا گیا ہے جس کی عکاسی منشور' الجیئرز' اعلانِ لیما (پیرو) اور ایکشن پروگرام' اعلان ڈاکار (سینی گال) کے فیصلوں اور اعلانِ منیلا میں کی گئی ہے۔ نہ ہی یہ ان قراردادوں کی قدر و قیمت کو کم کرتا ہے جو غیر جانبدار ملکوں نے قاہرہ' جارج ٹاؤن' الجیئرز' لیما اور حال ہی میں کولمبو میں' اقتصادی مسائل پر منظور کی ہیں۔ نہ ہی ایک نئے اقتصادی نظام پر اس قسم کے مباحثے میں کوئی عدم دلچسپی ظاہر کرتا ہے جس کا آغاز اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے چھٹے خصوصی اجلاس میں کیا گیا تھا اور جس نے ساتویں خصوصی اجلاس میں کچھ ترقی کی۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ اس ساری کوشش نے سوچ کا صرف بنیادی ڈھانچہ تعمیر کیا ہے تاکہ بین الاقوامی اقتصادی تعلقات کو انصاف کی وہ نئی سمت دی جائے جو تنہا انسانیت کو درپیش موجودہ چیلنج کا مناسب طریقے پر جواب دے سکتی ہے۔

انصاف کی یہ سمت اب تک حقیقت کا روپ کیوں نہیں دھار سکی؟ اس کا سبب یہ ہے کہ تیسری دنیا کی جانب سے اس کے لئے اب تک کوئی منظم تحریک نہیں چلائی گئی۔ اقوام متحدہ کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی پلیٹ فارموں پر ترقی پذیر ممالک آپس میں یکجہتی کے جو مظاہرے کرتے ہیں وہ بلاشبہ اخلاص پر مبنی ہیں اور ان کو بخوبی محسوس کیا گیا ہے تاہم ہم اپنے آپ کو اس عقیدے پر مائل نہیں کر سکے کہ تیسری دنیا کی تمام توجہات اس اصل مسئلہ پر مرکوز ہیں جن سے یہ آج دوچار ہے۔ تیسری دنیا کی نفاق انگیز حالت تو اس حقیقت سے ہی عیاں ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کے سارے موجودہ گروپوں کی بنیاد اپنے ارکان کے علاقائی

www.bhutto.org

ور سیاسی تعلق پر ہے اور چونکہ وہ سب اپنی ذات کے اندر اس حد تک محدود ہیں اسی لئے وہ اس مسئلے پر پوری توجہ نہیں دے سکتے جو سارے علاقوں پر محیط ہے اور سیاسی یا نظریاتی اختلافات سے بالاتر ہے۔ سلامی کانفرنس' عرب لیگ' افریقی اتحاد کی تنظیم اور لاطینی امریکی ممالک کی اقتصادی تنظیمیں اپنے محدود منشوروں کی وجہ سے ایک خاص براعظم' علاقے یا عقیدے کے ملکوں تک محدود ہیں لہٰذا وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتی ہیں کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کے اقتصادی مفادات کا بحیثیت مجموعی ادراک کرتی ہیں۔

نہ ہی ایسا دعویٰ غیر جانبدار ممالک کا گروپ کرتا ہے۔ اگرچہ اس گروپ نے اب اپنے آپ کو بڑھا کر 80 سے زائد ارکان کا گروپ بنالیا ہے تاہم بہت سے ترقی پذیر ممالک اس حلقے سے اب تک باہر ہیں۔ اس گروپ کے آغاز کے وقت تشکیل کا جو اصول بڑی طاقتوں کے تعلقات سے منسلک کیا گیا تھا اس کا کوئی نامیاتی تعلق آج تیسری دنیا کے بنیادی مقاصد اور جدوجہد سے نہیں ہوسکتا۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ بیشتر غیر جانبدار ممالک کے رجحان کے برخلاف پچھلے برسوں میں بے انصافی کے ساتھ اس اصول کا اطلاق کیا گیا ہے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کے ایک گروپ اور دوسرے گروپ کے درمیان تقسیم سے صرف تیسری دنیا کی اجتماعی قوت گھٹ سکتی ہے۔ دونوں گروپ ایسے ممالک پر مشتمل ہیں جو شہنشاہیت یا نو استعماری غلبے کی سختیاں برداشت کر چکے ہیں اور بین الاقوامی اقتصادی ناانصافیوں کو ختم کرنے کی جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں۔ میں خوش ہوں کہ اس حقیقت کا زبردست طریقے پر اظہار حالیہ کولمبو کانفرنس میں کیا گیا ہے۔ میری محترم دوست وزیراعظم سری لنکا نے غیر جانبدار ممالک کی اکثریت کے احساسات کی مستند طور پر ترجمانی کی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ غیر جانبداری کی تحریک کوئی خالصتاً الگ کلب نہیں ہے" اور یہ کہ اگر کوئی خلوت پسندی ہے تو وہ ان ملکوں کی ہے جو کم مراعات یافتہ یا تہی دست ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا۔" یہ صرف غیر جانبدار قومیں ہی نہیں ہیں جنہوں نے تبدیلی کے امکان کو محسوس کیا ہے بلکہ ساری تیسری دنیا اس قوت اپنی سیاسی اور اقتصادی قوت کو منظم کرنے میں مصروف عمل ہے تاکہ انحصار اور استحصال کے پرانے طریقوں کو تبدیل کیا جائے"۔ ساری محروم قوموں کی جانب سے مشترکہ کارروائی کے لئے ایک وسیع تر بنیاد قائم کرنے کی ضرورت کا اس سے بہتر اقرار نہیں ہوسکتا۔

2

ایک خاص مدت تک ترقی پذیر ملکوں کے اتحاد کی ضرورت دنیا میں اقتصادی قوت اور اثر و رسوخ کے تیز رفتار اجتماع کے ظہور سے ماند پڑ گئی تھی۔ تیل پیدا کرنے والے ملکوں نے جب اپنے اس حق

www.bhutto.org

کا اظہار کیا کہ وہ اپنے بنیادی اور روز بروز کم ہونے والے وسائل پر کنٹرول کریں گے اور اس کی قیمت متعین کریں گے تو دکھی انسانیت نے اسے ایک صدیوں پرانی غلطی کی ڈرامائی طریقے سے اصلاح تصور کیا۔ اس سے یہ اُمید بھی پیدا ہوئی کہ وہ اس پرانے نظام کی جگہ جس میں ملکوں کے ایک گروپ کے بنیادی وسائل امیر تر ملکوں کی ترقی اور آسائشوں کے لئے کنٹرول میں رکھے جاتے ہیں' انہیں کوڑیوں کے مول خریدا جاتا ہے اور بڑی بے دردی سے خرچ کیا جاتا تھا' ایک نیا نظام آئے گا جس میں یہ وسائل اپنے ملکوں کے فائدے کے لئے کام میں لائے جائیں گے لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ تمام امیدیں خاک میں مل گئی ہیں لیکن صرف ایک شے یعنی تیل کی قیمت سے متعلق جو تبدیلی ہوئی اس نے خود یہ ثابت کر دیا کہ مقصد کے اتحاد سے اور تیل پیدا کرنے والے ملکوں کی منظم سیاسی و اقتصادی قوت ارادی سے کیا نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب قومیں تاریخ کے موڑوں پر اپنے مشترکہ فائدے کے لئے متحد ہو جائیں تو دیرینہ ادارے ٹوٹ کر گر جاتے ہیں اور اقتصادی طریقے دم توڑ دیتے ہیں۔

ان تمام باتوں کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب قومیں پارہ پارہ ہو جاتی ہیں' جب وہ مقصد کا اتحاد پیدا نہیں کر سکتیں تو وہ نہ صرف موجود بے انصافیوں کا برابر شکار رہتی ہیں بلکہ عالمی اقتصادی قوتوں کے عمل سے ان میں مزید اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ تیسری دنیا کے نو آزاد ملکوں کے لئے بین الاقوامی اقتصادی ماحول تو اس وقت بھی سازگار نہ تھا جب انہیں خود مختار مملکت کی حیثیت حاصل ہوئی' لیکن ان کی سیاسی آزادی کے عشروں کے دوران ان کے اور مالدار ملکوں کے درمیان اقتصادی ناہمواری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں آج وہ اپنے اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے نقطۂ آغاز سے بھی پیچھے ہیں۔ اس قحط کا ذکر کیا جائے جس نے افریقہ کے کچھ حصوں میں حالیہ برسوں میں المناک طور پر بہت سی جانیں لی ہیں۔ ان کی خستہ حالی کی چند علامتوں میں ایک بھوک ہے جس کا سایہ دوسرے ملکوں پر منڈلا رہا ہے اور وہ ادائیگیوں کے توازن میں مسلسل خسارے ہیں' اور تجارت کی بد سے بدتر ہونے والی شرائط ہیں۔ جب ان میں سے کوئی گروپ ان بے انصافیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مالدار ملکوں کی زبردست اقتصادی طاقت اپنا روپ دکھاتی ہے اور تجارت اور سرمائے کے اداروں پر اپنی اجارہ داریوں کے سہارے یہ ممالک اندرونی اور بیرونی ردوبدل کے اثرات کو غریب تر قوموں کی جانب دھکیل دیتے ہیں۔ جب تیل کی قیمت بڑھی تو ترقی یافتہ ملکوں نے بحیثیت مجموعی کوئی خاص قربانی نہیں دی۔ اُنہوں نے کیا یہ کہ اپنی صنعتی پیداواروں کی قیمتیں بڑھا دیں اور اس طرح تیل کے نام نہاد بحران کے بوجھ کو تیسری دنیا

www.bhutto.org

کی طرف واپس کر دیا۔ جب تیسری دنیا کی طرف برآمد کردہ بنیادی پیداواروں کی بات آتی ہے تو ترقی یافتہ ممالک ہی پھر قیمتوں کا تعین کرتے ہیں کیونکہ اصل منڈیاں انہی کے قبضے میں ہیں اور پیداواری کوٹوں پر اختلاف رائے اور دوسرے اسباب ترقی پذیر ملکوں کو اپنا ڈالنے سے روکتے ہیں' اس عمل کو اس وقت تک روکا نہیں جا سکتا' جب تک کہ سارے ترقی پذیر ممالک اپنے مقاصد کو مربوط نہ کریں اور متحد ہو کر کام نہ کریں۔ گذشتہ پندرہ سال میں تیل کو چھوڑ کر جو تیسری دنیا کی برآمدات کا بیشتر حصہ بنتا ہے' بنیادی اشیاء کی قیمتوں میں حقیقی معنوں میں کافی حد تک کمی ہوئی ہے۔ اس پر مستزاد ان برآمدات کی قیمتوں میں شدید سالانہ اتار چڑھاؤ ہے جس کا زیادہ تر دارومدار مالدار ملکوں میں ہونے والی اقتصادی سرگرمیوں پر ہے۔ جب کچھ ترقی پذیر ممالک مصنوعات بنانے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں اور مصنوعات فروخت کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو ان کی مصنوعات کو امتنائی کوٹے کے ذریعے امیروں کی منڈیوں سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ سارے عوامل متعدد نتائج برآمد کرتے ہیں۔ ابتدائی اشیاء کی قیمتوں کے بارے میں غیر یقینی کیفیت غریب تر ملکوں کی اقتصادی منصوبہ بندی کو جوئے کا کھیل بنا دیتی ہے۔ مصنوعات سے متعلق ان کی یہ پوزیشن ان کے خود کفالت کرنے کے مقصد کو ناکام بنا دیتی ہے۔ امیر تر ملکوں سے انہیں درآمدات کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم ادا کرنے کی ضرورت ان میں سے بہتوں کو قرض کی دلدل میں مزید پھنسا دیتی ہے۔ یہ ایسی صورتحال ہے جو ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان اشیاء' مصنوعات' ٹیکنالوجی اور مالیات کے اقتصادی تبادلے میں بے رحمی سے اپنے آپ کو دہراتی ہے اس کا مجموعی نتیجہ ترقی پذیر ممالک کا تقریباً مکمل انحصار ہے۔

ان ساری باتوں کے پیش نظر یہ خیال روز افزوں طریقے پر پھیلایا جا رہا ہے کہ غریبوں کی ترقی کا دارومدار امیروں کی مسلسل تیز ترقی پر ہونا چاہئے کیونکہ صرف اسی صورت میں غریبوں کے مال کی منڈیاں بھی بڑھ سکتی ہیں اور ان کی اشیاء کی قیمتیں بھی برقرار رہ سکتی ہیں۔ یہ ایک تباہ کن نظریہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غریبوں اور امیروں کے درمیان خلاء کو برابر بڑھتے رہنا چاہئے۔ گویا امیروں کو اس کرۂ زمین کی دولت کا زبردست حصہ اپنے تصرف میں لاتے رہنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اگر امیر ممالک محض مال کی ضرورت سے زیادہ بہتات کی وجہ سے اپنی ترقی کی رفتار میں قدرے کمی کر دیں تو غریب ممالک کے لئے کوئی اُمید نہیں' لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ چاہے ہم اس نظریئے کی مذمت کرنے میں حق بجانب ہی ہوں' یہ موجودہ بین الاقوامی اقتصادی نظام کی مخصوص داخلی خصوصیت کو بیان کرتا ہے۔ یہ اس نا

www.bhutto.org

قابلِ انکار حقیقت کی عکاسی بھی کرتا ہے کہ تجارت کی شرائط' ہماری منڈیاں اور ہمارے وسائل کے بہکاؤ کا بہت زیادہ دارومدار امیر تر ملکوں میں اختیار کی جانے والی اقتصادی اور سیاسی پالیسیوں پر ہے۔ اس نظام کے بنیادی سہاروں کو راتوں رات تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا' لیکن اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ غریب تر ممالک کو سانحہ کی صورت میں بیمہ مہیا کیا جائے۔ کم مراعات والے ممالک کے مستقبل کو بڑھتی ہوئی عدم مساوات پر انحصار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کوئی ایک راہ نکالنا لازمی ہے تا کہ تیسری دنیا کے لئے تجارت کی شرائط بہتر ہوں' مالدار ملکوں میں کوٹے کی ناانصافیاں اور تجارتی پابندیاں دور کی جائیں اور بیرونی قرضے کا مفلوج کرنے والا بوجھ کم کیا جائے جو غریب اور امیر ملکوں کے درمیان زیادہ تر غیر مساوی تجارت اور تبادلے کا نتیجہ ہے۔

3

ہم تیسری دنیا کے ممالک کو صدیوں کے عرصے کو عشروں میں لپیٹنا ہے ہمارے سامنے اُن ملکوں جیسے پرسکون حالات موجود نہیں جنہوں نے بہت عرصہ پہلے انتہائی سازگار اور پُرامن فضا میں اپنی معیشتوں کو تعمیر کیا۔ ان ملکوں کے ہاں کوئی ایسے ارادے بھی نہیں تھے جنہیں گرانا ضروری ہوتا بلکہ یہ ایسے ادارے تھے جو بتدریج اصلاح اور سماجی تبدیلی کی مسلسل کارکردگی سے مطمئن ہو گئے۔ ہم ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں مواقع پیدا ہوں' جس میں اپنے عوام کی غیر مراعات یافتہ اکثریت باعزت' باوقار اور پُرامید زندگی بسر کر سکے۔ ہم اپنے عوام کو بہتر معیارِ زندگی فراہم کرنے کے لئے خندہ پیشانی سے خون پسینہ ایک کر رہے ہیں' ہم فوری آرام و آسائش سے محرومی کو قبول کرتے ہیں' لیکن اپنی قربانی کی قدر و قیمت کو ان اداروں اور رسومات کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے جو اپنے وجود کے اعتبار سے ہی ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے عوام کی محنت کی قدر و قیمت اس ناہمواری کے باعث مسلسل کم ہو رہی ہے جو ہمارے اور امیر ملکوں کے اقتصادی تعلقات میں پائی جاتی ہے۔ ہم بمشکل وقت گزار رہے ہیں اگرچہ ہمارے لئے اپنے معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لانا ناگزیر ہے' لیکن ان کے لانے کے لئے حکمتِ عملی کی گنجائش بہت کم ہے۔ 1970ء سے شروع ہونے والے عشرے کے وسطی برسوں میں ترقی یافتہ ممالک میں جو بحران پیدا ہوا تھا اس کا بدترین اثر ہم پر پڑا اور ہماری ترقی کی رفتار برسوں پیچھے چلی گئی۔ ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کے کئی ممالک میں فی کس آمدنی کم ہو گئی ہے۔ اگرچہ ان ملکوں میں سے بعض ممالک پاکستان کی طرح اپنی ترقیاتی کوششوں کو برقرار رکھنے بلکہ انہیں تیز تر کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ تاہم اس کے نتیجے میں ان پر قرضوں کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ ہمیں ایسی ترقی حاصل کرنی ہے جس سے پیداواری عمل خود

www.bhutto.org

بخود جاری رہے۔ لہٰذا ہم سب کو چاہئے کہ خارجی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیں اور ہماری اجتماعی کمزوری سے خارجی اقتصادی ماحول کا جو تعلق ہے اس کا بھی جائزہ لیں تا کہ عالمی معیشت ہمارے لئے سمندری تھپیڑوں کا کردار ادا نہ کرے کہ تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد یہ تھپیڑے ہمیں دھکیل کر وہیں واپس چھوڑ دیں جہاں سے ہم نے اپنی منزل کی جانب سفر کا آغاز کیا تھا۔

4

اگر چہ بے شمار بین الاقوامی اجتماعات میں ان بنیادی حقیقتوں کا اظہار کیا گیا ہے' لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کے جواب میں باہمی انحصار کا احساس جسے قدرتی طور پر پیدا ہونا چاہئے تھا نہ صرف یہ کہ وہ نہیں ہوا بلکہ اس کا اُلٹا ردِ عمل ہوا۔ اس بات کا اندازہ امیر ملکوں کے بڑھتے ہوئے احساس خود پسندی سے لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا قوموں کی غربت کو ان موروثی نقائص کا نتیجہ بتایا جاتا ہے جو ان قوموں میں پائے جاتے ہیں اور اب تو ہمیں بار بار دلیل بھی سننی پڑتی ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک اپنی زبوں حالی کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ امیر ممالک اپنے گروپوں اور انجمنوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنا رہے ہیں اور اب وہ تمام تر توجہ اپنے مفادات کو مستحکم کرنے پر مرکوز کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ ممالک بین الاقوامی مالی اصلاحات اور تجارت و وسائل کی منتقلی کے سلسلے میں زیادہ تر آپس میں ہی معاملات طے کر لیتے ہیں اور اس ضمن میں ترقی پذیر ملکوں کا اثر محض برائے نام ہے۔

موجودہ بین الاقوامی اداروں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اس عدم توازن کو درست کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بالکل غیر حقیقت پسندانہ بات ہے۔ وہ لوگ جو ان اداروں میں غیر ملکی امداد اور مالی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس رجعت پسندانہ رویہ کا شکار ہو گئے ہیں جو امیر اور طاقتور ملکوں میں پایا جاتا ہے ان میں چوٹی کے جو ممالک ہیں ان کی مجموعی قومی پیداوار میں بیرونی امداد کا تناسب مسلسل کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ بین الاقوامی ادارۂ ترقی اور اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی پروگرام جیسی تنظیمیں رقوم کی قلت کا شکار ہیں' ترقی پذیر ملکوں کی برآمدات کے کوٹے پر پابندیاں ختم کرنے کے لئے وہ مذاکرات بھی ناکام ہو گئے ہیں جو سالہا سال سے منعقد ہو رہے تھے۔ ترقی پذیر ملکوں کے خام مال کی برآمدات کی قیمتوں کو مستحکم اور بہتر بنانے کے سوال پر محض الفاظ کی جنگ ہو رہی ہے۔ چنانچہ قراردادوں کی شکل میں علاج کے بجائے محض سُن کرنے کی دوائیں دی جا رہی ہیں۔ جیسا کہ پیش گوئی کی گئی تھی' پیرس کانفرنس بھی افسوسناک تعطل کا شکار ہے۔ جس سطح پر یہ ادارے کام کر رہے ہیں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ موجودہ چیلنج کا جواب

www.bhutto.org

دے سکیں۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں گفتگو ٹھوس مذاکرات کا مقام حاصل نہیں کر سکتی۔

5

ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک کے درمیان بین الاقوامی اقتصادی نظام سے متعلق تمام موضوعات پر کوئی مشترکہ مفاد نہیں پایا جاتا۔ ان ملکوں میں بھی آپس کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ ملک ہیں جن کا تعلق صرف اور صرف اشیاء سے ہے اور دوسرے وہ ملک ہیں جو نیم صنعتی ممالک کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرضوں میں کسی رعایت کا معاملہ ان ملکوں کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا' جنہیں سرمائے کی منڈی تک براہ راست رسائی حاصل ہے اور وہ صرف قرضوں کے حصول کے لئے اپنی ساکھ برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کے تمام ترقی پذیر ملکوں کا مشترکہ مفاد ایک ہے۔ یعنی یہ کہ انہیں عالمی اقتصادی نظام میں برابری کا مقام ملنا چاہئے۔ اس نکتہ پر ان کے درمیان جو اتفاق رائے پایا جاتا ہے وہ تمام فروعی اختلافات کا مطلب مخالفت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر (یورپی) مشترکہ منڈی کا اقتصادی اتحاد دیکھئے جس کی پشت پر کئی اداروں کا ایک جال بچھا ہے جو مشترکہ سیاسی مقاصد کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ اتحاد ممبر ملکوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات سے کہیں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ اتحاد کو باہمی رواداری سے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ یہ اس احساس سے پیدا ہوتا ہے کہ عدم اتحاد کی صورت میں ہر ایک کے مفاد کو لازمی طور پر نقصان پہنچے گا۔

6

ہم تیسری دنیا کے ممالک بھی اپنے مشترکہ مصائب پر متحد اور استحصال کے خلاف مشترکہ جدوجہد کی ضرورت پر متفق ہیں۔ اپنے اندرونی سیاسی نظاموں یا خارجی نقطۂ نظر سے قطع نظر ہمارے پاس ایک مشترکہ اختیار ہے' وہ یہ کہ ہم دنیا کی اکثریت کو اس اقتصادی نظام سے نجات دلائیں جس نے ان لوگوں کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ ہمیں خود اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے لہٰذا اس شخصیت کو اس ذہنی پراگندگی کا شکار نہ ہونے دیا جائے' جو طویل المیعاد مفادات سے ہم آہنگ کرنے میں ناکامی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ اگر ہم اپنی اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے باہمی تعاون کی حدود اور دائرہ کار کا جائزہ نہ لے سکے تو اس کے نتیجے میں ہماری شخصیت پر کوئی حرف نہیں آنا چاہئے۔ اس شخصیت کو اس سیاسی عزم کے فقدان کے باعث کمزور نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ایک ایسے نظام کو تبدیل کرنے کے لئے مشترکہ قوت کو بھرپور طور پر بروئے کار نہیں لا سکے جس کا بنیادی ڈھانچہ ہی ترقی پذیر ملکوں کے خلاف تعصب پر مبنی ہے۔

www.bhutto.org

اس سیاسی عزم کا اظہار ہماری اجتماعی قیادت کی اعلیٰ ترین سطح کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ تیسری دنیا کے پاس ستتر ملکوں کے گروپ کا پلیٹ فارم موجود ہے جس سے وہ اپنی مشترکہ کوششوں میں رابطہ پیدا کر سکتے ہیں' لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ گروپ تجارت و ترقی کے ادارے کے سیاق و سباق میں قائم کیا گیا تھا۔ لہٰذا بعض اوقات گروپ کے مستقبل کے امکانات خود اس کے ابتدائی محرکات کے سبب محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ گروپ کی ساخت اور تشکیل کچھ اس قدر بوجھل اور بے ڈھب سی ہے کہ گروپ ان معاملات کا کوئی موزوں حل پیش نہیں کر سکتا جو تبدیلی لانے کے لئے ناگزیر ہو۔ ایک ایسی تنظیم جس کا دائرہ محدود ہو اور جو ترقی پذیر ملکوں کی سیاسی امنگ اور اقتدار اعلیٰ کی ترجمانی نہیں کر سکتی' اس تنظیم کو ان ملکوں کی حکمت عملی کی رہنمائی کا اہم کام نہیں سونپا جا سکتا۔

تیسری دنیا میں اپنی خوابیدہ اور دبی قوت کے بارے میں احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ شعور اور آگاہی اتنی واضح ہے کہ ہمارے دور کا انتہائی اہم مسئلہ نسلِ انسانی کی اکثریت کے لئے مواقع پیدا کرنا ہے۔ اس مسئلہ پر نام نہاد جانبدار اور نام نہاد غیر جانبدار ملکوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف ترقی یافتہ اور کم ترقی یافتہ ممالک کے درمیان ہے۔ اس فرق کی نشاندہی کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ عالمی سطح پر طبقاتی جنگ کو کوئی دعوت دی جائے۔ اس مطالبہ کا مقصد اقتصادی قوت کو از سرِ نو تقسیم کرنا ہے کیونکہ صرف اسی طریقے پر ہی کشیدگی کا لامتناہی سلسلہ اور آئے دن کے انقلابات کو روکا جا سکتا ہے۔ اس دعوت کا مقصد عالمی برادری کی بقا کی وکالت کرنا ہے۔

ہم اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں ہیں کہ نیا اور منصفانہ اقتصادی نظام کسی ایک اجلاس یا کانفرنس کے نتیجہ میں وجود میں آ سکتا ہے۔ تیسری دنیا کو اقتصادی آزادی کے لئے وادیٔ پُر خار سے گزرنا پڑے گا' لیکن اس راہ کو آسان بنایا جا سکتا ہے' بشرطیکہ تیسری دنیا کی قیادت جس کی پشت پر انسانی رائے عامہ کی بے پناہ قوت موجود ہو' متحد' منظم اور باعزم ہو۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں کی سربراہ کانفرنس بلانے کی اپیل جاری کی ہے تاکہ تیسری دنیا کی قوموں کی پوری قوت کو یکجا کر کے انہیں بین الاقوامی اقتصادی استحصال سے نجات اور ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کو آگے بڑھایا جائے۔

اس اپیل کا براہ راست' تعلق تیسری دنیا کے اتحاد کے تقاضے کے بڑھتے ہوئے احساس و اعتراف سے ہے۔ گذشتہ ماہ کولمبو میں غیر جانبدار ملکوں کی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہمارے دور

www.bhutto.org

کے اس اہم مسئلے پر توجہ دی گئی آئندہ ہفتہ میکسیکو میں ترقی پذیر ملکوں کے نمائندوں کا وزارتی سطح پر اجلاس منعقد ہو رہا ہے' جس میں ان ملکوں کے اقتصادی تعاون کو فروغ دینے کے ذرائع اور وسائل پر غور کیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میکسیکو کانفرنس بھی اس منزل کا دوسرا سنگِ میل ثابت ہوگی۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس بھی اس ماہ کے آخر تک منعقد ہو رہا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے لئے مناسب وقت آ گیا ہے کہ وہ تیسری دنیا کی اس سربراہ کانفرنس کے انعقاد کے لئے اپنی اپیل کے پسِ منظر میں کارفرما بنیادی ملحوظات کی وضاحت کرے جو بنی نوع انسان کی غیر مراعات یافتہ اکثریت کے اتحاد کو یقیناً مستحکم بنائے گی۔

پاکستان اس کانفرنس کے انعقاد اور اس کی کارروائیوں کو ثمر آور بنانے کے لئے تمام ترقی پذیر ملکوں کے تعاون کا طلبگار ہے۔ 20 سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا ہے کہ نو آزاد ممالک کا اجلاس بنڈونگ (انڈونیشیا) میں ہوا اور وہاں وہ سیاسی اصول اور مقاصد مرتب کئے گئے جو بین الاقوامی معاملات میں ان کی رہنمائی کریں گے۔ عالمی سیاسی صورتحال خراب ہونے سے متعلق جو خدشات پائے جاتے تھے انہیں بنڈونگ کانفرنس نے غلط ثابت کر دیا۔ بلاشبہ اس کے اعلانات پُرامن بین الاقوامی تعلقات کا ایک بنیادی متن فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح تیسری دنیا کی سربراہی کانفرنس ارتقائی عمل میں ایک اہم قدم ہوگی۔ یہ ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کی قوموں کی سیاسی آزادی کے حصول کے بعد اگلے مرحلے میں داخل ہونے کی راہ دکھائے گی۔ یہ مرحلہ وہ ہوگا جب دنیا کی قوموں کے لئے مساوی مواقع فراہم کرنے کا دارومدار بڑی بڑی غیر ملکی امدادی رقوم کی صورت میں خیرات یا مخصوص تجارتی رعایتوں وغیرہ کے ذریعے جزوی اصلاحات پر نہیں ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بھڑکتے ہوئے جذبات اور تباہ کن محاذ آرائی کا خطرہ نہ صرف ٹل جائے گا بلکہ عالمی سطح پر شراکت کا امکان پیدا ہوگا۔ آخری تجزیہ میں ترقی پذیر ملکوں میں ہونے والی اقتصادی سرگرمیوں میں تیزی' ترقی یافتہ ملکوں کی فلاح و بہبود کے لئے بھی لازمی ہے۔ غریب ملکوں کی سربراہ کانفرنس اس کے اس عزم کا مظاہرہ کرے گی کہ وہ صنعتی طور پر ترقی یافتہ معیشتوں میں اس مقصد کے حصول تک صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے نہیں رہیں گے۔

صورتحال کا جائزہ لے کر مستقبل کے لئے حکمت عملی اختیار کر کے اور موزوں ادارتی انتظامات کے ذریعے تیسری دنیا کی سربراہ کانفرنس' ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلے میں تیسری دنیا کے ممالک کی پالیسیوں کو مربوط اور ان کی پوزیشن کو بحال کر سکتی ہے اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان تعاون کا کم سے کم متفقہ پروگرام مرتب کر کے اس پر عمل درآمد کرا سکتی ہے۔ اس طرح یہ علاقائی یا بین العلاقائی ترقی پذیر

www.bhutto.org

ملکوں کے مختلف گروپوں میں شروع کی ہوئی کوششوں کو مربوط اور ہم آہنگ کرے گی اور تیسری دنیا اس قابل ہو سکے گی کہ مضبوط تر ہو اور عالمی اقتصادی برادری میں اپنا جائز مقام حاصل کرے۔

تیسری دنیا کے پیغام کو گزرے ہوئے دور کی لفاظی کا جامہ نہیں پہنانا چاہئے اور نہ اسے کسی ملک یا ممالک کے گروپ کے سیاسی مفادات کے مطابق تراشنا چاہئے۔ اگر متمول اور مقتدر ممالک اپنی دولت اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اپنا غلبہ برقرار رکھنے کے لئے متحد ہو سکتے ہیں جیسا کہ نازک لمحات میں وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں تو اگر غریب قومیں اپنی ہی صفوں میں انتشار پیدا کرنے اور غریب اور غریب کے درمیان خلیج پیدا کرنے میں اپنی نسبتاً محدود طاقت کو ضائع کرتی رہیں تو یہ انسانیت کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ تیسری دنیا کے افلاس زدہ عوام اپنی اجتماعی مرضی کے لئے ایک نئے محور کی تمنا کر رہے ہیں' وہ غیر انسانی سلوک کے خلاف انسان کی آخری فتح کے لئے جہاد کرنے کی غرض سے طاقت کے ایک نئے قلعے کی تلاش کر رہے ہیں۔ یہ وقت کی ضرورت اور غریبوں کی ترجیح ہے جو کانفرنس میرے تصور میں ہے اس میں شرکت کے لئے ایک اور صرف ایک فولادی کسوٹی ہوگی یعنی تیسری دنیا کی غیر ترقی یافتہ اور مظلوم برادری ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کی قومیں خواہ وہ جانبدار یا غیر جانبدار ہوں' اشتراکی یا غیر اشتراکی ہوں' سفید' زرد یا سیاہ یا بھورے رنگ والی ہوں وہ اس مشن میں شریک ہوں گی اور بنی نوع انسان کے لئے قانون کے تحت ایک دنیا کے مقصد کے حصول کی نقیب بن جائیں گی۔

www.bhutto.org

دیوار برلن ٹوٹ جائے گی

1989ء میں جب چین اور مشرقی یورپ کے ممالک میں کمیونسٹ حکومتوں کی پالیسیوں کے خلاف تحریکیں چلنی شروع ہوئیں اور کمیونزم کے نام پر قائم آمرانہ نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا تو صرف کمیونسٹ دانشور بلکہ مغربی ذرائع ابلاغ بھی ابتداء میں یہ تجزیہ نہ کر سکے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے مشرقی یورپ میں آنے والی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان تبدیلیوں کی وجوہات کیا ہوں گی۔ ایوب خان کے دور میں وزارت خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دینے کے بعد انہوں نے ''متھ آف انڈی پینڈینس'' لکھی تھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ 1973ء میں ''آزادی موہوم'' کے نام سے شائع ہوا۔ کتاب میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونسٹ نظام دونوں ہی بحران کا شکار ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک کو اپنے مسائل کے حل کے لئے امریکہ یا روس کی طرف دیکھنے کی بجائے آپس میں مشترکہ لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے۔ کتاب کے صفحہ 38 پر بھٹو نے لکھا کہ..... ''مغربی اور مشرقی یورپ کے لوگ ہتھیاروں کو ایک طرف چھوڑنے کے بعد قریب تر تعاون کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ وہ طرفہ کشاکش میں نرمی آجانے سے مشرق اور مغرب کے باہمی رابطوں میں لچک بڑھ گئی ہے۔

یورپ کی سالمیت کے لئے اس حوصلہ افزاء تحریک سے بقیہ یورپی مسائل کے حل دستیاب ہونے کی تازہ امیدیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بساط زندگی میں جمود کو توڑنے کے امکانات نظر آرہے ہیں۔ یہ بات ابھی قابل ملاحظہ ہے کہ امریکہ اور روس، مشرقی اور مغربی یورپ کی اقوام میں بڑھتے ہوئے تعاون کی کس حد تک اجازت دیتے ہیں۔ لیکن واضح طور پر یہ صاف ظاہر ہے کہ یورپ میں اس قسم کے تعاون کا میلان موجود ہے۔ اسی کتاب میں آگے چل کر ذوالفقار علی بھٹو نے صفحہ 194 پر لکھا کہ ''پاکستان مشرق و مغرب کے باہمی تعاون میں توسیع کا خیر مقدم کرے گا۔ مشرقی اور مغربی یورپ کے درمیان بہت سی

www.bhutto.org

بندشوں کے ختم ہو جانے سے ایسا یورپ رونما ہوگا جو عالمی امن کے تحفظ میں نمایاں کردار ادا کر سکے گا۔"
ایسا لگتا ہے کہ بھٹو کو کئی سال قبل مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کے درمیان قائم بندشیں ٹوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے امریکہ اور چین' اور چین اور روس کے درمیان تعلقات کی بحالی کے امکانات کا ذکر بھی کیا اور لکھا کہ اگر کبھی ایسا ہو گیا تو پھر ہندوستان اپنے آپ کو اکیلا پائے گا اور 1989ء میں ایسا ہی ہوا۔ نہ صرف امریکہ اور چین کے درمیان تعلقات میں بہتری ہو گئی بلکہ روس اور چین کے درمیان بھی تعلقات بحال ہو گئے۔ 2 اپریل 1972ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے جرمن ٹیلی ویژن کے ڈاکٹر والٹر برگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ.....

"اب یورپ میں عیسائی ڈیموکریٹس اور عیسائی سوشلسٹ پیدا ہو گئے ہیں جو عیسائیت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ سوشلسٹ بھی ہیں۔ اسی طرح ہم مسلمان بھی ہیں اور اقتصادی ترقی کے سائنسی طریقوں پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ہم مارکس ازم کو اپنے ہاں مکمل طور پر نافذ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے ملک کے حالات مختلف ہیں۔ مارکس ازم ایک سائنسی انداز فکر کا نام ہے اور ہم اپنے ملک کے حالات کے مطابق اس انداز فکر کو آگے بڑھا سکتے ہیں"۔ ذوالفقار علی بھٹو جانتے تھے کہ محض ماسکو نواز یا پیکنگ نواز بن جانے سے اور مارکس ازم کا راگ الاپنے سے عوام کے مسائل حل نہیں ہو سکتے بلکہ عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے مقامی حالات کو مدنظر رکھ کر حکمت عملی وضع کرنا پڑتی ہے۔ 21/جون 1978ء کو جیل سے بے نظیر بھٹو کے نام لکھے جانے والے خط میں بھی بھٹو نے اسی قسم کے نظریات کی وضاحت کی۔ انہوں نے لکھا کہ ترقی یافتہ اور طاقتور معاشرہ وہ ہوتا ہے جس نے ماضی و حال سے' مذہب اور سائنس سے' جدیدیت و تصوف سے' مادیت اور روحانیت سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔ ایسا معاشرہ ہیجان و خلفشار سے پاک ہوتا ہے اور ثقافت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اس قسم کا معاشرہ شعبدہ بازی کے فارمولوں اور دھوکہ بازی کے ذریعہ معرض وجود میں نہیں لایا جا سکتا۔ وہ روحانی یا آفاقی اقدار اور تلاش کی گہرائی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس معاشرے کو ہم ایک غیر طبقاتی معاشرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ غیر طبقاتی معاشرہ مارکسسٹ معاشرہ ہو۔ مارکسسٹ معاشرہ نے خود اپنا طبقاتی ڈھانچہ تخلیق کر لیا ہے۔ یورپ کے مارکسٹوں نے کمیونزم سے انحراف کیا ہے اور انہوں نے ایسا موجودہ طبقاتی ڈھانچے سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ آگے چل کر بھٹو نے اپنے خط میں لکھا کہ ایک وقت تھا نوجوانوں نے مغربی یورپ کی کمیونسٹ پارٹیوں سے امیدیں وابستہ کر لی تھیں لیکن مغربی یورپ کی کمیونسٹ پارٹیوں نے نوجوانوں اور محنت کش طبقات کو

www.bhutto.org

قطعی طور پر نا امید اور مایوس کیا ہے اس لئے طویل عرصہ تک یہ پارٹیاں ''ہونے یا نہ ہونے'' کے تذبذب میں مبتلا رہیں۔ یورپی کمیونزم کے کردار کے بارے میں شک و شبے میں اضافہ ہو رہا ہے کہ آیا وہ زوال پذیر سرمایہ دارانہ نظام کا قابل عمل اور فعال متبادل ہے یا نہیں؟ یورپی کمیونزم کو برقی عمل کے ذریعہ ناکارہ بنا دیا گیا ہے اور اس کی انقلابی قوت کو غیر موثر کر دیا گیا ہے۔ اس کے زوال نے مغربی یورپ میں روس کے اثر و رسوخ کو متاثر کیا ہے لیکن انقلابی نظریہ کی حیثیت متاثر نہیں ہوئی۔ اب یہ نظریہ زیادہ جارحانہ شکل اختیار کر رہا ہے۔ نوجوان ایک نئے متبادل کی تلاش میں ہیں جو ایک بے صبر اور تخیلاتی نسل کی انقلابی اور رومانوی امنگوں کی تکمیل کر سکے۔ وہ پلاسٹک کے دور سے عاجز آ چکے ہیں۔ وہ یورپی کمیونزم کا سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ نام نہاد سمجھوتہ رجعت قہقری کا باعث بنا ہے۔ یورپ کے نوجوان اس رجعت کی بجائے اندھیرے میں کود جانے کو ترجیح دیں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ بھی لکھا کہ ہوسکتا ہے یورپ کے نوجوان' کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام دونوں کو مسترد کر دیں۔ ان دونوں نظاموں کی غیر موجودگی میں وہ کون سے نظام کی تعمیر کریں گے؟ کیا ایک نئے فلسفہ کے ساتھ نظام یا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی کوشش میں وہ خود کو تباہ کر لیں گے؟ یہ بات تو پاگل پن کی ہے لیکن حقیقت میں وہ یورپ کے نوجوان پاگل نہیں ہیں.... ایسا لگتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو یورپ کے نوجوانوں میں کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام دونوں کو مسترد کر دیں۔ ان دونوں نظاموں کی غیر موجودگی میں وہ کون سے نظام کی تعمیر کریں گے؟ کیا ایک نئے فلسفہ کے ساتھ نظام یا ڈھانچہ تعمیر کرنے کی کوشش میں وہ خود کو تباہ کر لیں گے؟ یہ بات تو پاگل پن کی ہے لیکن حقیقت میں یورپ کے نوجوان پاگل نہیں ہیں..... ایسا لگتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو یورپ کے نوجوانوں میں کمیونزم اور سرمایہ داری نظام کے بارے میں پیدا ہونے والی بیزاری کی تائید کر رہے ہیں اور وہ خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ عالمی امن کے قیام' نسلِ انسانی کے بہتر مستقبل اور زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق کمیونزم اور سرمایہ داری نظام کے بین بین کوئی ایسا سیاسی فلسفہ تشکیل دیا جائے جو مذہب کی حدود کے اندر ہو۔ ذوالفقار علی بھٹو کو کمیونسٹ نظام کی پابندیوں اور چند افراد کی آمریت سے سخت نفرت تھی لیکن وہ مساوات اور برابری کے فلسفے کو پسند کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں سرمایہ داری میں دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز سے نفرت تھی لیکن ان کا خیال تھا کہ ہر شخص کو اس کی محنت اور صلاحیت کے مطابق اس کا حصہ ملنا چاہئے لہٰذا وہ نجی شعبے پر مکمل پابندی لگانے کے حق میں نہ تھے۔ بھٹو نے سرمایہ دار ممالک میں سرمایہ داری سے اور کمیونسٹ ممالک میں کمیونزم سے بیزاری کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ کمیونزم کے بارے میں مایوسی

www.bhutto.org

اور تنقید میں اضافہ ہو رہا ہے۔ البانیہ بھی اب کمیونزم سے اس طرح وابستہ نہیں ہے جس طرح پہلے تھا۔ ٹیٹو تیس سال پہلے سنکی پن سے مسکرا چکا ہے۔ چاؤ شسکو مشرق اور مغرب کے درمیان اور مغرب اور مشرق کے درمیان پلوں کی تعمیر میں مصروف ہے۔ برانٹ کی سیاست نے نئی راہیں کھول دی ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ صورتحال میں تبدیلی کا عمل جاری ہے بلکہ کچھ تجزیہ نگار تو کہیں گے کہ ایک نئی سرد جنگ شروع ہوا چاہتی ہے۔ جبکہ کچھ کے خیال میں تیسری عالمی جنگ تقریباً شروع ہو چکی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن دنیا کی حالت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے گزرے ہوئے دنوں کے نعرے' گزرے ہوئے دنوں کے گیتوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کا زور ٹوٹ گیا ہے۔ دیوارِ برلن مسمار ہو گئی ہے۔ آگے چل کر بھٹو نے اپنے دل کی بات یوں کہی کہ..... ''تین خوفناک قوتیں ایسی ہیں جو کبھی تو ایک دوسرے سے مقابلہ کرتی ہیں کبھی ایک دوسرے سے تنازعہ کرتی ہیں۔ کبھی ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے محاذ آرائی کرتی ہیں۔ یہ قوتیں مذہب' کمیونزم اور نیشنلزم ہیں۔ یہ نظریات افراد اور قوموں کے ذہنوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے ہم وطنوں سے کہا تھا کہ بجائے کہ چمکدار زرہ بکتر پہن کر کسی ایک نظریہ کیلئے جہاد کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ ہم ان تینوں کے مشترکہ نکات میں ہم آہنگی پیدا کریں اور تنازعہ اور ٹکراؤ والے نکات میں تلخی و شدت پیدا کرنے سے پرہیز کریں۔

اور اگر ہم 1989ء میں مشرقی یورپ کے ممالک میں چلنے والی تحریکوں کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان تحریکوں کے پیچھے جو عوامی خواہشیں کارفرما تھیں وہ مذہب کی بحالی' کمیونزم کے مطابق مساوات اور قوم پرستی پر مبنی تھیں مشرقی یورپ کے لوگ مذہب پر پابندی کے خلاف تھے' ان کا خیال تھا کہ کمیونزم کے نام پر قائم آمرانہ حکومتوں میں بالادست طبقہ استحصال کر رہا ہے اور غیر طبقاتی نظام کے نام لیوا حکمران دراصل بالادست طبقے کے نمائندے ہیں' مشرقی یورپ کے عوام عالمی طاقتوں کی گروہ بندی کے باعث اپنے بٹوارے کے بھی مخالف تھے اور اسی لئے مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی نے بھی ایک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یعنی ذوالفقار علی بھٹو کی نظر میں جو نظریہ موزوں تھا اس نظریئے کو مشرقی یورپ کے عوام نے اپنا کر کمیونسٹ پارٹیوں کی ڈکٹیٹر شپ کو توڑ دیا..... اور اس توڑ پھوڑ کی پیش گوئی ذوالفقار علی بھٹو بہت پہلے کر چکے تھے۔

www.bhutto.org

آخری بات، بے نظیر بھٹو کا قتل

5/ جولائی 1977ء اور 6/ اگست 1990ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا۔ 1970ء میں ذوالفقار علی بھٹو اور 1988ء میں بے نظیر بھٹو نے فوج کی مخالفت کے باوجود انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ ذوالفقار علی بھٹو خود یہ کہہ چکے ہیں کہ 1970ء میں انتخابات کے دوران یحییٰ خان نے اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو ہمارے خلاف استعمال کیا۔ اسی طرح بے نظیر بھٹو کے قریبی ذرائع کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ 1988ء کے انتخابات سے چند روز قبل ایک اعلیٰ انٹیلی جنس افسر لیاری آیا جہاں سے بے نظیر بھٹو قومی اسمبلی کا انتخاب لڑ رہی تھیں۔ اس افسر نے بے نظیر بھٹو کے تمام مخالف امیدواروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ''ہم بے نظیر بھٹو کو شکست دے سکتے ہیں اگر آپ سب میں سے صرف ایک امیدوار ان کا مقابلہ کرے''۔ لیکن مذکورہ انٹیلی جنس افسر ''ون ٹو ون'' کی پالیسی پر عملدرآمد کروانے میں ناکام رہا اور انتخابات میں اس حلقے سے بے نظیر بھٹو واضح اکثریت سے کامیاب ہوگئیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوج اور پیپلز پارٹی ایک ساتھ کیوں نہیں چل سکے؟ دراصل ذوالفقار علی بھٹو نے 1970ء میں انتخابی مہم کے دوران ایوب خان اور یحییٰ خان پر بھرپور تنقید کی تھی اور انہیں پاکستان میں جمہوریت کا راستہ روکنے والے قرار دیا تھا۔ بھٹو نے ایک فوجی صدر کی طرف سے مسئلہ کشمیر پر بھارت کے ساتھ کئے جانے والے ''شملہ معاہدے'' کو اصولوں پر سودا بازی قرار دے کر اس کی بھی مخالفت کی تھی۔ بھٹو پاکستان کے پہلے سیاستدان تھے جنہوں نے فوج کے سیاسی کردار کی کھلم کھلا اور بھرپور انداز میں مخالفت کی تھی لیکن برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد انہوں نے فوج کے ساتھ غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی اور فوج ہی کی خواہش پر جنگی قیدیوں کو چھڑوانے کے لئے اندرا گاندھی سے مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات کے نتیجے میں شملہ معاہدہ ہوا تھا اور یوں بھٹو نے پاکستان کے 90 ہزار کے قریب جنگی قیدیوں کو رہا کروایا۔ بھٹو نے دفاعی بجٹ میں اضافہ کیا

www.bhutto.org

'فوجیوں کی تنخواہیں بڑھائیں اور انہیں سہولتیں فراہم کیں۔ اُن کا خیال تھا کہ فوج اور ان کے درمیان اب کوئی غلط فہمی نہیں رہی لیکن جب سانحہ مشرقی پاکستان کے بارے میں بھٹو کے قائم کردا حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ مکمل ہوگئی تو بھٹو اور جرنیلوں کے درمیان فاصلے دوبارہ پیدا ہو گئے۔ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ میں بعض اعلیٰ فوجی افسران کو مشرقی پاکستان میں ہونے والی قتل وغارت اور لوٹ مار کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ جرنیلوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو مشورہ دیا کہ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ شائع نہ کی جائے کیونکہ اس رپورٹ کی اشاعت سے فوج کی ساخت متاثر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بھٹو نے اس دفعہ بھی فوج کو ناراض کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس رپورٹ کو دبا دیا لیکن جرنیلوں کا خیال تھا کہ بھٹو اس رپورٹ کی بنا پر انہیں بلیک میل کر سکتے ہیں۔ بھٹو بھی فوج کی طرف سے کسی بھی قسم کی کارروائی کی توقع رکھتے تھے ذوالفقار علی بھٹو سی آئی اے اور کے جی بی کی طرز پر پاکستان میں ایک مضبوط اور موثر انٹیلی جنس ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ آئی ایس آئی 'ملٹری انٹیلی جنس اور دیگر خفیہ اداروں کے اشتراک سے ایک ادارہ بنانا چاہتے تھے۔ بھٹو نے اپنے اس منصوبے کو آئی ایس آئی کے اُس وقت کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خان کے گوش گزار بھی کر دیا تھا اور بھٹو نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ انہوں نے غلام جیلانی خان ہی کے کہنے پر ضیاء الحق کو ترقی دے کر چیف آف دی آرمی سٹاف بنایا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنے منصوبے کو فوجی جرنیلوں کی مدد سے عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے لیکن جرنیلوں کا خیال تھا کہ بھٹو آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کو ختم کر کے دراصل فوج کی سیاسی طاقت پر ضرب لگانا چاہتے ہیں اور جب 1977ء میں بھٹو حکومت کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کا قیام عمل میں آیا تو پیپلز پارٹی کی قیادت کا خیال تھا کہ فوجی جرنیل قومی اتحاد کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں واضح طور پر لکھ چکے ہیں کہ جنوری 1977ء سے ہی پی این اے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے تھے۔ احتجاجات تو کو روزمرہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ لیکن شہری لباس پہنا کر ''جوانوں'' کو پی این اے کے مظاہروں میں اس لیے بھیجا جاتا تھا کہ ہجوم بڑا ہو اور لوگوں میں اشتعال پیدا کیا جا سکے۔ جنوری 1977ء ہی میں رفیع رضا نے ذوالفقار علی بھٹو سے ایک ملاقات کی تھی اور انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے حصول کے لئے کوششیں بند کر دیں ورنہ پی این اے کے ذریعہ اُن کے خلاف تحریک چل سکتی ہے لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے کچھ ہی عرصہ کے بعد پی این اے کو انتخابات میں شکست دے کر بازی جیت لی مگر پی این اے نے دھاندلی کا شور مچا دیا اور تحریک چلانے کا جواز پیدا کر لیا۔ احتجاجی تحریک

www.bhutto.org

کے باعث امن و امان کی صورتحال مخدوش ہوگئی چنانچہ آئین کے مطابق فوج طلب کی۔ قومی اتحاد کی تحریک کے دنوں میں لاہور میں تین اعلیٰ افسران نے توڑ پھوڑ کرنے والے ایک ہجوم کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بھٹو کے نزدیک یہ انکار محض دکھاوا تھا کیونکہ ان تینوں فوجی افسروں کا کورٹ مارشل نہ کیا گیا بلکہ انہیں ملازمتوں سے بھی نہ نکالا گیا اور انہیں پنڈی ٹرانسفر کر دیا گیا۔ اسی طرح کراچی میں بھی وزیر خارجہ عزیز احمد کے ساتھ بعض جونیر افسروں نے بدتمیزی کی لیکن اُن کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہ کی لہٰذا پیپلز پارٹی سمیت عام لوگوں میں یہ تاثر تھا کہ فوج قومی اتحاد کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس تاثر کو زائل کرنے کے لئے جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کچیئر مین جنرل محمد شریف' بری فوج کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق' بحریہ کے سربراہ ایڈمرل محمد شریف اور پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل ذوالفقار علی خان نے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ تینوں مسلح افواج موجودہ قانونی حکومت کی حمائت کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلح افواج کے کردار کے بارے میں کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ مشترکہ اعلامیہ 27 اپریل کو جاری کیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو چند دن اس اعلامیہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے اُس کے بعد 4 مئی کو انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے نام ایک تعریفی خط لکھا جس میں مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے پر شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ بھٹو نے اپنے خط میں لکھا کہ مہربانی فرما کر اپنے ماتحت فوجیوں تک میرا یہ احساس پہنچا دیجئے کہ میں اُن کے مثالی ڈسپلن' حب الوطنی اور ثابت قدمی کا مداح ہوں۔ انہی حالات میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے 12 / جون 1977ء کو قومی بجٹ پیش کیا۔ بجٹ اجلاس کے دوران اپوزیشن اراکان کے لہجوں کی شدت اور الزامات کی بھرمار سے بھٹو نے اندازہ لگایا کہ اپوزیشن کو کسی تیسری طاقت کی پشت پناہی ضرور حاصل ہے۔ تب تک بھٹو آنے والے خطرے کو بھانپ چکے تھے۔ 18 جون کو ذوالفقار علی بھٹو سعودی عرب' لیبیا' کویت' متحدہ عرب امارات اور ایران کے ہنگامی دورے پر روانہ ہو گئے۔ سیاسی حلقوں کا خیال تھا کہ بھٹو اپنے دوست کرنل قذافی سے مدد لینے گئے ہیں۔ اپنے چند دن کے غیر ملکی دورے کے دوران ذوالفقار علی بھٹو دراصل پاکستان کے حالات کے بارے میں عالمی رائے عامہ کو جانچنا چاہتے تھے اور کسی خطرے کی صورت میں اپنے دوستوں کو مدد دینے کے لئے پابند کرنا چاہتے تھے۔ 21 جون کو بھٹو تہران سے اچانک کابل چلے گئے حالانکہ کابل جانا اُن کے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ 23 جون کو وہ وطن واپس پہنچے اور اُسی روز انہوں نے قومی اتحاد کے ساتھ مذاکرات کی دسویں نشست میں حصہ لیا۔ مذاکرات کا سلسلہ جاری تھا۔ 4

www.bhutto.org

جولائی کو وفاقی کابینہ کے اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ قومی اتحاد کے مطالبات مان کر دوبارہ الیکشن کروا دیئے جائیں۔ جنرل ضیاء الحق بھی اس اجلاس میں شامل تھے لیکن اگلی صبح تک وہ اپنا کام دکھا چکے تھے اور فوج "ٹیک اوور" کر چکی تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک طویل داستان ہے۔ 90 دن میں انتخابات منعقد کرنے کا وعدہ توڑنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مارشل لاء حکومت کی طرف سے اے کے بروہی نے ایک طویل چارج شیٹ پیش کی جس میں بھٹو پر بدعنوانی کے الزامات لگائے ہوئے تھے۔ جب یہ الزامات ثابت نہ ہو سکے تو پھر ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کے ایک پرانے مقدمہ میں ملوث کر دیا گیا اور آخر میں انہیں پھانسی دے دی گئی۔

اب ذرا دوبارہ بے نظیر بھٹو کی طرف آیئے!

نومبر 1988ء میں انہیں شکست دینے کے لئے ون ٹو ون کی پالیسی ناکام رہی اور ان کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی۔ چنانچہ آئین کے مطابق انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی اور صدر غلام اسحاق خان نے اُن کے بارے میں ایک بیان دیا کہ بے نظیر بھٹو بڑی قابل اور باصلاحیت خاتون ہیں۔ چنانچہ بے نظیر بھٹو نے حکومت بنالی پیپلز پارٹی کی حکومت بننے کے فوراً بعد بھی کچھ طاقتیں پھر سرگرم ہو گئیں۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ جس فوجی افسر نے اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا وہی افسر پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں کو مرکزی حکومت کے ساتھ محاذ آرائی شروع کرنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔ پنجاب کی صوبائی حکومت نے تو مرکزی حکومت کے خلاف بیان بازی شروع کر دی لیکن بلوچستان کی صوبائی حکومت کی طرف سے یہ کام ابھی بہت "ماٹھا" تھا۔ 5 دسمبر 1988ء کو سپیکر بلوچستان اسمبلی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ بعض عناصر اسمبلی توڑنا چاہتے ہیں۔ صرف دس دن کے بعد 15 دسمبر کو گورنر بلوچستان جنرل ریٹائرڈ محمد موسیٰ نے وزیر اعلیٰ میر ظفر اللہ خان جمالی کی سفارش پر آئین کے آرٹیکل 112 (1) کے تحت صوبائی اسمبلی توڑ دی۔ گورنر بلوچستان نے بعد ازاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ اسمبلی توڑنے کے لئے میں نے صدر یا وزیر اعظم کو اعتماد میں نہیں لیا تھا جبکہ ظفر اللہ خان جمالی نے بیان دیا کہ اسمبلی اکبر بگٹی اور مولانا فضل الرحمن کے باعث ٹوٹی ہے۔ لیکن آئی جے آئی نے اس کی ذمہ داری بے نظیر بھٹو پر ڈال دی اور ان کے خلاف بیان بازی شروع کر دی گئی۔ لیکن بے نظیر بھٹو نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ جب 23 جنوری 1989ء کو بلوچستان ہائی کورٹ فل بینچ نے گورنر موسیٰ خان کی طرف سے صوبائی اسمبلی توڑنے کے قدم کو غیر آئینی قرار دے دیا تو ان کی حکومت نے اس

www.bhutto.org

فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں نہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ انہیں بلوچستان اسمبلی کو معطل رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن بلوچستان اسمبلی کی بحالی کے بعد ایسا جوڑ توڑ ہوا کہ اکبر بگٹی وزیراعلیٰ بن گئے اور انہوں نے وزیراعلیٰ بنتے ہی وزیراعلیٰ پنجاب کی طرح وفاقی حکومت کے ساتھ ''متھا'' لگالیا۔ جب بے نظیر بھٹو نے دیکھا کہ انہیں آرام سے حکومت نہیں کرنے دی جارہی تو انہوں نے بھی اپنے والد کی طرح فوج کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ بے نظیر بھٹو نے چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ کے لئے ''تمغہ جمہوریت'' کا اعلان کیا لیکن مرکزی حکومت کی پنجاب اور بلوچستان کے ساتھ محاذ آرائی شدت اختیار کرتی گئی۔ قومی اسمبلی میں بھی پیپلز پارٹی کو زبردست مخالفت کا سامنا تھا۔ اس محاذ آرائی کے نتیجے میں پہلے پیپلز پارٹی نے وزیراعلیٰ پنجاب کے خلاف اور بعدازاں وزیر اعلیٰ پنجاب کی نگرانی میں وزیراعظم پاکستان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریکیں پیش کی گئیں لیکن یہ دونوں ناکام رہیں۔ اس کے بعد جون 1990ء میں بجٹ پیش کرنے کا مرحلہ آیا۔ بجٹ سیشن کے دوران اپوزیشن ارکان کے لہجے کی تلخی اور ان کی طرف سے الزامات کی بھرمار کے بعد بے نظیر بھٹو نے بالکل اپنے والد کی طرح آنے والے خطرے کو بھانپ لیا۔ اسی دوران فوج کی طرف سے سندھ میں آئین کے آرٹیکل 245 کے علاوہ بھی اختیارات کا مطالبہ شروع ہوگیا لیکن بے نظیر بھٹو نے فوج کو عدالتی اختیارات دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بجٹ میں دفاع کے لئے بھاری رقم مختص کر دی لیکن مزید اختیارات کے سلسلے میں فوج کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ بے نظیر بھٹو نے پنجاب حکومت کے ساتھ محاذ آرائی کے خاتمے کے لئے مذاکرات شروع کروائے۔ مرکز اور پنجاب کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان مفاہمت کے لئے شروع ہونے والے مذاکرات حوصلہ افزاء نتائج کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جولائی کے مہینے میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کی افواہیں گردش کرنے لگیں۔ بے نظیر بھٹو کو اپنے خفیہ ذرائع سے اطلاعات ملنا شروع ہوگئیں کہ ملٹری انٹیلی جنس کی طرف سے اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں بعض مخصوص صحافیوں کو پیپلز پارٹی کے خلاف بریفنگ دی جارہی ہے۔ ادھر کراچی اور حیدرآباد میں فسادات اور تخریب کاری میں اضافہ ہونے لگا۔ بے نظیر بھٹو نے صدر مملکت کو حیدرآباد میں تعینات بعض فوجی افسران اور مہاجر قومی موومنٹ کے درمیان روابط کے بارے میں آگاہ کیا۔ لیکن چیف آف دی آرمی سٹاف کی طرف سے مسلسل اس عزم کا اعادہ کیا جارہا تھا کہ وہ کوئی سیاسی مقاصد نہیں رکھتے اور ان کا وفاقی حکومت سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بالکل ایسا ہی ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بھی ہوا تھا۔ فوج کی طرف سے بھٹو کو کچھ کہا

www.bhutto.org

گیا لیکن 5/جولائی کو کچھ اور ہی کر دیا گیا۔ بالکل ایسا ہی 6/اگست 1990ء کو ہوا۔ 4 بج کر 55 منٹ تک آرمی وزیراعظم سیکرٹریٹ سمیت تمام اہم عمارتوں کو گھیرا ڈال چکی تھی اور کچھ ہی دیر بعد صدر مملکت کی طرف سے اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کر دیا گیا۔ وفاقی دارالحکومت میں فوج کی نقل وحرکت سے ثابت ہو رہا تھا کہ صدر غلام اسحاق خان کو فوج کی تائید حاصل ہے یا فوج یہ سب کچھ غلام اسحاق خان کے ذریعہ کر رہی ہے۔ وفاقی دارالحکومت میں موجودہ ملکی وغیر ملکی صحافیوں کی طرف سے اس صورتحال کے بارے میں جب خبریں بھیجنے کی کوشش کی گئی تو انہیں پتہ چلا کہ اسلام آباد کا رابطہ تمام دنیا سے کٹ چکا ہے۔ ٹیلکس' فیکس اور انٹرنیشنل ڈائلنگ بند ہو چکی تھی۔ رات کے ساڑھے دس بجے تک اسلام آباد کا رابطہ باہر کی دنیا سے منقطع رہا۔ بعدازاں فوج کے ذریعہ رابطہ بحال ہوا اور اخبار نویسوں نے صدر کے اعلان اور ساڑھے سات بجے بے نظیر کی طرف سے کی جانے والی پریس کانفرنس کی خبریں بھجوانا شروع کیں۔ بے نظیر بھٹو کی یہ پریس کانفرنس سندھ ہاؤس میں ہوئی تھی اور پریس کانفرنس کے بعد پاکستان ٹیلی ویژن کے کیمرہ مین نے پریس کانفرنس کا وڈیو کیسٹ سندھ ہاؤس کے گیٹ پر کھڑے ایک فوجی افسر کے ہاتھوں میں دے دیا۔

بے نظیر نے اپنے ساتھیوں کو مشورہ کے لئے سندھ ہاؤس طلب کر لیا۔ جب بے نظیر بھٹو نے اپنے مہمانوں کے لئے چائے کے انتظام کا حکم دیا تو انہیں بتایا گیا کہ سندھ ہاؤس سے کراکری سمیت تمام سرکاری سامان ضبط کر لیا گیا ہے لہٰذا بے نظیر بھٹو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ معذرت کی۔ اگلے روز جب بے نظیر بھٹو سندھ ہاؤس چھوڑ کر ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہونے لگیں تو انہیں بتایا گیا کہ سرکاری گاڑی اور سرکاری شوفر کی خدمات واپس لی جا چکی ہیں لہٰذا بے نظیر بھٹو اپنے بچوں کو ٹیکسی میں لے کر ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ جس روز غلام مصطفیٰ جتوئی نے وزیراعظم کے طور پر اسلام آباد میں پہلی پریس کانفرنس کی اور احتساب کا اعلان کیا اور اسی روز کراچی میں بے نظیر بھٹو نے بھی پریس کانفرنس کی اور الزام لگایا کہ ان کی حکومت کے خاتمے میں ملٹری انٹیلی جنس کا ہاتھ ہے۔ چند ہی روز کے بعد بیگم نصرت بھٹو برطانیہ روانہ ہو گئیں اور انہوں نے وہاں جا کر بیان دیا کہ میری بیٹی کی جان کو خطرہ ہے۔ بعض حلقوں کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ بے نظیر بھٹو بھی اپنے والد کی طرح آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس کو ختم کر کے ایک بڑا انٹیلی جنس ادارہ بنانے کی خواہاں تھیں۔ 6/اگست 1990ء کے بعد ہونے والے اہم واقعات اور 5/جولائی 1977ء کے بعد ہونے والے واقعات میں خاصی مماثلت ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پر بھی الزامات لگے اور مقدمے قائم ہوئے۔ بینظیر بھٹو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے

www.bhutto.org

ساتھیوں کو فوجی عدالتوں میں پیش کیا گیا اور بینظیر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو خصوصی عدالتوں میں پیش کیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف بھی ابتداء میں کوئی مقدمہ سچا ثابت نہ ہوا۔ بے نظیر بھٹو کے خلاف بھی شروع شروع میں کوئی مقدمہ سچا ثابت نہیں ہوا۔ بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا جبکہ بینظیر بھٹو کی بجائے ان کے شوہر کو گرفتار کر لیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو آخر میں پھانسی دے دی گئی تھی اور جب 31 راگست 1990ء کو اسلام آباد میں راقم نے ایک انٹرویو کے دوران بینظیر بھٹو سے پوچھا کہ کیا آپ کی جان کو خطرہ ہے؟ تو بینظیر بھٹو نے جواب دیا کہ مجھے اور سابق وزیر داخلہ اعتزاز احسن کو میرے والد کی طرح جسمانی طور پر راستے سے ہٹانے کی سازش تیار ہو رہی ہے۔ اس سے قبل آصف علی زرداری بھی ایک انٹرویو میں کہہ چکے تھی کہ اگر بینظیر بھٹو کو کچھ ہوا تو میں ذمہ داران کو معاف نہیں کروں گا۔ راقم نے آصف علی زرداری کے بارے میں سب سے پہلے یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ سیاست میں حصہ لیں گے۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں آصف علی زرداری سے راقم نے ایک ملاقات میں پوچھا کہ اگر آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا تھا کہ جب مجھے گرفتار کیا جائے گا تو سمجھ لیں کہ خطرہ بینظیر بھٹو کو ہے۔ جب نگران حکومت کو یقین ہو جائے گا کہ بینظیر بھٹو انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہو رہی ہے تو وہ مجھے یا بے نظیر بھٹو کو کسی نہ کسی چکر میں گرفتار کر لیں گے۔ 10 راکتوبر کو آصف علی زرداری کی گرفتاری کے بعد بینظیر بھٹو نے کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی کی جان کو خطرہ ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ذوالفقار علی بھٹو کی طرح بینظیر بھٹو کا جسمانی وجود مٹا دیا جائے گا؟

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی بیٹی کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ ایک عظیم لیڈر بنے گی اور اپنے مخالفین کو عبرتناک شکست دے گی۔ بے نظیر بھٹو کا جسمانی وجود مٹنے کے بعد یقیناً خون خرابہ ہوگا اور خون خرابے کے بعد مارشل لاء آئے گا اور ذوالفقار علی بھٹو کی یہ پیش گوئی ہمیں یاد رکھنی چاہئے کہ چوتھا مارشل لاء سب کچھ بہا لے جائے گا۔ چوتھا مارشل لاء آج آئے یا کل آئے اس کی آمد کے بعد بھٹو کی پیشگوئی ضرور پوری ہوگی۔

1977، 1990ء اور 1996ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے میں فوج نے کبھی بلاواسطہ اور کبھی بالواسطہ اہم کردار ادا کیا۔ 1996ء میں میر مرتضیٰ بھٹو کی موت کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنے بھائی کی موت کے بعد یقین تھا کہ اُنکی حکومت نہیں رہے گی اور پھر وہی ہوا۔ نومبر 1996ء میں اُنہیں اپنی ہی پارٹی کے صدر فاروق لغاری نے برطرف کر دیا۔ برطرفی

www.bhutto.org

کے چند دن بعد انہوں نے مجھے اسلام آباد میں بتایا کہ اُن سے امریکا اور فوج دونوں ناراض تھے۔ امریکا غوری میزائل پراجیکٹ کی وجہ سے ناراض تھا جو شمالی کوریا کے تعاون سے شروع ہوا۔ امریکا کو یہ بھی تکلیف تھی کہ ترکمانستان سے پاکستان تک گیس پائپ لائن کا منصوبہ امریکی کمپنی یونوکول سے لیکر ارجنٹائن کی کمپنی بریڈاس کو کیوں دیا گیا۔ فوج ایک دفعہ پھر افغانستان میں اپنی مرضی کا کھیل کھیلنا چاہتی تھی لہٰذا محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کردی گئی۔ محترمہ کے خاوند آصف علی زرداری کو جیل میں ڈال دیا گیا اور محترمہ جلاوطن ہوگئیں۔ اُنکی جگہ نواز شریف کو لایا گیا لیکن فوج نے نواز شریف کو بھی حکومت سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کرلیا۔ 1999ء سے 2007ء تک فوج پاکستان میں سیاہ وسفید کی مالک تھی اور پاکستان میں ہر طرف خودکش حملے ہورہے تھے۔ یہ وہ موقع تھا جب امریکا اور پاکستانی فوج کو ایک دفعہ پھر بھٹو خاندان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ 1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان بچانے کیلئے اقتدار دیا گیا اور 2007ء میں امریکا نے جنرل پرویز مشرف کے ذریعہ محترمہ بے نظیر بھٹو سے ایک معاہدہ کیا۔ مشرف چاہتا تھا کہ بے نظیر صاحبہ کی پارٹی کے رہنما مخدوم امین فہیم کو وزیراعظم بنا کر پیپلز پارٹی کا نام استعمال کیا جائے لیکن بے نظیر صاحبہ خود پاکستان آئیں نہ اُنہیں وزیراعظم بنایا جائے محترمہ بے نظیر بھٹو فوجی ڈکٹیٹر کی مرضی کے خلاف 17 اکتوبر 2007ء کو وطن واپس آئیں تو کراچی میں اُن کے جلوس میں خودکش حملہ کروایا گیا۔ حملے کے چند دن بعد بے نظیر صاحبہ نے مجھے اسلام آباد میں کہا کہ یہ حملہ مشرف حکومت نے کروایا اور اگر آئندہ اُن پر حملہ ہوا تو ذمہ دار مشرف ہوگا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مارک سیگل کے نام ایک ای میل بھی لکھ ڈالی اور اپنی موت کا ذمہ دار مشرف کو قرار دیا۔ بدقسمتی سے 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے خدشے کے عین مطابق ایک قاتلانہ حملے میں شہید ہوگئیں۔ اُن کی موت کے بعد پورے ملک میں ہنگامے شروع ہوگئے۔ فوجی جرنیلوں نے بادل نخواستہ انتخابات کروائے اور پیپلز پارٹی کو حکومت دیدی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کا جسمانی وجود مٹ گیا لیکن سیاسی وجود پیپلز پارٹی کی صورت میں قائم ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پیپلز پارٹی آج بھی ایک وفاقی جماعت ہے جو سندھ، پنجاب، خیبر پختونخواہ، بلوچستان، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں موجود ہے۔ کوئی بھی فوجی ڈکٹیٹر اس جماعت کو ختم نہیں کرسکا کیونکہ اس جماعت کے قائدین نے اپنے خون سے سیاست کو آگے بڑھایا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے دُرست کہا تھا کہ بے نظیر بھٹو کا وجود مٹایا گیا تو پاکستان نہیں بچے گا۔ بے نظیر کا وجود پیپلز پارٹی کی صورت میں ابھی تک قائم ہے لیکن اس وجود کو اصل خطرہ فوجی جرنیلوں سے نہیں بلکہ خود پیپلز پارٹی سے ہے۔ آج پیپلز پارٹی کی قیادت کو اپنے سیاسی

www.bhutto.org

وجود کی بقاء کیلئے کارکنوں کو نظریاتی بنیادوں پر منظم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پارٹی قائم رہے اور بُرے وقت میں پاکستان کے تحفظ کی جنگ لڑ سکے۔ 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایک بہادر اور نڈر سیاستدان کی طرح دہشت گردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جان قربان کی اور اس قربانی سے پارٹی کے سیاسی وجود میں نئی جان ڈالی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے تیار کردہ انتخابی منشور 2008ء پر عمل درآمد پیپلز پارٹی کی قیادت کا فرض ہے۔ اس انتخابی منشور پر عمل درآمد نہ ہوا تو پارٹی کے سیاسی زوال اور تباہی کا ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ خود پیپلز پارٹی ہوگی۔

www.bhutto.org

حوالہ جات

1۔ متھ آف انڈی پینڈینس — ذوالفقار علی بھٹو

2۔ پولیٹیکل سچوایشن ان پاکستان — ذوالفقار علی بھٹو

3۔ دی گریٹ ٹریجڈی — ذوالفقار علی بھٹو

4۔ تیسری دنیا.....اتحاد کا تقاضا — ذوالفقار علی بھٹو

5۔ اگر مجھے قتل کیا گیا — ذوالفقار علی بھٹو

6۔ مائی ڈیئر یسٹ ڈاٹر — ذوالفقار علی بھٹو

7۔ المیۂ مشرقی پاکستان.....پانچ کردار — منیر احمد منیر

8۔ زلفی مائی فرینڈ — پیلو مودی

9۔ پاکستان ڈیوائڈڈ — ڈاکٹر صفدر محمود

10۔ فرام جناح ٹو ضیاء — جسٹس ریٹائرڈ محمد منیر

11۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم — زاہد ملک

12۔ ''ویژن'' کراچی اگست 1954ء

13۔ ''ویژن'' کراچی اکتوبر 1954ء

14۔ ''ویژن'' کراچی نومبر 1954ء

15۔ ''ویژن'' کراچی مئی 1955ء

16۔ سلامتی کونسل میں تقریر.....22/ ستمبر 1965ء

17۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر.....28/ ستمبر 1965ء

18۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر.....15 اکتوبر 1965ء

www.bhutto.org

19۔ قومی اسمبلی میں تقریر.....16/مارچ 1966ء

20۔ حیدرآباد میں پی پی پی کے کنونشن میں تقریر.....21 ستمبر 1968ء

21۔ ''دی پاکستان آبزرور'' ڈھاکہ.....2 جنوری 1967ء

22۔ نشتر پارک کراچی میں تقریر.....4 جنوری 1970ء

23۔ لیاقت باغ راولپنڈی میں تقریر.....11 جنوری 1970ء

24۔ موچی دروازہ لاہور میں تقریر.....8 مارچ 1970ء

25۔ ناصر باغ لاہور میں تقریر.....4 اکتوبر 1970ء

26۔ پنجاب اسمبلی کے باہر خطاب.....20 دسمبر 1970ء

27۔ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں تقریر.....27 فروری 1971ء

28۔ صدر بننے کے بعد قوم سے خطاب.....20 دسمبر 1971ء

29۔ ''ایشیا آبزرور'' لندن.....دسمبر 1975ء

30۔ کوئٹہ میں کنونشن سے خطاب.....8 اپریل 1976ء

31۔ 28 اپریل 1977ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب

32۔ آئینی عذرداری جو لاہور ہائیکورٹ میں 6 مارچ 1978ء کو داخل ہوئی۔

33۔ سپریم کورٹ میں 20,19,18 اور 21 دسمبر 1978ء کو خطاب

34۔ ہفت روزہ ''الفتح''.....کراچی' اسلام آباد.....4 اگست 1990ء

35۔ ''ذوالفقار علی بھٹو.....انٹرویو ٹو دی پریس'' (دسمبر 1971ء.....1973ء)

(شائع کردہ: وزارت اطلاعات ونشریات پاکستان)

36۔ ہیرالڈ سپیشل رپورٹ.....اگست 1990ء

37۔ افواہ اور حقیقت۔۔۔۔۔۔ذوالفقار علی بھٹو

38۔ میرا پاکستان۔ذوالفقار علی بھٹو

www.bhutto.org